قال اللہ تعالیٰ

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا

ترجمہ - ابراہیم نہ یہودی تھا اور نہ نصرانی ولیکن خالص مسلمان تھا (آل عمران)

الحمد للہ کہ

حصہ اول

پیغام محمدی

یعنی

جواب نیاز نامہ پادری صفدر علی صاحب وجواب عدم ضرورت قرآن پادری ٹھاکرداس جس میں نہایت عمدگی اور تحقیق سے مقدس مذہب اسلام کی ضرورت اور دین موسوی و عیسوی پر اُس کی فضیلت ثابت کی گئی ہے

مؤلفہ

موسع دوران مصدر فیوضات لم یزلی حضرت اقدس مولانا سید محمد علی صاحب دامت برکاتہم

سنہ ۱۳۳۱ھ

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپکر شائع ہوا

یہ کتاب پہلے سنہ ۱۳ میں نامی پریس کانپور میں چھپی تھی اب دوسری مرتبہ بطبع [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۔ ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ ۵ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ
یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۵

بنام آنکہ آن نامش ندارد + بہر نامم کہ خوانی سر برآرد + تعریف کے لائق وہی یکتا و بے ہمتا ہے جسکی ذات تربیع و تثلیث سے منزہ اور ہر طرح کے شرک سے مبرا ہے نہ اُسکے باپ ہے نہ بیٹا ہے نہ وہ کسی میں سما سکتا ہے نہ کسی سے جدا ہے ۵ نہ انسان میں ہے نہ وہ سنگ میں + و لیکن چلتا ہے ہر رنگ میں + نہ وہ آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے نہ کسی سے چھپا ہے کیا خوب کسی نے کہا ہے ع تو رہا نظروں میں اور نظروں سے پنہاں ہی رہا + نہ اُسکے قہر کا کچھ پتا ہے نہ اُسکی رحمت کی انتہا ہے اُسکی شان رحمت نے دستگیری کی جو ہمارے لیے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا اُسکی صفت ہدایت نے کبھی جلال موسوی میں ظہور کیا اور کبھی جمال عیسوی میں جلوہ دکھایا انجام کار کمال محمدی میں اپنا کمال ظاہر کرکے تعلیم کا خاتمہ فرمایا۔ خدا تعالےٰ ہمارے تمام ہادیوں پر رحمت کا مینہ برسائے خصوصًا افضل المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ علیہ الصلوۃ والثنا پر جنکی ذات بابرکات انبیاء کرام

ے اللہ ہی کی تسبیح کرتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے ایسا وہ کہ بادشاہ ہے قدوس ہے زبردست ہے حکمت والا ہے وہی ہے جسنے بے پڑھوں میں انھیں میں کا ایک رسول ایسا بھیجا جو اُن کے پاس اُسکی آیتیں پڑھتا اور اُنکو سنوارتا ہے اور کتاب اور دانشمندی سکھاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں پڑے تھے

کے لیے شرف وعزت اور تمام عالم کے لیے ہدایت ورحمت ہی جسکے دل میں خدایتعالی نے کمال انصاف دیا ہے وہ آپ کی سیرت کاملہ کو ملاحظہ کرکے بے تامل کہہ سکتا ہی کہ آدم سے لیکر اسدم تک آپ کے مثل نہوا ہی اور نہ ہو سکتا ہی سچ ہی ؎ مثال محمد جہان میں نہیں + ہوا ہی نہ ایسا نہو گا کہیں ؎ بصورتیکہ تو ئی کمتر آفرید خدا + ترا کشیدہ ودست از قلم کشید خدا + صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین **بعد** حمد وصلوۃ کے خاکسار **محمد علی** عرض کرتا ہے۔ اے اسلام کے خیرخواہو اے ملت محمدی کے جان نثارو اگر کوئی ہی تو سنے اور متوجہ ہو تمھیں تو تھے کہ مقدس مذہب اسلام پر جان و مال فدا کرتے تھے تمھیں تو تھے کہ اگر کہیں اسلام کا پسینا گرے تو تم خون کی ندیاں بہا دیتے تھے تمھارے ہی باپ دادوں نے اس پاک مذہب کا پھریرہ مشرق سے مغرب تک اوڑا دیا تمھاری ہی بزرگوں کی کوششوں اور جانبازیوں نے ایک عالم کو خدا کی راہ پر چلا دیا کیا تم اُنھیں خدا پرستوں کی اولاد نہیں ہو جنھوں نے نونہال اسلام کو اپنے پسینوں سے سینچا ہی اور اُسکے سایہ میں بیٹھنے کو دنیا کی بادشاہت سے بہتر سمجھا ہی کیا تم اُنھیں راستبازوں کے نام لیوا نہیں ہو جنھوں نے سچائی اور راستی پھیلانے میں اپنے جان و مال کو بیدریغ قربان کر دیا اور اپنی عزت وآبرو کو اُسپر فدا کرنا فخر سمجھا اور پیارے عزیزوں کو اُسپر نثار کر دینا کلیجے کی ٹھنڈک خیال کیا پھر کیا اسلام کی دردناک آواز تمھارے کانوں تک نہیں پہونچتی کہ کن کن ظالموں کے پنجوں میں پھنسکر وہ فریاد کر رہا ہے کیا اُسکی مظلومانہ اور افسوسناک حالت تم نہیں دیکھتے کہ کیسے کیسے بیرحموں اور نا خدا ترسوں کے اُسپر بیجا حملے ہو رہے ہیں او بہتی بلعال کس کس عنوان سے اُسکے نیست و نابود کرنیکی کوشش کر رہے ہیں کہیں دنیاوی شوکت و سطوت دکھا کر ضعیف الایمانوں کو لغزش دیجاتی ہی کہیں مال و زر کی جگمگاہٹ سے کوتاہ بینوں کی نظر خیرہ کیجاتی ہی کہیں مہ جبینان پر فریب کا دام حسن پھیلا کر طائر دل کو پھنسایا جاتا ہے کہیں وعظ ونصیحت کے بہانے جھوٹی تہمتیں لگا کر سیدھے راستے سے پھیرا جاتا ہی کہیں غلط بیانیوں کی طومار اُٹھا کر دفتر کے دفتر سیاہ کیے جاتے ہیں تاکہ اسلام کے چہرۂ پرنور کو کسیطور داغدار دکھائیں اسی قسم میں پادری صفدر علی صاحب کا رسالہ **نیاز نامہ** ہی جو ہندوستان کے عیسائیوں میں نہایت موجب فخر سمجھا جاتا ہے

اول تو اُسکے مصنف ہی نے اُسپر بہت کچھ ناز و فخر ظاہر کیا ہے اور لاجوابی کا اعلان دیا ہے پھر مکرر اور
عیسائیوں نے اُسے جواب کیلئے پیش کیا ہے مگر ہمارے علما کی بے اعتنائی اور ناعاقبت اندیشی پر افسوس ہے
کہ اسطرف توجہ نہیں فرماتے البتہ باہمی جھگڑوں کیلئے جلد مستعد ہو جاتے ہیں اب ذرا آنکھیں کھولکر
اُسکے مصنف کی لن ترانیاں ملاحظہ کریں - پادری صاحب نے جو یہ مواعظ عقبے کی جلد سوم نمبر ۹ مطبوعہ
یکم ستمبر ۱۸۶۹ء مطابق ۲۳ جمادی الاولی ۱۲۸۶ ہجری میں ایک عریضہ نیاز شائع کیا ہے اس میں
تحریر کرتے ہیں کہ "تین برس سے یہ کتاب نیاز نامہ باثبات حقیت دین مسیحی و ابطال حقیت اسلام لیے
تصنیف کی اور کوئی علمائے اسلام میں سے ہندوستان سے عرب و عجم وغیرہ تک اسکا جواب نہ لکھ سکا
لیکن افسوس اُن پر جو باوجودیکہ چارونطرف سے آواز الصّلا الصّلا سنتے ہیں اور آلہی دعوت (یعنی
انجیل کی منادی) کا غل جگہ جگہ پاتے ہیں تو بھی خواب غفلت میں پانوں پسارے سوتے ہیں اور
صرف اتنا کہکر ٹال دیتے ہیں کہ ہمارا طریق تو تقلید ہے جس میں ہیں اُسی میں رہینگے اور خوب جانتے
ہیں کہ خدا کے قہر کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جس میں تمام تودے طوفان اور ناراستی اور بطالت کے
جلیں گے پس وہ تنکا جسپر اعتقاد رکھتے کہاں باقی بچے گا وہاں تو اسکا نام و نشان بھی نہ ہوگا پس
اُس پر بھروسا کرنا نہایت نادانی ہے انسے زیادہ اُن مولوی صاحبوں پر افسوس ہوتا ہے کہ جو اپنے دلمیں
خوب جانتے ہیں کہ دین محمدی حق نہیں کتاب مقدس اور دین مسیحی بیشک حق اور خدا کی طرف سے
ہے لیکن دنیا کے مارے نہ آپ قبول کرتے نہ دوسرونکو قبول کرنے دیتے ہیں اکثر تو اُن میں سے اتنی
ہی بات پر ٹال دیتے ہیں کہ مسیحیوں کے اعتراض بآسانی دفع ہو سکتے ہیں اور دین محمدی کی حقیت کے
ثبوت بہت ہیں مگر ہمکو فرصت نہیں کہ اپنا وقت اسمیں صرف کریں حالانکہ ہدایت راہ حق کا دعوے کرتے
بلکہ اکثرونکی وجہ معاش اسی پر ہے جبلپور میں مولوی صاحبونکا ہجوم رہتا ہے جو حج کو جاتے یا وہانسے واپس
آتے ہیں جب کوئی صاحب وارد ہوتے ہیں بہت سے مسلمان بھائی نیاز نامہ اُنکی خدمت میں لیجاتے اور التجائے
جواب باصواب کرتے ہیں مگر سب کے سب اسی لیت و لعل میں چھوڑ جاتے ہیں مولوی عبد الحکیم صاحب
جیدآبادی سے جواب لکھنے کا وعدہ کر گئے مولوی عنایت علی مجتہد جو ملک عرب میں مدتہای مدید تک

تحصیل وتکمیل علوم دینیہ کرکے آئے الہ آباد یا پنجاب سے جواب تحریر کرنیکا وعدہ کرگئے مدت ہوچکی اس
طور سے کئی ایک صاحب تلاش کرکے فقیر کے پاس آئے اور نیاز نامہ لیکر کسینے مدینے سے کسینے مکہ سے
کسینے بغداد سے کسینے کربلا سے جواب بھیجنے کا وعدہ کیا مگر ہنوز روز اول ہے ایک صاحب دو برس سے الہ آباد
میں مشہور کرتے ہیں کہ جواب تیار ہے نظر ثانی کی کسر ہے ایک صاحب نے بنارس میں پادری لیپول صاحب سے کئی بار
وعدہ کیا کہ جواب جلد دیتا ہوں ایک مشہور معروف واعظ وعالم پشاور نے پادری ڈیڈ صاحب سے بدیں تحریر مباحثہ
بند کیا کہ نیاز نامہ اور پادری عماد الدین صاحب کی کتابونکا جواب دونگا اسی طرح مولوی سید محمد عبد العزیز
صاحب کشمیر سے تشریف لائے بہت لوگوں کو مرید کیا عمائد میں سے بھی کئی لوگوں نے بیعت کی اور
جگہ جگہ انکا شہرہ پھیلا اور فرمایا کہ میں نے روم وشام وعرب وغیرہ میں مدتوں سیر کی بمبئی میں
چالیس بڑے بڑے پادری جمع ہوئے آخر ان چالیسوں کو لاجواب کردیا جب لوگوں نے روز روز
(جواب نیاز نامہ) کا اصرار کرکے قائل کیا تو ٹالکر اندور کو سدھارے ۔ مولوی برکت اللہ (یا برکت علی)
مکہ سے آئے جو مدت مدینے سے ہجرت کرکے وہاں رہتے ہیں سب کے روبرو آپ ہی شرمندہ ہوے اور گھبرائی اور پسینوں
میں نہائے بلکہ مولوی سید مقصود الحسن صاحب تحصیلدار اور منشی لطافت علیخان سررشتہ دار وغیرہ عمائد شہر نے
خود انکو قائل کیا آخر کو انکی اور دوسرے لوگونکی صلاح اور صوابدید سے مولوی برکت اللہ قاضی ولی محمد کو اپنے ساتھ
مکہ لیگئے کہ جواب نیاز نامہ لاوے وہاں مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خان موجود ہیں لیکن بیچارہ اتنی محنت
ومشقت اٹھا کر مکہ بھی پہونچا اور ایک عرصہ تک ان صاحبونکی خدمت میں رہا پھر بھی بے نیل مقصود واپس آیا
اور سارے مشتاقوں اور منتظروں کے دلونکو سرد کردیا ۔ یہ حال محمدی علما کا ہے کہ ہر حیلہ وہر بہانہ چاہتے
ہیں کہ امر حق لوگوں سے پوشیدہ رہے اور کوئی خدا کی راہ پر نہ پہونچے مرید کرنے دعوت کھانے فتوح یعنی روپیہ
مارنیکو تو اتنی فرصت کہ سیکڑوں کوس ڈھونڈتے پھرتے سارے ہندوستان کا دورہ کرتے ہیں کہ وہ محمد صاحب کی
سنت ہے مگر حق وباطل کی تمیز اور دین وایمان کی بابت سوچنا سمجھانا تعلیم کرنا فرض نہیں اسکے لیے فرصت نہیں ہے
اسلام کے غیرت مند حامیو اے علماے امتی کانبیاے بنی اسرائیل کا خطاب حاصل کرنے والو کیا حمیت اسلامی
کا یہی مقتضا ہے کہ تثلیث پرستونکی اسقدر زبان درازیاں اور اسلام کی اہانت سنیں اور دیکھیں اور کانوں

میں تیل ڈالکر بیٹھے رہیں ذرا زمانہ کی حالت کو دیکھو اور مستعد ہو جاؤ۔ اب میں اس عریضۂ نیاز پر کچھ ریمارک
کیا چاہتا ہوں اور چند باتیں لکھنا چاہتا ہوں **اوّل** یہ کہ ہمارے مخاطب یہ دعوی کرتے ہیں کہ تمام دنیا
میں کوئی مسلمان ہماری کتاب کا جواب دیگا میں کہتا ہوں کہ ذرا خدا کو علام الغیوب جانکر دل میں غور فرمایئے
کہ نیاز نامہ رسالہ **شہادت قرآنی** اور **میزان الحق** وغیرہا چند رسالوں کا انتخاب ہے یا اور کچھ ہے
پھر کیا ان رسالوں کے مستقل اور ضمنی جوابات متعددہ ہماری طرف سے نہیں ہوئے (ہماری آخر کتاب کی
فہرست ملاحظہ ہو) کیا مولانا رحمت اللہ صاحب نے اپنی نادر اور مبسوط کتابوں میں کامل طور سے اثبات
حقیت اسلام اور ابطال مذہب تثلیثی نہیں کیا جسنے نہ دیکھا ہو وہ آنکھیں کھولے اور انصاف کی عینک لگاکر
اظہار الحق اور **ازالۃ الشکوک** اور **ازالۃ الاوہام** وغیرہا کو ملاحظہ کرے اور کہے کہ وہ کون
اہم اعتراض ہے جسکا جواب ان کتابوں میں نہیں ہے اور ہند سے لیکر یورپ تک کسنے ان کتابوں کا جواب
لکھا ہے پھر کیوں نیاز نامہ پر اسقدر ناز کیا جاتا ہے رومیوں کا باب ۱۲ ورس ۲ اور فلپیوں کا باب ۲ ورس ۳ ملاحظہ
کرکے جھوٹی شیخی سے توبہ کرنا چاہیے۔ ہاں پورانی باتوں کو نئے لباس میں ظاہر کیا ہے جسکی وجہ سے
ناواقف ہو کا کھاتے ہیں اسی وجہ سے مجھے جواب لکھنے کی ضرورت ہوئی۔ **دوم** آپ کے عریضہ میں یہ بھی
دعوی ہے کہ بہت سے مولوی دین محمدی کو حق نہیں جانتے بلکہ دین مسیحی کو سچا جانتے ہیں مگر دنیا کے مارے
قبول نہیں کرتے۔ یہ دعوی ایسا صریح غلط ہے جسکی غلطی میں کسی منصف کو ذرا بھی شبہہ نہیں ہو سکتا کوئی یہ
خیال کر سکتا ہے کہ اگر کوئی دین مسیحی اختیار کرے تو اُسے دنیاوی نقصان ہو گا مال و دولت چھن جائیگی یا نوکری
جاتی رہیگی ہرگز نہیں البتہ مسلمان ہونیمیں ان نقصانوں کی نظیریں مل سکتی ہیں کیا ہر ایک ادنی و اعلی کے
پیش نظر نہیں ہے کہ بعض وہ شخص جنھیں دس روپیہ کی نوکری کی لیاقت نہیں ہے وہ عیسائی ہو کر پچاس پچاس
اور سو سو روپیہ کی تنخواہ مشن سے پاتے ہیں اور تمام کنبے کی تنخواہیں معین ہیں وہ علاوہ ہیں۔ پادری عماد الدین
کے حال کو ملاحظہ کیجیے کہ بایں لیاقت علمی اور تہذیب و شایستگی جو انکی تصانیف سے ظاہر ہے اور خود عیسائیوں
نے مجبور ہو کر اُسکا اعتراف کیا ہے ڈیڑھ سو روپیہ کی تنخواہ پاتے ہیں اور ڈاکٹر اف ڈیونٹی کا خطاب ملا ہے ہمارے
مخاطب پادری صفدر علیصاحب بھی انصاف سے فرمائیں کہ جسکی علمی لیاقت کا وہ حال ہو جسکا نمونہ مینے

مرآۃ الیقین میں دکھایا ہے اور تہذیب و شایستگی کا یہ حال ہو جو اُنکی کتاب **تاریخ محمدی** سے ظاہر ہے گویا دماغ کیا ہے ناپاک خیالات کا گھوڑا ہے پھر بھی اُنکو اسقدر تنخواہ ملے اور یہ اعزاز ہو بااینہمہ پادری صاحب یہ کہتے ہیں کہ دنیا کے مارے بہت سے مولوی دین مسیحی قبول نہیں کرتے ذرا خدا سے ڈریں اور راستی کو ہاتھ سے ندیں۔ سچ یہ ہے کہ اسوقت کی حالت دیکھکر اسلام پر قائم رہنا بڑی سچے خداپرستونکا کام ہے اسلام پر یہ ویسا ہی وقت ہے جیسا کسی زمانے میں عیسائیت پر تھا **تیسرے** یہ کہ جن مولوی صاحبونکے نام پادری صاحب نے لکھے ہیں اُون میں کوئی مشہور اور متکلمین میں سے نہیں ہے جنکا جواب سے ساکت رہنا قابل لحاظ ہو اور نیاز نامہ لاجواب خیال کیا جائے۔ پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ کسوجہ سے اُنھوں نے سکوت کیا آیا اسوجہ سے کہ جو مباحث نیاز نامہ میں لکھے گئے ہیں وہ بیشتر طے ہو چکے ہیں پھر اُن بحثونکو چھیڑنا اوقات ضائع کرنا ہے یا بوجہ عالی نظر ہونیکے نیاز نامہ کی باتونکو قابل جواب نہیں خیال کیا اگرچہ بعض نے جواب دینے کا وعدہ بھی کیا ہو مگر جب تفصیلاً اُسپر نظر کی اور اس فن کی کتابونکو دیکھا تو جواب کی ضرورت نہ سمجھی اور اس امر پر نظر کی کہ عوام بسبب اپنی کوتاہ نظری اور پست ہمتی کے دہوکے میں پڑینگے۔ اب ذرا پادری صاحب ہی دل میں انصاف فرمائیں کہ سینکڑوں پادری اور پریچر لاکھوں روپیہ مشن کا کھاتے ہیں اور بہت سے عمدہ عمدہ ہوادار بنگلوں میں عیش کرتے ہیں اور ایک ایک کو سینکڑوں روپیہ ماہانہ صرف اس غرض سے ملتا ہے کہ دین کی اعانت اور ہدایت کریں مگر اس وقت تک بہت کتابیں علمائے اسلام کی تصانیف سے رد نصاری میں موجود ہیں جنکے جواب میں کسی صاحب نے قلم نہیں اُٹھایا باوجودیکہ بعض بعض کو چھپے ہوئے عرصہ دراز ہو گیا مثلاً کسیکو اٹھائیس برس کسیکو اُڑتیس برس کسیکو کچھ کم و بیش۔ اب فرمائیے کہ یہ سینکڑوں پادری جو لاکھوں روپیہ اسی کام کا پاتے ہیں اور فارغ البال ہو کر لطف زندگی اٹھاتے ہیں کیوں اُنکا جواب نہیں لکھتے۔ محمدی عالم تو ایک بھی ایسا

سلہ اخبار نور الانوار نمبر ۳۴ جلد ۲۰ مطبوعہ ۲۲۔ اگست ۱۸۹۰ء ناقل ہے کہ ہندوستان میں نو سئو ولایتی پادری صاحبونکی تعداد ہے جو اپنے کام میں مصروف ہیں یعنی لوگوں کو عیسائی بنانیکی کوشش کرتے ہیں علاوہ ازین ملکی فوج کے انکی دستے ہیں اُن کا کام بھی یہی ہے انتہی۔ اب دیسی پادری اور پریچروں کو قیاس کرنا چاہیے کہ کس قدر ہونگے کیونکہ متعدد دیسی پریچر اور پادری ایک ایک ولایتی پادری کی ماتحتی میں کام کرتے ہیں ۱۲۔

سلہ چند کتابونکی فہرست دینے اس کتاب کے پہلے حصہ کے آخر میں دی ہے اور رسالہ مراسلات مذہبی میں بہت بڑی فہرست ان

نہیں ہے جسے سوپچاس ہی روپیہ اس کام کے لیے ملتا ہو۔ پھر کہیے کہ علماے اسلام کی کتابیں لاجواب خیال کیجائیں یا علماے مسیحیہ کی اور ہمارے علما قابل الزام کے ہیں یا آپ کے ذرا انصاف سے فرمائیگا۔

پھر یہی نہیں کہ کتابوں کے جواب نہیں لکھے بلکہ جب کسی پادریصاحب سے مناظرے کو کہیئے اور پادریصاحب یہ جان لیں کہ یہ شخص ماہر ہے تو سو حیلہ و بہانہ کرکے ٹالدینگے اور ہرگز سامنا نکرینگے تاکہ امر حق لوگوں سے پوشیدہ رہے اور کوئی خدا کی راہ پر نہ پہونچے ہاں جہاں یہ معلوم کرلینگے کہ مقابل ماہر نہیں ہے وہاں آستین چڑھاکر مستعد ہو جاینگے بلکہ اُسکے گھر پر جاکر اُسے تنگ کرینگے۔ ملاحظہ کیجئے کہ پادری عماد الدین مجتہد صاحب سے مناظرہ کرنے کو تیار ہوگئے اور جب مینے بذریعہ اخبار اسکی خواستگاری کی تو دم بھی نہ مارا۔ پادری صفدر علی صاحب خود ہی ملاحظہ کریں کہ کس آرزو سے مینے مناظرہ تحریری کی خواہش کی اور مکرر لکھا کہ نیاز نامہ کی ہر ایک بحث کو علیحدہ علیحدہ طے کریجیے تاکہ کامل طور سے ہر ایک امر کی تحقیق ہو جاوے اور بعد ختم مناظرہ کے کتاب مرتب کرکے چھپوا دیجاوے جس سے ہر ایک کو کامل فائدہ ہو۔ مینے یہ بھی کہا کہ اگر آپ کو فرصت کم ہو تو بہت سے پادری صاحب فارغ البال ہیں اُن میں سے ایک کو دو کو دس کو شریک کر لیجیے اور مناظرہ کیجیے مگر جنابنے مجھے کچھ جواب ہی ندیا نور افشان میں طبع کرایا کہ میں تو تو میں میں نہیں پڑتا۔ اب انصاف کیجئے کہ جس امر سے دوسرونکو الزام دیا جاتا ہے اُسے خود ہی اختیار کرتے ہیں کیا اظہار حق کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ ہر ایک اختلافی امر میں جداگانہ بحث کرکے طے کیا جائے بیشک ہے اور عمدہ طریقہ ہے پھر باوجود ماہر ہونیکے کیوں اس سے گریز کیا گیا۔ مینے نیاز نامہ کے بہت مضامین کا جواب تفصیلی منشور محمدی میں طبع کرایا مگر آج تک پادری صاحبنے یا اُن کے دوسرے حامیوں نے ایک کا بھی جواب ندیا اور اظہار حق نہ فرمایا ہاں عوام کے فریب دینے کو یہ کہدیتے ہیں کہ نیاز نامہ کا جواب قیامت تک نہ ہوگا۔ یہ حال مسیحی علما کا ہے کہ اپنے مریدوں اور ہم مشربوں میں سرخروئی حاصل کرنے اور مشن کا روپیہ مارنیکے لیے ہزاروں کوس جائیں اور تمام تمام دن اور رات مہینوں ناواقفوں اور فریب خوردوں سے باتیں بنائیں مگر ایسے مقام پر دین و ایمان کی بابت سوچنے اور بیان کرنیکی فرصت نہیں ہے جہاں کامل طور سے حق و باطل میں تمیز ہو جائے اور پورے طور سے مغالطہ دہی یا غلط فہمی کھل جائے۔

دوستانہ التماس

اے میرے مخاطب میںنے عریضہ نیاز کے جواب میں جو کچھ لکھا ہے وہ محض الزام دینے کی غرض سے نہیں لکھا بلکہ اس غرض سے لکھا ہے کہ آپ موازنہ فرمائیں اور نیاز نامہ کا جواب نہ ہونیسے اُسے لاجواب نہ سمجھہ لیں میں اپنے علما بلکہ تمام اہل اسلام کی دین کیجانب سے غفلت اور بے توجہی کا اقرار کرتا ہوں اگر یہ غافل نہ ہوتے تو دنیا میں تثلیث پرستونکا وجود تلاش کرنیسے ملتا مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ نے جو یہ مقدس اور سچا مذہب چھوڑا اور تثلیث پرستی اختیار کی اسکی وجہ بھی ہمارے علما کی بے توجہی ہوئی ادہر تو انکی بے توجہی نے آپ کو غصہ دلایا اور اُس طرف پادری صاحب نے سرخروئی کا موقع پایا اور بعد فریب میں آجانے کے تعریفیں کرکے ایسا نفس کو موٹا کیا کہ اس جال سے نکلنا دشوار ہو گیا افسوس صد افسوس کہ آپ سے دانا اور ہوشیار کو شیطان نے ایسا دھوکا دیا آپ یہ خیال نہین فرماتے کہ یہ جاہ و منصب اور دنیا کے لوگوں کی تعریفیں کے روز تک ہیں پھر ایکدن خدا تعالی کو منہ دکھانا ہے اگر حیات چندروزہ میں کیسی تعریف نکی کیسینے سر پر نہ چڑھایا نہ چڑھایا کیا یہ دانشمندی کی بات ہے کہ حیات فانی کے لطف کے لیے حیات جاودانی کو تباہ کردے اور غور و تامل نکرے ہرگز نہیں ہرگز نہیں اے پیارے سوچو اور سمجھو کیسکی بے توجہی اور کج خلقی پر خیال نکرو بلکہ میری کتاب میں غور کرو اور دیکھو میںنے تمہاری خیر خواہی کیوجہ سے نہایت محنت کرکے امر حق اظہر من الشمس کیا ہے اور تمہارے شبہونکا کیسا تسکین بخش جواب دیا ہے۔

اس کتاب میں نیاز نامہ اور عدم ضرورت قرآن مولفہ پادری ٹھاکرداس کا جواب ہے مگر پہلے اور دوسرے حصہ میں زیادہ خیال و توجہ نیاز نامہ کیطرف کی گئی ہے اور عدم ضرورت کا جواب ضمناً ہوا ہے اور اسکے بعد جہاں عدم ضرورت کی فصل پنجم کا جواب دیا گیا ہے وہاں پادری ٹھاکرداس صاحب کیطرف پوری توجہ کی گئی ہے کیونکہ وہاں پادری صاحب نے بہت زبان درازی کی ہے پہلے حصے میں اگرچہ بظاہر پورے نیاز نامہ کا جواب نہیں ہے مگر تامل سے دیکھنے کی بعد بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ اسی حصہ میں سارے نیاز نامہ کا جواب ہے اتنا ہی فرق ہے کہ بعض امر کا تفصیلی جواب ہے اور بعض کا اجمالی اور مقدمہ کتاب ہے تو ہر ایک اعتراض کے متعدد جواب نکلتے ہیں ذرا انصاف سے دیکھنا چاہیے واللہ الموفق والمعین وبہ نستعین۔ اَللّٰہُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْہُمْ

آمدم برسر مطلب

ناظرین باتمکین پر واضح ہو کہ محرر سطور قبل جواب تفصیلی کے تمہید لکھتا ہی جسمین دو مقدمے چند تحقیقات پر مشتمل ہیں یہ وہ تمہید ہے جس سے تمام اعتراضات پادریصاحب کے درہم وبرہم ہوجاتے ہیں اور تمام نیاز نامے کے متعدد جوابات نکل آتے ہیں۔

پہلا مقدمہ

واضح ہو کہ خلاصہ اعتراض مصنف نیاز نامہ کا صرف اسقدر ہے جو خود اُنہوں نے صفحہ ۶ و ۷ میں اس طرح بیان کیا ہی کہ" باوجودیکہ قرآن واحادیث میں کتب مقدسہ یعنی توریت وانجیل وصحف انبیاے کرام کو سچّا اور کلام اللہ بتایا ہے اور جابجا اُسکی تصدیق اِس درجے پر کی ہے اور اس رتبہ اُسکے فضل وکمال وہدایت وتعلیم وتکمیل کی تعریف وتوصیف مرقوم ہے جس سے زیادہ خیال میں نہیں آسکتی مگر باایںہمہ پھر وہی قرآن وحدیث اُسی کتاب کے مخالف ومبائن ومعارض ہیں نہ صرف فروعات میں بلکہ خاص مطالب اور عمدہ مقاصد اصول ایمانیہ اور ارکان دین میں بھی بکثرت تمام لہذا ناممکن ہے کہ قرآن وحدیث منجانب اللہ ہوں" پادری صاحب کے اس اعتراض پر کلام مقدس کی ایک آیت مجھے یاد آئی وہ یہ ہے یَآاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ۝ اے اہل کتاب تم ہمسے بیزار نہیں مگر اسوجہ سے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ اوتارا گیا ہمپر اور جو کچھ اوتارا گیا ہمسے پیشتر اور تم میں اکثر نافرمان اور سرکش ہیں۔ پادریصاحب کے قول سے اِس آیت کی خوب تصدیق ہوتی ہی۔ یہ اعتراض بعینہ ایسا ہی کہ کوئی یہودی بہ نسبت انجیل کے یوں کہے کہ باوجودیکہ انجیل میں کتب مقدسہ یعنی توریت وصحف انبیاے کرام کو سچا اور کلام اللہ بتایا ہی اور جابجا اُسکی تصدیق کی ہی اور اسپر عمل کرنیکو ضروری بتایا ہی مگر باایںہمہ پھر وہی انجیل اُنھیں کتابونکے مخالف ومبائن ہی نہ صرف فروعات میں بلکہ خاص مطالب اور عمدہ مقاصد اصول ایمانیہ اور ارکان دین میں جیساکہ آیندہ معلوم ہوگا لہذا ناممکن ہے کہ انجیل منجانب اللہ ہو پس جس طرح

یہودی کا یہ اعتراض محض غلط و خیال خام ہے اسی طرح پادری صاحب کا اعتراض بالکل بیجا اور ناتمام ہے انکی نافہمی سے اُنھیں ایسا دھوکا لگا ہے۔ دیکھیے ایک بہت بڑے فاضل عیسائی گاڈفری ہیگنس اپنی کتاب اپالوجی میں جہاں مذہب اسلام کے شیوع کے وجوہ بیان کیے ہیں لکھتے ہیں۔ ''وہ دفعہ ۵۲ ایہودی یا عیسائی قیدی کے لیے علاوہ خوشی زندگی آیندہ کے آزاد ہو جانا انعام سر دست تھا پس جس شخص کی آزادی بموجب قواعد جنگ کے جاتی رہی ہو اور وہ اپنے پیشتر کے یہودی یا عیسائی تعصبات کے چھوڑنے کے بدون بھی ایمان لا سکتا ہو اسوجہ سے کہ محمد صلعم اُس کے مذہب کے مکمل کرنیکے لیے خاص مقرر ہوئے تھے نہ اُسکے دور کرنیکو'' پھر دفعہ ۱۴۸ میں لکھتے ہیں جس شخص کو دین محمدی کیطرف تھوڑی سی بھی رغبت ہے وہ بآسانی مان لیگا کہ اُنکے مسائل میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو دین عیسوی اور موسوی کے مخالف ہو'' ہمارے مخاطب ملاحظہ کریں کہ اُن کے مذہب کے فہمیدہ اور محقق عالم کیا کہتے ہیں قطع نظر اسکے کہ اس عالم کے قول کا سچا ہونا اس کتاب میں بخوبی ثابت کر دیا گیا ہے اسوجہ سے بھی اسکا قول لائق قبول ہو سکتا ہے کہ منشی صفدر علی صاحب سے بدرجہا لائق ہے اور طرفداری کا احتمال بھی کسی طرح نہیں ہو سکتا کیونکہ اس اقرار میں فاضل مذکور کو دنیاوی نقصان کے سوا کوئی نفع دنیاوی متصور نہیں ہے پھر بجز اسکے کہ تحقیق کے بعد انصاف دلی کے جوش میں اس عالم نے ایسا لکھا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اب ہم محققانہ طور پر اس اعتراض کا جواب لکھتے ہیں ناظرین بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیں واضح ہو کہ یہ اعتراض تین باتوں پر موقوف ہے جب تک اُن کا ثبوت کما حقہ نہولے اُس وقت تک یہ اعتراض ہرگز قابل توجہ نہیں ہو سکتا۔

اول قرآن مجید و احادیث صحیحہ میں جو توریت و انجیل کی تصدیق ہے اُس سے بعینہ یہ مجموعہ بیبل تمامہ مراد ہو

دوم۔ کسی کتاب کی تصدیق و توصیف کیلئے یہ ضرور ہو کہ تعریف کرنیوالا اس کتاب کے جمیع مقاصد کی تصدیق کرتا ہے اور من اولہ الی آخرہ اُسکے تمام مطالب کو تسلیم کرتا ہے اور صحیح جانتا ہے۔

سوم جو مباینت و مخالفت دونوں کتابوں میں بیان کی گئی ہو وہ واقعی و نفس الامری ہو محض

معترض کا قصور فہم وعدم تحقیق نہو۔ ظاہر ہے کہ بغیر اثبات اِن تینوں امروں کے پادری صاحب کا مدعا ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا اب مین تینوں امور کی تحقیق کرتا ہوں تاکہ ظاہر ہوجاوے کہ معترض نے بغیر ثابت کیے اِن تینوں باتوں کے (جنکا ثابت کرنا اُنکو ضرور تھا) اعتراض کیا اِس میں کوئی شک نہیں کہ بغیر قیام بنیاد تعمیر بلند اُٹھانا شروع کردی۔

پہلی بات کی تحقیق

قرآن مجید میں جس مقام پر توریت کا لفظ بولا گیا ہی اُس سے وہ کتاب آلہی مُراد ہی جو خدا کیطرف سے موسیٰؑ کو دی گئی چنانچہ سورہ سجدہ میں ہی وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ بیشک ہمنے موسیٰ کو کتاب دی یہاں گرچہ مطلق کتاب کہا گیا ہی لفظ توریت نہیں بولا گیا مگر یہ امر بالاتفاق ثابت ہے کہ جو کتاب حضرت موسی کو دی گئی وہ توریت ہی تھی اس سے ظاہر ہے کہ کتاب سے مُراد توریت ہی پس لامحالہ توریت وہ کتاب ہوئی جو حضرت موسیٰ کو دیگئی تھی۔ اور سورہ اعراف میں ہی وَکَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً الخ یعنی الله تعالی فرماتا ہی کہ لکھا ہمنے موسی کے لیے لوحوں پر ہر ایک امر نصیحت کیلیے اور بیان ہر ایک ضروری چیز کا پس (اے موسے) مضبوط پکڑ اُنکو اور حکم کر اپنی قوم کو کہ عمل کریں اُسکی عمدہ ترین باتوں پر اس آیت سے یہ امر بخوبی ثابت ہوتا ہی کہ الواح سے مُراد پوری توریت ہی نہ صرف وہ دو لوحیں پتھر کی جنکے ملنے کا ذکر خروج کے باب ۳۱ و ۳۲ و استثنا کے باب ۴ و ۵ و ۱۰ میں ہی کیونکہ اُن لوحوں پر فقط دس حکم لکھے ہوئے تھے نہ کل شریعت موسیٰؑ اسکی وجہ یہ ہے کہ۔

اوّل تو اُنکے بیان میں دو وصف ذکر ہوے ایک یہ کہ اُنمیں ہر قسم کی باتیں نصیحت کے لیے ذکر کی گئیں ہیں دوسرے یہ کہ ہر ضروری چیز کا اُن میں بیان ہی اور ظاہر ہے کہ اُن دو لوحوں میں یہ دونوں باتیں نہ تھیں بلکہ صرف دس حکم تھے البتہ تمام توریت میں ہر طرح کی نصیحت بھی تھی اور ہر ضروری چیز کا بیان بھی تھا اس وجہ سے ضرور ہی کہ یہاں الواح سے مراد وہ ساری کتاب لیجاے جو حضرت موسےٰ کو دی گئی +

دوم یہ کہ حضرت موسیٰ کو یہ حکم ہوا کہ اپنی قوم سے کہیں کہ اُنکی عمدہ ترین باتوں پر عمل کرو اس حکم سے
صاف ظاہر ہے کہ اُن میں ایسی باتیں بھی ہیں جنپر عمل نکرنا چاہیے یا عمل کرنا ضرور نہیں ہے اور وہ لوحیں
جن پر دس حکم لکھے تھے اُنمیں کوئی حکم ایسا نہیں ہے جسپر عمل کرنا ضرور نہو البتہ اس تمام کتاب میں
ایسی باتیں بھی ہیں جن پر عمل کرنا موسیٰ کی قوم کو نچاہیے تھا مثلاً شریعت ابراہیمی اور شریعت نوحی کے
وہ احکام بھی توریت میں مذکور ہیں جو شریعت موسوی میں منسوخ کردیے گئے تھے اسوجہ سے یہ حکم ہوا
کہ اس کتاب کی عمدہ باتوں پر عمل کیا جائے یعنے جو احکام منسوخ نہیں ہیں اُن پر عمل کیا جائے
اور جو منسوخ ہوگئے ہیں اُن پر عمل نہ کیا جائے کیونکہ وہ زمانہ موسوی کے لحاظ سے عمدہ نرہے تھے غرضکہ
قرآن شریف نے جس توریت کی تصدیق کی ہے اور متعدد طور سے اسکا نام لیا ہی کہیں تو الکتاب کہا ہی
کہیں الواح سے تعبیر کیا ہی کہیں صُحُف موسیٰ کہا ہی وہ کتاب وہ ہی جو حضرت موسیٰ کو دی گئی اُسمیں سے
دس حکم تو لوحوں پر یدِ قدرت سے لکھے ہوئے ملے تھے اور باقی بطریق وحی مرحمت ہوئے +
اب یہ امر غور طلب ہی کہ وہ کتاب کونسی ہے اور کہاں ہی کیونکہ قرآن شریف نے کوئی صاف تعیّن نہیں
کردی جسکے سبب سے ہم بالیقین یہ کہدیں کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہی البتہ توریت کی نسبت یہ فرمایا ہی
کہ اُسمیں حکم آلہی ہی نصیحت ہی حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والثنا کی بشارت ہی بنی اسرائیل کیلیئے نور ہی ہدایت ہے
اور یہ بھی فرمایا ہی کہ اہل کتاب کے پاس ہی یہیں یہ نشانات حضرت موسیٰ کی کتاب کے قرآن مجید میں مذکور ہوئے ہیں
اب انصاف اسکا مقتضی ہی کہ جو کتاب یہود و نصاریٰ کے پاس ہی اور اُسمیں اوصاف مذکورہ پائی جاتے ہیں
اُسکو یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ توریت کے مضامین ہیں اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ بالتخصیص یہ پانچ
کتابیں جنکو عیسائی موسیٰ کی کتاب کہتے ہیں من اولہ آخرہ لفظ بلفظ توریت ہی کیونکہ اسوقت یہود کے پاس
اور بھی کتابیں تھیں جنھیں متفرق طور پر یہ اوصاف پائے جاتے تھے مثلاً طالمود کہ یہ کتاب صرف اُن کے
پاس تھی ہی نہیں بلکہ ایسی معزز اور متبرک تھی جیسے یہ کتب خمسہ اسکے روایات اور احکامات کو وہ بالکل
الہامی اور حضرت موسیٰ کے بیان کیے ہوئے یقین کرتے تھے اگرچہ عیسائی اُسے تسلیم نہیں کرتے علاوہ
اسکے اور بھی بعض کتابیں حضرت موسیٰ کی طرف منسوب تھیں جنکا ذکر آنے والا ہے مثلاً کتاب

پیدایش صغیر پھر کیا پادری صاحب قرآن مجید کی کسی آیت سے ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ **کتاب پیدایش** توریت کا جز نہیں ہے اور وہ کتاب پیدایش جسے اب جز قرار دے رکھا ہے اسکا جز ہے۔ اسی طرح اگر ان پانچوں کتابوں میں سے کسی جزو کو کم کر دیا جائے تو بھی اوصاف مذکورہ قرآن اُسمیں پائے جائینگے الغرض یہ کسیطرح ثابت نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید نے ان پوری پانچ کتابوں کی تصدیق کی ہے جنھیں اہل کتاب اب توریت کہتے ہیں بلکہ انصاف اسکا مقتضی ہے کہ اس توریت کے جو احکام اور جو نصائح اور جو اخبار قرآن مجید کے مطابق ہیں اُنکی تصدیق بالیقین ہے اور جنکا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے اُنکی تصدیق محتمل ہے اور اگر کوئی امر مخالف قرآن ہے تو کسی طرح اُسکی تصدیق کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا۔ یہاں سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ پادری صاحب کا صفحہ، میں یہ کہنا کہ "کچھ حاجت نہیں کہ میں اُن آیات قرآنی کو اس جگہ نقل کروں جنمیں صاف صاف اقرار کیا ہے اور علانیہ شہادت دی ہے کہ کتاب مقدس تمام و کمال کلام اللہ ہے" کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا آیات قرآنی کا منشا صرف اسیقدر ہے جو اوپر ذکر کیا گیا افسوس ہے کہ پادری صاحب غور نہیں فرماتے ہیں یہ امر بھی غور کے لائق ہے کہ جس طرح توریت کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ اہل کتاب کے پاس ہے اسی طرح یہ بھی کہا ہے کہ اہل کتاب اپنی طرف سے کتاب لکھتے ہیں اور کہدیتے ہیں کہ یہ اللہ کیطرف سے ہے پھر جب بانی اسلام نے اہل کتاب سے ایسا مُرادیا ہے تو ہم کیونکر انکی بات کا یقین کریں اور جسکو وہ کتاب آلہی بتائیں ہم اُسیکو کتاب آلہی اعتقاد کرلیں اور یہ سمجھنے لگیں کہ جس کتاب کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ بعینہ وہی ہے جسے اہل کتاب کہہ رہے ہیں اسلیے ہمیں ضرور ہوا کہ توریت کی تحقیق کے لیے پہلے اُن کتابوں کو دریافت کریں جو حضرت موسے کیطرف منسوب ہیں اور پھر اُن کتابوں میں غور کریں کہ اُنسے کیا ثابت ہوتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ کتابیں جو آجتک یہود و نصاریٰ میں مسلّم اور مشہور ہیں پانچ ہیں (۱) **پیدایش** (۲) **خروج** (۳) **احبار** (۴) **گنتی** (۵) **استثنا** ان پانچوں کتابوں کے دیکھنے سے بالیقین معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں اول سے آخر تک حضرت موسیٰ کی نہیں ہیں میں بعض مقامات نقل کرتا ہوں ناظرین ملاحظہ کریں **اوّل** استثنا کا باب ۳۴ یہ کل باب حضرت موسےٰ کا لکھا ہوا نہیں معلوم ہوتا

خصوصاً ورس ۵ و ۶ و ۱۰ جسکا مضمون یہ ہے "سو خدا کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق مواب کی سرزمین میں مرگیا اور اُسنے اُسے مواب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل گاڑا پر آجکے دن تک کوئی اُسکی قبر کو نہیں جانتا" اور دسویں ورس میں ہے کہ "ابتک بنی اسرائیل میں موسیٰ کے مانند کوئی نبی نہیں اُٹھا" الخ غرضکہ اس باب کے مضمون کو دیکھکر ہر شخص یقین کر سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ کا لکھا ہوا نہیں ہے کسی اور نے لکھا ہے اور وہ بھی حضرت موسے کے بہت عرصے کے بعد لکھکر ملایا گیا ہے چنانچہ اِن الفاظ سے ظاہر ہے کہ آج کے دن تک کوئی اُسکی قبر کو نہیں جانتا۔ اور ابتک بنی اسرائیل میں موسے کے مانند کوئی نبی نہیں ہوا چونکہ اس امر کے انکار کرنیکی گنجایش کسی طرح نہیں ہے اسلیے علمائے مسیحیہ کو بھی مجبوراً ماننا پڑا کہ یہ باب حضرت موسیٰ نے نہیں لکھا ہے چنانچہ ڈاکٹر آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد اول میں لکھتے ہیں کہ "موسیٰ کا کلام پہلے باب پر تمام ہوگیا اور یہ باب موسیٰ کا کلام نہیں ہے اس مقام پر بعض علمائے یہود نے ایک عمدہ حاشیہ لکھا ہے جو قبول کرنے کے لائق ہے اُسنے لکھا ہے کہ اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ کتاب استثنار اُس الہامی دعا پر تمام ہوئی جو موسے نے بارہ گروہوں کے لیے کی ہے اور یہ باب ستر مشایخوں نے موسیٰ کے مرنے کے بعد لکھا الخ" اور تفسیر ہنری اسکاٹ میں ہے "موسیٰ کا کلام پہلے باب پر تمام ہوگیا اور یہ باب کسیکا ملایا ہوا ہے اب وہ ملانے والا یوشع ہو یا صموئیل یا عزرا یا اور کوئی نبی بعد انکے ٹھیک دریافت نہیں ہوتا شاید پچھلی آیتیں اس باب کی بعد رہائی کے قید بابل سے عزرا کے عہد میں لکھی گئی ہونگی"

آب ناظرین ملاحظہ کریں کہ آدم کلارک تو مشایخ کو اسکا مصنف قرار دیتا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر الہامی لوگوں نے بھی ان کتابوں میں تصرف کیا اور تفسیر ہنری والے کسیکو متعین نہیں کرتے اب مجھے زیادہ بحث کرنیکی ضرورت نہیں ہے اس قدر کہتا ہوں کہ جب یہ متعین نہیں ہے کہ یہ کسنے ملایا تو اسکی تعیین کیسے ہوسکتی ہے کہ وہ ملانے والا نبی ہے یہ محض اُنکا حسن ظن ہے جسپر کوئی دلیل نہیں ہے بہر تحقیق کے وقت ایسے بے دلیل گمانوں کی کیا وقعت ہوسکتی ہے اور اگر مان لیا جائے کہ یہ کسی نبی کا ملایا ہوا ہے تو اسکا ثبوت کیسے ہوسکتا ہے کہ اُس نبی نے الہام سے لکھا ہے کیونکہ علمائے مسیحیہ کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ نبی کی کل تحریر الہامی نہیں ہوتی چنانچہ اسکا ذکر آیندہ آنے والا ہے پس جب اسکا الہامی ہونا

ثابت نہوا تو ثابت ہوگیا کہ موسیٰ کی کتابوں میں غیر الہامی کلام بھی ہے جسکو خدا کا کلام نہیں کہہ سکتے +

دوم۔ استثنار کے باب ۳۳ ورس ۴ میں ہے " اور یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشے " اور ورس ۴ میں ہے " موسے نے ہمکو ایک شریعت فرمائی جو یعقوب کی جماعت کی میراث ہوئی " اب ناظرین فرمائیں کہ وہ کون ہے جو کہہ رہا ہے کہ موسےٰ نے ہمکو ایک شریعت فرمائی کیا یہ قول موسے کا ہو سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ کسی دوسرے شخص نے اپنا کلام موسیٰ کی کتاب میں ملا دیا ہے۔

سوم پیدایش کے باب ۳۶ ورس ۳۱ میں ہے " اور بادشاہ جو ملک ادوم پر مسلط ہوئے پیشتر اُس سے کہ اسرائیل کا کوئی بادشاہ ہو یہ ہیں الخ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اُس وقت لکھی گئی ہے جس وقت بنی اسرائیل میں سلطنت قائم ہوئی ہے اور اول سموئیل باب ۹ و ۱۰ وغیرہ سے ظاہر ہے کہ اول بادشاہ بنی اسرائیل میں ساؤل ہوا جو ۳۵۶ برس بعد حضرت موسےٰ کے تھا آدم کلارک اپنی تفسیر کی پہلی جلد میں اس ورس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ " غالب گمان میرا یہ ہے کہ یہ آیت اور اُسکے بعد کی آیتیں ۳۹ تک موسیٰ نے نہیں لکھیں۔ غرضکہ یہ مفسر مقر ہے کہ نو آیتیں جو موسے کی کتاب میں نہ تھیں دوسرے شخص نے داخل کردی +

چہارم خروج کے ۱۶ باب ۳۵ و ۳۶ ورس میں ہے۔ اور بنی اسرائیل چالیس برس جب تک کہ وے زمین کنعان کے نواحی میں آئے من کھاتے رہے اور ایک اومر ایفہ کا دسواں حصہ ہے + یہ فقرہ بھی حضرت موسے کے بعد داخل کتاب کیا گیا ہے کیونکہ اُسکے مضمون سے ظاہر ہے کہ یہ فقرہ اس وقت لکھا گیا ہے جس وقت من کھانا موقوف ہو چکا تھا اور من کی موقوفی حضرت موسےٰ کے بعد ہوئی ہے چنانچہ کتاب یشوع کے باب ۵ ورس ۱۱ و ۱۲ سے ظاہر ہے اور ایفہ کا وزن بھی موسیٰ کے بعد نکلا ہے اسی طرح گنتی کے باب ۲۱ ورس ۳ اور باب ۳۲ ورس ۴۱ کا حال ہے اور سوا انکے اور بھی مقامات ہیں جنسے یقینی ثابت ہوتا ہے کہ یہ کل کتابیں توریت کی حضرت موسےٰ کے عہد میں نہیں لکھی گئیں اظہار الحق میں تیرہ مقام اس طرح کے نقل کیے ہیں ہمنے سب کا نقل کرنا ضروری نہیں سمجھا ناظرین وہاں ملاحظہ کرلیں +

الغرض توریت خود اس بات کی شہادت دیتی ہو کہ اُسمیں خالص الہامی کلام حضرت موسے کا نہیں ہو بلکہ دوسرا کلام بھی خلط ہوگیا ہو بیان سے یہی بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ چند مقامات توریت ہیں الہامی نہیں ہیں بلکہ بنظر انصاف یہ امر بھی ثابت ہوتا ہو کہ تمام کتاب مشتبہ ہوگیی کیونکہ جب کسی تحریر میں ایک لفظ بھی مشکوک ہوجاتا ہو تو کل تحریر سے اطمینان اُٹھ جاتا ہو اور جس وقت کہ متعدد مقامات پر بالیقین خلط کا ثبوت ہو تو کون عاقل کہہ سکتا ہو کہ یہ تمام تحریر مشتبہ نہیں ہے میری غرض اس سے صرف اس قدر ہو کہ اس خلط ملط سے توریت کی تمام باتوں پر ایسا اطمینان نہیں رہا جیساکہ کلام آلہی پر ہونا چاہیے اب ضرور ہے کہ اُسکی صحت دریافت کرنے کے لیے کوئی کسوٹی ہو جس سے ہم اسکو کلام آلہی ہونے کا یقین کریں اِن پانچ کتابوں کے سوا اور بھی کتابیں حضرت موسی کی طرف منسوب ہیں مگر اہل کتاب نے اُنھیں غیر الہامی قرار دیکر اس مجموعے سے خارج کر رکھا ہے جسے وہ الہامی کہتے ہیں مثلاً (۱) **کتاب مشاہدات موسے** (۲) **کتاب قیاس موسیٰ** (۳) **کتاب وصیت موسیٰ** (۴) **کتاب اسرار** (۵) **کتاب معراج موسیٰ** (۶) **کتاب پیدائیش صغیر** ان کتابون کو علمائے مسیحیہ الہامی کتابوں سے خارج بتاتے ہیں مگر کوئی کافی دلیل اس امر کی پیش نہیں کرتے کہ وہ پانچ کتابیں جنکا ذکر پہلے کیا گیا حضرت موسی کی ہیں اور الہامی ہیں اور یہ کتابیں الہامی نہیں ہیں اور پادری صفدر علی صاحب کو علاوہ اسکے یہ بھی ثابت کرنا پڑیگا کہ قرآن مجید اُنھیں پہلی پانچ کتابوں کی تصدیق کرتا ہو نہ اُنکی کیونکہ اُن کے اعتراض کی بنا تو فقط اسی پر ہے کہ قرآن مجید اس مجموعہ بائبل کا مصداق ہو اگر یہ بات ثابت نہو تو پادری صاحب کا اعتراض بالکل لغو ہو جائیگا اور پادریصاحب کا سارا زور اسپر ہو کہ قرآن مجید اُسی کتاب کا مصدق ہو جو اہل کتاب کے پاس تھی اور ظاہر ہے کہ یہ کتابیں بھی اُن کے پاس تھیں پھر تخصیص کی کیا دلیل ہے۔

الغرض ہمیں اسوقت اس سے بحث نہیں کہ علمائے مسیحیہ نے اپنے گمان میں کن کو کتب الہامی قرار دے رکھا ہو بلکہ یہ گفتگو ہو کہ اسکا ثبوت نہیں ہوتا کہ قرآن مجید خاص اُنھیں پانچ کتابوں کو

حضرت موسیٰ کی کتاب کہتا ہی جنھیں اب عیسائی الہامی کہتے ہیں اس تقریر سے ان پانچوں کتابوں میں ایک دوسرا شبہہ پیدا ہوگیا کیونکہ معلوم نہوا کہ کون سی کتاب حضرت موسیٰ کی ہی اس مختصر تقریر سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ حضرت موسی کی الہامی تحریر خالص نرہی بلکہ اُسمیں غیر الہامی تحریر بھی مخلوط ہوگئی دوسرے یہ امر قطعی نہیں کہ حضرت موسیٰ کی الہامی تحریر انھیں پانچ کتابوں مین منحصر ہی۔ اِن پانچ کتابوں کے سوا ۳۴ کتابیں اور ہیں جنھیں عیسائی الہامی کہتے ہیں اور اِن ۳۹ کتابوں کے مجموعہ کو عہد عتیق نام رکھتے ہیں وہ کتابیں یہ ہیں +

(۱) کتاب یُوشَعْ یا یَشُوعْ - اِسمیں حضرت یوشع کے حالات ہیں - اس کتاب میں بھی بہت سے فقرے ہیں جنسے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب بھی الحاق سے خالی نہیں ہے چنانچہ باب ۲۴ ورس ۲۹ و ۳۰ وغیرہ میں ہی ،، اور ایسا ہوا کہ بعد اِن باتوں کے نون کا بیٹا یشوع خداوند کا بندہ جو ایک سو دس برس کا بوڑھا تھا رحلت کرگیا - اور اُنھون نے اُسکی میراث کے سوانے تمنت سرہ میں جو کوہستان افرائیم میں کوہ جعس کے اوتر طرف کو ہے اُسے دفن کیا الخ ،،

اسمیں تو کسی طرح کا شک نہیں ہوسکتا کہ ۲۹ ورس سے آخر باب تک یوشع کا لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے کا ہی اور یہ معلوم نہیں کہ وہ دوسرا شخص کون ہی جسنے یہ ورس ملادیے ہیں چنانچہ پادری ٹھاکرداس صاحب اظہار عیسوی کے صفحہ ۱۹۴ میں لکھتے ہیں ،، رہا بارہواں فقرہ سو اُسکی نسبت معلوم ہو کہ بیان ہی ایسا ہی کہ یشوع خود نہیں لکھ سکتا تھا لیکن جس طرح موسی کی وفات کا ذکر غالبًا یشوع نے آخر کتاب استثنا میں لکھا اسی طرح یشوع کی وفات کا ذکر کسی ہم عہد نے درج کیا ہوگا ،،

یہاں یہ امر پادری صاحب کے اقرار سے ثابت ہی کہ یہ ورس الحاقی ہیں اور الحاق کرنے والا کوئی متعین نہیں ہی ایسی باتوں سے اہل انصاف کے نزدیک تمام کتاب مشتبہ ہو جاتی ہے اور یہ جو لکھا ہی کہ استثنا کا آخری باب غالبًا یشوع نے لکھا محض زبردستی ہی اس غالب کے لیے بھی کوئی دلیل چاہیے اس بارے میں مفسرین کا اختلاف اوپر بیان کیا گیا ہے +

ہنری اسکاٹ مقام مذکور کی تفسیر میں لکھتے ہیں ،، کہ پانچ ورس اخیر اس باب کے بلاشبہہ یوشع

کی تصنیف نہیں فینحاس یا سموئیل نے الحاق کیے ہونگے اور ایسا الحاق قدما میں بہت رائج تھا یا ٹھاکر داس صاحب تو کسیکا نام نہ لے سکے اٹکل سے کسی ہم عہد کیطرف منسوب کر دیا ہنری صاحب نے دو کے نام بھی لے دیے مگر افسوس ہے کہ مفسرین کو کچھ پتا نہیں لگتا محض اٹکل سے کسیکا نام لیدیتے ہیں ہنری کا یہ مقولہ لائق یاد رکھنے کے ہے کہ ایسا الحاق قدما میں بہت رائج تھا ہمارا بھی مدعا ہے کہ اُن لوگوں میں کتب الہامیہ میں الحاق کا بہت رواج تھا یہ الحاق کچھ شرارت اور بددینی پر موقوف نہیں ہے بلکہ محض سادگی سے بغرض تفصیل وغیرہ الحاق ہو مگر جس طرح ہوا الحاق ہوا اور بہت ہوا اور جب الحاق ہوا تو یہ کتابیں الہامی اور غیر الہامی کلام کا مجموعہ ہوگئیں اس حالت میں اُن کے ہر لفظ یا ہر جملہ کو الہامی سمجھنا جیساکہ پادری صاحب سمجھتے ہیں سراسر غلط ہے۔

(۲) کتاب القضات۔ اسمیں بنی اسرائیل کے اُن لڑائی جھگڑوں کا ذکر ہے جو حضرت یوشع کے بعد ہوئے اسکے مصنف اور زمانہ تصنیف میں بہت اختلاف ہے بعض فینحاس کی تصنیف بعض خرقیا کی بعض یرمیا کی بعض خرقیل بعض عزرا کی بتاتے ہیں اگر فینحاس یا خرقیا کی تصنیف ہے تو الہامی نہیں ہوسکتی کیونکہ انکی نبوت ثابت نہیں۔

(۳) کتاب راعوث یا روت اسمیں ایک عورت راعوث کا حال ہے جو مواب کی اولاد میں سے تھی اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ کسکی تصنیف ہے بعض کہتے ہیں کہ خرقیا کی ہے بعض عزرا کی بتاتے ہیں بعض صموئیل کی خرقیا کوئی الہامی شخص نہیں ہے اگر یہ کتاب اُسکی تصنیف ہے تو اسکے الہامی ہونیکا گمان نہیں ہوسکتا۔

(۴) اول صموئیل اسمیں حضرت صموئیل کا حال اور ساؤل کا بادشاہ ہونا بنی اسرائیل کے لیے مذکور ہے یہ بنی اسرائیل میں اول بادشاہ ہے حضرت داؤد اسکے نوکر اور داماد تھے۔

(۵) دوم صموئیل۔ اسمیں ساؤل کے خاندان سے سلطنت جانیکا اور داؤد علیہ السلام کے بادشاہ ہونیکا اور اُنکے زمانہ سلطنت کا ذکر ہے۔ اِن دونوں کتابوں کے مصنف کا پتہ بھی یقینی طور پر نہیں معلوم ہوتا مفتاح الکتاب کے صفحہ ۸۰ میں ہے کہ "اُن دونوں کتابوں کا نام سموئیل اس لیے رکھا گیا کہ اس مشہور نبی نے پہلی کتاب کے اکثر باب تصنیف کیے چنانچہ یہودیوں کی روایت سے

معلوم ہوا کہ پہلے چوبیس باب جن میں صموئیل کی پیدائش اور اعمال اور احوال کا بیان ہے خود اُسی نبی سے لکھے گئے اور اُسکے باقی باب اور دوسری کتاب بالکل جاد و ناتن نبیوں سے " یہ بات جو کہی گئی کہ اوّل صموئیل کے ۲۴ باب حضرت صموئیل کے لکھے ہیں اور باقی سات باب جاد و ناتن نے اس کہنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اوّل صموئیل کے ۲۵ باب میں صموئیل کی وفات کا ذکر ہے پھر اگر تمام کتاب کو صموئیل کیطرف منسوب کیا جائے تو خود اسی کتاب سے اسکی تکذیب ہو جائیگی اس لیے دوسروں کا نام لے دیا اور اگر یہ بات نہوتی تو صموئیل کا نام تو اُسپر لکھی دیا تھا۔ الغرض کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے کہ یہ دونوں کتابیں کسی نبی کی تصنیف ہیں اور بالفرض اگر کسی نبی نے لکھی ہوں تو الہام سے لکھنا ثابت نہیں ہوتا اور یہ امر عیسائیوں کے نزدیک مسلم ہے کہ نبی کی تمام تحریر الہام سے نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ تاریخی واقعات لکھنے کے لیے الہام کی کیا ضرورت ہے اسیواسطے محققین عیسائی اس بات کے قائل ہیں کہ بائبل میں تواریخی امور اور علمی باتیں الہام سے نہیں لکھی گئیں +

(۶) اول سلاطین (۷) دوم سلاطین۔ ان دونوں کتابوں میں حضرت سلیمان اور اخریا وغیرہما بادشاہوں کے حالات ہیں۔ مفتاح الکتاب کے صفحہ ۸۳ میں ان دونوں کتابوں کی نسبت لکھا ہے " اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ داؤد و سلیمان خرقیا بادشاہوں نے اپنے اپنے عہد کا بیان کیا " اور پادری ٹھاکرداس صاحب اظہار عیسوی مطبوعہ ۱۸۵۳ء کے صفحہ ۱۸ میں لکھتے ہیں " ان کتابوں کا احوال لکھنے والے ناتن جد یشعیاہ یرمیا وغیرہ ہیں جو سلطنت یہودا اور اسرائیل میں ہوے " پھر صفحہ ۱۹ میں لکھتے ہیں " یہودی کہتے ہیں کہ یرمیا نے لکھیں بعض یشعیاہ کیطرف منسوب کرتے ہیں لیکن راے مروجہ عزرا کو مصنف قرار دیتی ہے " یہاں سے ناظرین بخوبی دریافت کرسکتے ہیں کہ ان کتابوں کا مصنف یقینی طور پر دریافت نہیں ہوتا ہر ایک اپنے گمان سے کہتا ہے اگر مصنف کی تعیین ہوتی تو باہم اختلاف نہوتا اور جب مصنّف کی تعیین نہوئی تو طالب تحقیق خود کہہ سکتے ہیں کہ کس قدر اُس کتاب کے الہامی ہونے میں شک ہوگیا پھر ٹھاکرداس صاحب لکھتے ہیں۔

" کتب سلاطین و تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اپنے زمانے کے بادشاہوں کا حال لکھا کرتے تھے

۲ تواریخ ۹ = ۲۹ و ۱۲ = ۱۵ و ۲۰ = ۳۴،، آلخ ان حوالوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سلاطین وغیرہ میں بعینہ وہی حال ہی جو اُن نبیوں نے قلمبند کیا تھا دیکھیے ٹھاکرداس صاحب جو ۲ تواریخ باب ۱۲ ورس ۱۵ کا حوالہ دیتے ہیں وہ یہ ہے" اور رحبعام کا احوال اول و آخر جو ہی سو سمعیاہ نبی کی کتاب میں اور عید وغیب بین کی کتاب میں نسب ناموں کی بابت لکھا ہے" ٹھاکرداس صاحب فرمائیں کہ سمعیاہ نبی کی کتاب کہاں ہی جب اسکا پتہ نہیں تو یہ کیونکر یقین ہو کہ جادوناتن نے جو کچھ لکھا تھا وہ موجود ہے ہو سکتا ہی کہ جس طرح سمعیاہ کی کتاب موجود نہیں ہی جادوناتن کی بھی موجود نہ ہو اور کتاب سلاطین وغیرہ اور مورخوں نے لکھی ہو اور پادری صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ" ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن کتابوں کے مصنف دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جنھوں نے اول وارداتوں کو شاہی دفاتر میں قلمبند کیا۔ دوسرے وہ جنھوں نے ان دفتروں سے ضروری حکایات نکال کر یہ کتب سلاطین تالیف کیں،، +

اِس تحریر سے اس امر کا تصفیہ ہو گیا کہ کتب سلاطین مذکورہ الہامی نہیں ہیں بلکہ شاہی دفتروں سے انتخاب کی ہوئی حکایتیں ہیں۔ اب ہمیں زیادہ بحث کی حاجت نہیں ہمارا مقصود اتنا ہی ہے کہ یہ الہامی کتاب نہیں ہے قرآن مجید ان کتابوں کی تصدیق نہیں کرتا +

(۸) اول تواریخ۔ اسمیں پہلے تو بنی اسرائیل کے فرقوں کا نسب نامہ مذکور ہے پھر مجمل کچھ حال ساؤل کا ہے اِسکے بعد حضرت داؤد کا ذکر ہے +

(۹) دوم تواریخ۔ اسمیں حضرت سلیمان کی بادشاہت سے لیکر بخت نصر کی بادشاہت تک کے واقعات مجمل طور پر بیان ہوے ہیں۔ ان دونوں کتابوں کی نسبت پادری ٹھاکرداس صاحب اظہار عیسوی کے صفحہ ۱۹ و ۲۰ میں لکھتے ہیں "عبرانیوں کا گمان ہی کہ عزرا اسکا مصنف تھا جسنے بعد حجی اور ذکریا بابل کی اسیری کے بعد لکھا۔ اگرچہ بعض باتیں اِن کتابوں میں ایسی ہیں جنسے عزرا کا مصنف ہونا محال معلوم ہوتا ہی جیسے مصنف زوربابل کا نسب نامہ بارھویں پشت تک لکھتا ہی حالانکہ اُسوقت تک زندہ نہ تھا پھر یہ نسب نامہ کیونکر لکھ سکتا تھا۔ مگر خیال رکھنا چاہیے کہ نسب نامہ

اُسکے مصنف ہونے کا مانع نہیں ہوسکتا کیونکہ عبادت خانہ کے ممبر یہ نسب نامہ درج کرسکتے تھے"
ٹھاکر صاحب کی تقریر سے کئی باتیں ثابت ہوئیں اوّل یہ کہ دونوں کتابیں الہامی نہیں ہیں کیونکہ
بموجب اُنکی تحریر کے عزرا نے حجی اور ذکریا کی مدد سے لکھا ہی اور یہی راے جمہور اہل کتاب کی ہی
اور ظاہر ہی کہ الہام کے لیے کسیکی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی اور یہی بات پادری صاحب کے اُس
قول سے ثابت ہوتی ہے جو اُنھوں نے صفحہ ۱۸۸ میں لکھا ہی وہ یہ ہی" واضح ہو کہ یہ غیب بین بھی
اپنے زمانیکا احوال علیحدہ لکھتے رہے اور غالباً عزرا نے اُنکی کتاب سے تواریخ کی کتاب لکھی"
پس جب عزرا نے تواریخ کو اُنکی کتاب سے انتخاب کیا تو ثابت ہوگیا کہ الہام سے نہیں لکھا
دوسرے یہ کہ اس کتاب میں بھی بالیقین الحاق ہوا ہی اور الحاق کرنے والے کا پتہ نہیں ہے۔
تیسرے یہ کہ عبادت خانہ کے ممبر بھی کتب سماوی میں دخل درمعقولات کیا کرتے تھے اور حسب موقع
اپنی طرف سے کچھ ملا دیا کرتے تھے یہ بات بہت صحیح ہے بیشک اُس وقت کے لوگوں کا یہ دستور
معلوم ہوتا ہی اسی وجہ سے تمام بیبل قابل اطمینان نہیں رہی اُسکے مضامین الہامیہ بھی عدم تمیز کے
باعث سے مشکوک ہوگئے اور کسی دوسری کتاب کی حاجت پڑی جو ہمیں مضامین الہامیہ کو علیحدہ
کرکے بتادے اور وہ کتاب قرآن مجید ہے +

(۱۰) کتاب عزرا۔ اس کتاب میں یہ قصہ مذکور ہی کہ بادشاہ ایران کے حکم سے بنی اسرائیل بابل کی
قید سے چھوٹ کر اپنے ملک میں آئے اور بُرے کاموں سے توبہ کی اور بیت المقدس دوبارہ بنایا گیا
اسکی نسبت ٹھاکر داس صاحب اظہار عیسوی کے صفحہ ۲۰ میں لکھتے ہیں" یہودی اور اکثر مسیحی علماء اسے
عزرا کی تصنیف بتاتے ہیں لیکن باب ۵ آیت ۴ سے معلوم ہوتا ہی کہ مصنف پہلے ۶ باب کا۔
دارا گشتاسپ کے عہد میں یروشلم میں تھا اور عزرا ساٹھ برس کی عمر تک یروشلم میں نہ گیا تھا لہذا
بعض یہ گمان لیجاتے ہیں کہ پہلے ۶ باب کسی سابق مصنف کی تصنیف ہیں الخ"۔
اور اس کتاب کا ۷ باب اس بات کی کامل شہادت دیتا ہی کہ یہ کتاب عزرا کی نہیں اور اگر بہت کمی
کیجائے تو اس کہنے میں کسی طرح کا شک نہیں کہ یہ باب الحاقی ہے اس باب کا ورس ۲۶ اس طرح ہی

"وہی عزرا بابل سے اُٹھ چلا اور وہ فقیہ تھا جو موسے کی شریعت میں جسے خداوند اسرائیل کے خدا نے دیا تھا ماہر تھا اور اسلیے کہ خداوند اُسکے خدا کا ہاتھ اُسپر تھا بادشاہ نے اُسکی درخواست کے مطابق اُسکی ساری مُراد پوری کی تھی"، اور ورس ۱۱ یہ ہی "اُس پروانے کی نقل جو ارتخششتا بادشاہ نے عزرا کو جو کاہن اور فقیہ تھا بلکہ خداوند کے حکموں کی باتوں اور اسرائیل پر کے فرضوں کا مفسر تھا عنایت کیا"۔ یہ ورس کُھلی کُھلی گواہی اس بات کی دے رہے ہیں کہ یہ باب الحاقی ہے۔ غرضکہ جس کتاب کو دیکھیے اُسی میں خلط ملط اور اختلاف ہے۔

(۱۱) کتاب نحمیا۔ اسمیں نحمیا کا یروشلم میں آنا اور اُسکی شہرپناہ بنانا اور اپنی قوم کو فہمایش کرنا وغیرہ مرقوم ہے۔ اسکی نسبت اظہار عیسوی کے صفحہ ۲۱ میں لکھا ہے کہ "اُسکو اتھاناسیس اپی فانیز۔ کریسا سٹم وغیرہ عزرا کی تصنیف سمجھتے ہیں۔ لیکن چونکہ صیغہ متکلم میں لکھی ہے جو سابق مورخوں کا دستور تھا[له] پس کچھ شک نہیں کہ نحمیا کتاب ہذا کا مصنف ہے اور باب ۱۲ ایت پہلی سے ۲۶ تک کسی دوسرے کی تصنیف ہے جو بعد زمانہ نحمیا کے ہوا"۔

اس تحریر سے دو امر بخوبی ظاہر ہیں ایک تو اختلاف کتب مقدسہ کے مصنفوں میں دوسرے الحاق یعنی وہ کتابیں جنھیں عیسائی کتاب الہامی قرار دیتے ہیں وہ کتاب خالص نہیں رہی بلکہ اُنکے اقرار کے موافق ایسے لوگوں نے بھی اپنا کلام اُسمیں داخل کر دیا جنکا نام تک معلوم نہیں۔

اب اہل انصاف ملاحظہ کریں کہ جب ایک تحریر میں بعض جگہ غیر کا تصرف بالیقین ثابت ہوگیا تو باقی تحریر پر کیونکہ اطمینان ہوسکتا ہے یہ شبہہ کیونکر اُٹھ سکتا ہے کہ اور جگہ بھی اسی طرح الحاقات بعد کو ہوئے مگر یہ ضرور نہیں کہ ہر جگہ الحاق ایسا ہی ہو کہ اُسکے مضمون سے ہم دریافت کرلیں کہ یہ ملایا گیا ہے بلکہ ہوسکتا ہے کہ کسی نے تفصیل وغیرہ کے لیے لفظ یا جملہ زیادہ کیا اور ہمکو معلوم نہوا اسوجہ سے تمام کتاب مشتبہ ہے اور یہ جو اظہار صاحب ضمیر متکلم کیوجہ سے بلا شک نحمیا کی تصنیف بتاتے ہیں محض تعصب ہے مقام انصاف ہے کہ جس مقام سے کسی غیر کی تصنیف ثابت ہوتی ہے وہاں تو صرف اُتنا ہی ٹکڑا غیر کیطرف منسوب کیا جائے جسقدر اُس مصنف مفروضہ کا نہیں ہوسکتا اور جس جگہ سے اُسکی

له یہ غلط فقرہ ہے شاید نون نفی کا غلطی سے لکھا گیا ۱۲

تصنیف ثابت ہو وہاں اُتنے ہی ٹکڑے کو اُسکی تصنیف نہ کہیں جسقدر غیر کیطرف منسوب نہیں ہو سکتا بلکہ تمام کتاب کو کہدیں انصاف تو یہ ہے کہ وہاں بھی اُتنے ہی ٹکڑے کو اُسکی طرف منسوب کریں جسقدر غیر کیطرف نہیں ہو سکتا

(۱۲) کتاب استیر۔ اس کتاب میں ایک بت پرست بادشاہ فارس کا ذکر ہے احکام آلہی کا کیا ذکر اوّل سے آخر تک کسی مقام پر خدا کا نام بھی نہیں ہے اس کتاب میں متقدمین علمائے مسیحیہ کو کلام رہا مگر بعد کو سب کے نزدیک الہامی کتاب میں داخل کی گئی البتہ اسقدر اختلاف اب بھی باقی ہے کہ رومن کا تھلک تو پوری کتاب یعنی ۱۶ باب جو پہلے سے تھے سبکو مانتے ہیں اور پروٹسٹنٹ صرف نو باب کو اور دسویں باب میں سے بھی تین ورس چھوڑ دیتے ہیں یعنی اُنکے نزدیک تین باب اور تین ورس اس کتاب میں الحاقی ہیں مگر افسوس ہے کہ بہت بڑا گروہ عیسائیوں کا اُن الحاقی بابوں کو کلام آلہی مان رہا ہے اور سینکڑوں برس تک تو کل عیسائی اُنکو الہامی مانا کیے دس بارہ صدی کے بعد اسکا الحاق ایک فرقہ کے نزدیک ثابت ہوا پادری عماد الدین نے ہدایت المسلمین میں اس کتاب کا کتب اختلافیہ میں ہونے سے انکار کیا ہے مگر میںنے مرآة الیقین میں ڈاکٹر انگس کے ہنڈبک سے اسکو ثابت کر دیا ہے۔

پادری ٹھاکر داس صاحب جو آجکل بڑے محققوں میں شمار کیے جاتے ہیں اس کتاب کی نسبت بدگمان معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اظہار عیسوی کے مقدمہ کی فصل ۲ میں کتاب استیر اور کتاب باروخ وغیرہا کا نام لکھکر صفحہ ۲۶ میں لکھتے ہیں "اِن کتابوں کو کلیسیا نے کبھی الہامی اور قانونی تسلیم نہیں کیا اور ان کا کتب مقدسہ میں شامل ہونا دلائل ذیل کا باعث ہے،، اگرچہ دلائل ذیل میں کتاب استیر کا کہیں ذکر نہیں مگر عبارت منقولہ سے ظاہر ہے کہ مثل کتاب باروخ وغیرہ کے کتاب استیر بھی کتب الہامیہ سے خارج ہے پھر صفحہ ۲۶ میں اِن کتابوں کے خارج ہونے کی ایک دلیل لکھتے ہیں اُس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اُنکی عبارت یہ ہے "دلیل پنجم اِن کتابوں نے پہلے چار صدیوں میں کتب قانونی اور الہامیہ میں دخل نپایا چنانچہ میلیٹو بشپ سارڈس نے دوسری صدی میں ایک دفتر کتب الہامیہ کا بنایا اسمیں ان کتابوں میں سے کسیکا نام تک نہیں ہے مخفی نرہے کہ میلیٹو نے بڑی کوشش اور محنت سے کتب قانونی کا شمار دریافت کیا،، اس مقام پر بالتخصیص میلیٹو کے حوالہ سے

بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ کتاب استیر کو کتب الہامیہ سے خارج کرتے ہیں کیونکہ میلیٹو نے کتب الہامیہ کی فہرست میں اسے داخل نہیں کیا ہے چنانچہ ڈاکٹر انگس اپنی کتاب ہنڈ بک اور یوسی بیس اپنی تاریخ میں اسکی تصریح کرتا ہے۔ غرضکہ پادری صاحب کی رائے ہے کہ یہ کتاب جو اس وقت باتفاق مسیحیہ الہامی کتابوں میں داخل ہے قابل خارج کرنے کے ہے اور یہ مجموعہ عہد عتیق کا ایک غیر الہامی کتاب پر مشتمل ہے مگر چونکہ یہ بات تمام عیسائیوں کے خلاف ہے اسلیے صاف صاف نہیں کہتے ہیں اب عماد الدین صاحب ٹھاکر داس صاحب سے اسکی کیفیت دریافت کرکے اُنکی دلیل کا جواب دیں +

(۱۳) کتاب ایوب۔ اسمیں حضرت ایوب کا قصہ بشرح و بسط مذکور ہے اس کتاب کا عجیب حال ہے اول تو بعض معتبر اور مشہور علمای یہود و نصاری کا یہ قول ہے کہ یہ کتاب محض ایک افسانہ اور جھوٹی کہانی ہے مثلاً ربی میمانی ڈیز جو بہت بڑا عالم مشہور یہود کا ہے اور لیکلرک اور میکائیلس اور ہملر اور بشپ اسٹاک وغیرہم مشہور علما اس کتاب کو جھوٹی کہانی کہتے ہیں اسکے جواب میں جو اظہار عیسوی میں کچھ بیبل کے بعض رسائل سے حوالے دیے ہیں وہ محض ناکافی ہیں کیا ان مشہور علمانے جنکا نام ابھی لیا گیا یہ مقامات بیبل کے نہیں دیکھے تھے کیا یہ ممتاز علما بیبل پر ایمان نہیں رکھتے تھے مگر یہ مقامات ہرگز اس کتاب کے وجود کی قطعی دلیل نہیں ہیں اس وجہ سے وہ اسکے وجود کے قائل نہیں ہیں۔ پادری صاحب جنھیں جعلی کتابیں قرار دیتے ہیں اُنکے حوالے بھی ان کتابوں میں ملتے ہیں پس جس طرح وہ کتابیں ایسے حوالوں سے الہامی نہیں ہوسکتیں اسیطرح ایوب کی کتاب کو سمجھنا چاہیے دوسرے یہ کہ جو اس کتاب کی صحت کے قائل ہیں وہ اُسکے مصنف میں بڑا اختلاف کرتے ہیں چنانچہ اظہار عیسوی کے صفحہ ۲۶ میں ہے کہ "ہارن صاحب لکھتے ہیں کہ اس کتاب کے مصنف میں اختلاف ہے چنانچہ لوتھر گردشش ڈوڈرلین اسے سلیمان کی تصنیف بتاتے ہیں اور گریگری اور سپانہم اور ہارڈوئین کی بھی یہی رائے ہے اور ڈاکٹر آدم کلارک صاحب کہتے ہیں کہ اسکا مصنف نہ سلیمان ہے نہ موسٰی بلکہ کوئی اور آدمی ہے جو مذہب یہودی سے خوب واقف تھا۔ پھر پول صاحب موسٰی کو مصنف قرار دیتے ہیں اور کینے کاٹ اور بعض یہودی ربی بھی یہی کہتے ہیں۔

ہنری مفسر کہتا ہی کہ الیہو کی تصنیف ہی آیرح بشپ ماجی کے نزدیک خود ایوب یا کوئی اُسکا ہم عہد مصنف ہے،، اس اختلاف سے یہ امر تو بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اس کتاب کی کوئی سند نہیں ہی ہر شخص اپنی راے سے ایک مصنف قرار دیتا ہی پھر بعض تو الہامی شخص کو مصنف کہتے ہین بعض غیر الہامی کو۔ افسوس ہی کہ با اینہمہ اسکو الہامی کتاب مین شامل کر رکھا ہی اور ایسی مشکوک اور بے سند کتاب پر ایمان رکھتے ہیں واے بر نافہمی ایشان۔

(۱۴) زبور۔ یہ امر تو مشہور ہی کہ یہ حضرت داؤد کی کتاب ہی اور قرآن مجید اور انجیل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہی (دیکھو انجیل متی باب ۲۲ ورس ۴۳) مگر جب اُس کتاب کو دیکھا جاتا ہے جسے یہود و نصاریٰ نے زبور قرار دے رکھا ہی تو عجب خلط ملط معلوم ہوتا ہے اور کچھ پتہ نہیں لگتا کہ کس کس صاحب نے اسمیں تصرف کیا ہے اور کس کس وقت میں اسکے اجزا تصنیف ہوے ہیں۔ موافق دستور کے اہل کتاب نے اپنے قیاس دوڑائے ہیں کیونکہ کوئی قطعی دلیل نہیں ہے ورنہ سب اُس کے تابع ہوتے۔ ۷۳ زبوروں کے مصنف تو معلوم نہیں ہوتے اور باقی کو کسی کسی کیطرف منسوب کیا ہے انجام کار ہارن صاحب نے یہ لکھا ہی کہ مختار علماے متاخرین یہود اور تمام مفسرین عیسائیوں کا یہ ہے کہ یہ کتاب تصنیف اِن شخصوں کی ہے موسیٰ (۱) داؤد (۲) سلیمان (۳) اساف (۴) ہمان (۵) ایتان (۶) جدوتھن (۷) اور تین بیٹے قورح کے۔ پادری ٹھاکر داس صاحب اظہار عیسوی کے صفحہ ۲۸ و ۲۹ میں لکھتے ہیں ,,عبرانی میں ۷۳ زبوروں پر داؤد کا نام لگا ہی اور سب ٹواجنٹ ورشن میں اسوا انکے گیارہ اور اُسکے نام پر ہیں لیکن اِن گیارہ میں سے بعض داؤد کی تصنیف نہیں ہو سکتے خاص کر زبور ۱۰۲ کیونکہ اُسکے مضمون سے معلوم ہوتا ہی کہ کسی خدا پرست یہودی نے بابل کی اسیری کے بعد لکھا اور ۱۲۷ زبور بھی جو ورشن مذکور میں داؤد کے نام پر ہی اُسکی تصنیف نہیں ہوسکتا اسلیئے کہ اُسمیں ہیکل کیطرف اشارہ ہی جو داؤد کے وفات کے بعد سلیمان نے تعمیر کی۔

پادری صاحب کی تقریر سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک یہ کہ یہود نے ترجمہ سب ٹواجنٹ میں ایسی صریح غلطی کی جسکا دریافت ہو جانا کچھ بھی دشوار نہ تھا حالانکہ یہ ترجمہ ایسے اہتمام سے کیا گیا

اور اس قدر معتبر رہا کہ اکثر اسے الہامی اعتقاد کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اس کتاب میں غیر الہامی لوگوں کا کلام بھی مخلوط ہے کیونکہ ۱۰۲ زبور کو کسی خدا پرست یہود کی تالیف بتاتے ہیں کسی نبی کا نہیں کہتے اور ظاہر ہے کہ خدا پرست ہونا اور بات ہے اور نبی ہونا اور بات ہے تیسرے یہ کہ بعض غیر معلوم شخصوں کا کلام بھی اسمیں ہے۔ الغرض یہ بات ثابت ہوئی کہ غیر الہامی شخصوں کو بھی کتب الہامیہ اہل کتاب میں مجاز تھا اور ایسے لوگوں نے اپنا کلام اسمیں داخل کر دیا۔ پھر صفحہ ۲۹ میں لکھتے ہیں کہ "آساف کے نام بارہ زبور ہیں یعنی پچاسواں اور زبور ۷۳۔ ۸۳۔ قرح کے بیٹوں کے نام پر یہ ہیں ۴۲۔ ۴۷۔ ۴۹۔ ۸۵۔ ۸۷ و ۸۸۔ پھر زبور ۳۹ اور ۶۲ اور ۷۷ کے مصنف نامعلوم ہیں سرنامے جدوتھن کے نام ہیں زبور ۸۸ ہمان کو منسوب کرتے ہیں اور زبور ۸۹ ایتھان کو کئی ایک گیت سلیمان کے عہد میں لکھے گئے زبور ۷۲ اور ۱۲۷ اسکے نام ہیں عبرانی میں تیس زبور مخفی الاسم ہیں" نہایت حیرت کی بات ہے کہ پادری صاحب اسکے بعد ہی لکھتے ہیں کہ "اس بیان سے بڑا اختلاف اُنکے مصنفوں میں حل ہوا اور معلوم ہوا کہ کون کون مصنف مزامیر کے تھے" اہل انصاف خود اس بات کو ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ پادری صاحب نے اختلاف کا کیا حل کیا ہے بعض زبوروں کی نسبت تو خود لکھا ہے کہ مصنف نامعلوم ہیں اور جنکو نامزد کیا ہے اسپر کیا دلیل اُنھوں نے پیش کی اور یوں اٹکل سے نام لینے کو اوروں نے بھی نام لیے ہیں اس نام لینے سے کیا اختلاف حل ہو سکتا ہے ناظرین خود اسمیں انصاف کر سکتے ہیں مجھے اس مقام پر اس اختلاف کے حل اور عدم حل سے بحث نہیں ہے بلکہ یہ امر بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اس کتاب کی حالت سے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اس مجموعۂ عہد عتیق میں نہایت خلط ملط ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس خلط کا اُسوقت رواج تھا کوئی معیوب امر نہیں شمار کیا جاتا تھا اسمیں یہ بات نہیں کی گئی کہ ایک کلام کو دوسرے کا ضمیمہ قرار دیا ہو یعنی مثلاً داؤد کی زبوریں اول ہوتیں اُسکے بعد سلیمانؑ کی اُنکے بعد اور کسیکی تاکہ فی الجملہ علیحدگی بھی رہتی بلکہ ایسا خلط ہے کہ بالکل کھچڑی کر دیا ہے اور پھر یہ بھی نہیں کہ وہ خلط کرنے والے نبی ہوں بلکہ سواے نبی کے اور شخصوں نے بھی خلط کیا چنانچہ پادری صاحب کے اقرار سے ظاہر ہے

اور زبور ۷۲ کا ورس ۲۰ اس طرح ہے "داؤد بن یسی کی دعائیں تمام ہوئیں" دیکھیے درمیان میں کسی نے یہ جملہ داخل کر دیا پھر اب اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شروع کتاب سے یہاں تک کل زبور حضرت داؤد کی ہیں مگر واقع میں ایسا نہیں ہے بلکہ خود پادری صاحب کہہ چکے ہیں کہ زبور ۴۲ و ۴۹ قورح کے بیٹوں کے نام ہیں اور لطف یہ ہے کہ جس زبور کے آخر میں یہ جملہ ہے کہ داؤد بن یسی کی دعائیں تمام ہوئیں وہ بھی حضرت داؤد کا نہیں ہے سلیمان کا ہے۔ اب میں ایک نقشہ لکھتا ہوں جس سے مفصل حال معلوم ہو جائیگا کہ کون زبور کسکی طرف منسوب ہے اور کسکا مصنف گمنام ہے۔

نقشہ مصنفین زبور مع تفصیل زبورات

نمبر	نام مصنف	تعداد زبور	تفصیل زبورات	کیفیت
۱	داؤد	۷۲	۵ سے ۹ - ۱۱ سے ۳۲ - ۳۴ سے ۴۱ - ۵۱ سے ۶۵ - ۶۸ سے ۷۰ و ۸۶ و ۱۰۱ و ۱۰۳ و ۱۰۸ سے ۱۱۰ و ۱۲۲ و ۱۲۴ و ۱۳۱ سے ۱۳۳ و ۱۳۸ سے ۱۴۵ -	انہیں سے ۳۹ و ۶۲ زبور کی نسبت ٹھاکر داس صاحب لکھتے ہیں کہ مصنف نامعلوم ہیں سرنامے جدوتھن کے نام ہیں یعنی گرچہ اسکی تصنیف نہیں ہیں مگر انکے نام لگا دیے گئے ہیں اور ۳۰ کی نسبت لکھتے ہیں کہ داؤد کا نہیں ہو سکتا صـ ۲۹ اظہار عیسوی
۲	سلیمان	۲	۷۲ و ۱۲۷	
۳	آسف	۱۲	۵۰ و ۷۳ سے ۸۳	انہیں سے ۷۷ کو ٹھاکر داس صاحب گمنام میں داخل کرتے ہیں اور سرنامہ جدوتھن کے نام بتاتے ہیں۔ دیکھو صفحہ ۲۹ - اظہار عیسوی۔

نمبر	نام مصنف	تعداد زبور	تفصیل زبورات	کیفیت
۴	بنی قرح	۱۱	۴۲ و ۴۴ سے ۴۹ و ۸۴ و ۸۵ و ۸۷ و ۸۸	بیبل مطبوعہ مرزاپور میں ۸۹ زبور پر اختلاف لکھا ہی یعنی بنی قرح کا ہی یا ہمان ازراخی کا اور پادری جوزف اوین صاحب شرح زبور میں لکھتے ہیں کہ تحقیق معلوم نہیں کہ بنی قرح ان زبوروں کے مصنف یا مغنی تھے
۵	موسی	۱	۹۰	علمای طالمود کہتے ہیں کہ ۱۰ زبور ۹۰ سے ۹۹ تک موسی کے ہیں مگر پادری ٹھاکرداس صاحب اسکو صحیح نہیں کہتے دیکھو صفحہ ۲۸ اظہار
۶	ایتان ازراخی	۱	۸۹	
۷	گمنام	۵۱	۱ سے ۴ و ۱۰ و ۳۲ و ۳۳ و ۶۶ و ۶۷ و ۷۱ و ۹۱ سے ۱۰۰ و ۱۰۲ و ۱۰۴ سے ۱۰۷ و ۱۱۱ سے ۱۲۱ و ۱۲۳ و ۱۲۵ و ۱۲۶ و ۱۲۸ سے ۱۳۰ و ۱۳۴ سے ۱۳۷ و ۱۴۶ سے ۱۵۰۔	پادری جوزف اوین زبور کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اکاون زبوروں کی پیشانی پر کسیکا نام نہیں ہی لیکن قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعضے داؤد کی تصنیف ہیں۔

اس نقشہ سے بھی اختلاف اور خلط نہایت عمدہ طور سے واضح ہوتا ہی ناظرین اس خلط کو بنظر غور وانصاف ملاحظہ کریں اس طرح کا خلط بلاشبہہ اس بات کو ثابت کرتا ہی کہ اس بیبل میں خالص الہامی کلام نہیں رہا میں اسوقت یہ نہیں کہتا کہ یہ خلط کسی بدنیتی سے ہوا بلکہ غالبًا سادگی سے کوئی بُرائی اسمیں نہیں خیال کی گئی یہ نقشہ پادری جوزف اوین کی رومن شرح زبور اور اُس بیبل سے لکھا گیا ہے جو نہایت اہتمام کے ساتھ بڑی محنت سے صحیح ہوکر چوتھی مرتبہ مرزاپور میں نارتھ انڈیا بیبل سوسیٹی کیطرف سے ڈاکٹر میتر صاحب کے اہتمام سے ۱۸۷۰ع میں چھپی ہی مختصر کیفیت شرح مذکور اور اظہار عیسوی وغیرہ سے لکھی گئی ہے

(۱۵) امثال سلیمان - اسمیں کچھ نصیحتیں مذکور ہیں اسکا مصنف حضرت سلیمان کو بتاتے ہیں مگر یہ کتاب خود بول رہی ہے کہ اسمیں دوسروں کا کلام بھی داخل ہے چنانچہ باب ۳۰ و ۳۱ سے ظاہر ہے کہ آجور اور لمویل کا کلام اسمیں ملا ہے اور اِن دونوں کا حال نہیں معلوم کہ کون تھے اور کب ہوئے ہیں اور اس کتاب کا باب ۲۵ ورس اوّل اس طرح ہے "اور یہ بھی سلیمان کے امثال ہیں جنکی شاہ یہوداہ خرقیا کے لوگوں نے نقل کئے تھے" اس ورس سے بعض تو یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس کتاب کے ۷ باب یعنی ۲۵ سے ۳۱ تک الحاقی ہیں مگر اسمیں تو شک نہیں کہ یہ ورس الحاقی ہے ہمارا مدعا اسی قدر سے حاصل ہے یعنی جا بجا سے یہ امر یقینی طور پر ثابت ہوتا جاتا ہے کہ بیبل میں خلط ملط ہے خالص الہامی کلام نہیں ہے - ٹھاکرداس صاحب کہتے ہیں کہ "اِن شبہوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سلیمان نے کوئی مثال نہیں کہی" (اظہار عیسوی صفحہ ۳۰) میں کہتا ہوں کہ جناب ہم یہ نہیں کہتے کہ اس کتاب میں کوئی بات سلیمانؑ کی نہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ کل کتاب سلیمانؑ کی نہیں ہے دوسرے کا کلام بھی اسمیں مخلوط ہے جس سے کل کتاب مشتبہ ہو جاتی ہے +

(۱۶) کتاب واعظ اسکو کتاب جامعہ بھی کہتے ہیں اسے بعض سلیمان کی تصنیف بتاتے ہیں بعض اشعیا کی بعض حزقیا کی اور گروشیس سا محقق اور ممتاز عالم یہ کہتا ہے کہ زور بابل کے حکم سے اُس کے بیٹے ابیہود کی تعلیم کے لیے کسی شخص نے تصنیف کی تھی - اس تقدیر پر گرچہ اُسمیں کیسی ہی عمدہ نصیحتیں ہوں مگر وہ الہامی کتاب نہیں ہو سکتی کیونکہ دنیا میں بہت کتابیں نصیحت کی ہیں جنمیں عمدہ عمدہ باتیں ہیں مگر کوئی عیسائی اُنکو الہامی نہیں کہتا +

۵۱ واقع میں یہ دعوی جیسا کچھ ہو مگر دلیل تو ایسی بیان کی ہے کہ پادری صاحب کی لیاقت کو دیکھکر تعجب کیا ہنسی آتی ہے لکھتے ہیں کہ "کیونکہ شروع کتاب میں لکھا ہے کہ داؤد کے بیٹے سلیمان کے امثال پھر باب ۱ پہلی آیت میں ہے سلیمان کی امثال پس کتاب آپ ہی اپنے مصنف کا آوازہ دیتی ہے" بھلا کہیں کسی کتاب کے شروع میں کسیکا نام لکھا ہونے سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ بالیقین یہ اُسکی تصنیف ہے جسکا نام اسپر لکھا ہے بہت سی جعلی کتابیں بھی ایسی ہی ہیں پھر کیوں اُنھیں جعلی کہا جاتا ہے ۱۲

(۱۷) غزل الغزلات اور اسکو نشید الانشاد بھی کہتے ہیں اسمیں صرف عاشقانہ مضامین ہیں جسوقت حضرت سلیمان نے فرعون کی بیٹی سے نکاح کیا ہے جو حضرت سلیمان کی بہت محبوبہ تھی اسی وقت یہ عاشقانہ مضامین لکھے گئے ہیں یہ گفتگو اس تقدیر پر ہے کہ حضرت سلیمان کو اسکا مصنف قرار دیں مگر سیمن اور لیکلارک کو اسکی سچائی پر کلام تھا۔ اور وہشٹن کہتا ہے کہ یہ تو ایک اوباشانہ راگ ہے اسکو کتاب الہامی سے نکالنا چاہیئے۔ اور سمر کہتا ہے کہ ظاہرا یہ جعلی کتاب ہے۔ غرضکہ یہ کتاب بھی بالاتفاق الہامی نہیں ہے ایسے سخت اختلافات اس امر کی کافی دلیل ہیں کہ اہل کتاب کے پاس ان کتابوں کی کوئی قطعی سند نہیں ہے ہر ایک شخص صرف اپنے قیاس سے کچھ کہتا ہے +

(۱۸) یشعیاہ۔ اسکو یشعیاہ نبی کی تصنیف کہتے ہیں اس کتاب کے باب ۳۸ کے دیکھنے سے اور خصوصاً ۲ سلاطین باب ۲۰ سے مقابلہ کرنے سے بہت بڑا شک ہوتا ہے کہ یشعیاہ کی تصنیف ہو بلکہ انصاف اسکا مقتضی ہوتا ہے کہ سلاطین باب ۲۰ اور یشعیاہ کا باب ۳۸ ایک شخص کا تصنیف ہے

کاکرن کاتلک صفحہ ۱۶۱ اپنے تیسرے رسالہ مباحثہ میں جو ۱۸۵۲ء آگرہ میں چھپا ہے اور وہ مباحثہ پادری وارن صاحب سے ہوا تھا لکھتا ہے "کہ مشہور اسٹاہلن جرمنی نے کہا ہے کہ کتاب اشعیا میں باب چالیسویں سے چھیاسٹھویں باب تک ممکن نہیں کہ تصنیف اشعیا کی ہو" اس تقدیر پر ستائیس باب یشعیاہ کے الحاقی ہوئے اور الحاق کرنے والے کا پتہ نہیں پادری ٹھاکرداس صاحب اظہار عیسوی کے صفحہ ۱۹۷ میں لکھتے ہیں "کہ بہتیرے ہیں جنھوں نے اسٹاہلن کے قول کی تردید کی ہے جنمیں سے پروفیسر جاہان کے جوابات ہارن صاحب نے انٹروڈکشن کی چوتھی جلد میں درج کیے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ یہ ساری کتاب یشعیاہ کی تصنیف ہے"

میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں نے رد کیا ہے مگر اس سے ثبوت قطعی اسکا نہیں ہوتا کہ یہ اشعیا کی تصنیف ہے جب پادری صاحب اسکا ثبوت نقل کرینگے تو ہم دکھا دینگے کہ اسکا نام ثبوت نہیں ہے محض وہم ہے +

علاوہ اسکے اختلاف سے اتنی بات تو بلاشک ثابت ہوتی ہے کہ ان کتابوں کی سند قطعی اہل کتاب

کے پاس نہیں ہی صرف غیر یقینی قرینوں پر مدار ہے اگر کوئی قطعی سند ہوتی تو بھلا کیسے ممکن تھا کہ جو شخص بیبل کو کلام خدا جانتا ہی اور اُسپر ایمان لایا ہی وہ اُسکے کسی جزو پر شبہہ کرے اختلاف کا باعث یہی ہی کہ سند کا مدار اٹکل اور قرینوں پر ہے اور اُسکا مرجع صرف عقل پر ہے اور عقول مختلف ہیں کسیکی عقل نے ایک امر کو قرینہ ایک امر کا قرار دیا دوسریکی عقل نے ندیا ایسے قرینوںسے کوئی قطعی بات ثابت نہیں ہوتی

(۱۹) کتاب یرمیاہ - اس کتاب میں بھی باونواں باب قطعًا الحاقی ہی ہارن صاحب اپنی تفسیر کی جلد ۴ صفحہ ۱۹۵ مطبوعہ ۱۸۲۲ع میں لکھتے ہیں کہ "یہ باب یرمیا کے بعد جب یہود کو بابل کی قید سے رہائی ملی جسکا تھوڑا سا بیان اُس باب میں پایا جاتا ہی ملایا گیا ہے" اور جامعین ہنری واسکاٹ کہتے ہیں کہ یہ باب عزرا یا کسی دوسرے شخص نے لاحق کیا ہی - پادری ٹھاکر داس صاحب اظہار عیسوی کے صفحہ" و ۱۹۷ میں لکھتے ہیں کہ "یہ باب عزرا نے کتاب سلاطین باب ۲۴ اور نبیوں کے دفاتر سے لیکر لکھا اور بطور ضمیمہ کے آخر کتاب یرمیاہ کے لگایا گیا لیکن یہ باب یرمیا کی ساری کتاب پر اثر نہیں کرتا" اس بیان سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ عزرا نے الہام سے نہیں لکھا بلکہ نبیوں کے دفتر سے نقل کیا ہی اور اُن دفاتر کا الہامی ہونا ثابت نہیں بلکہ دفتر کے الہامی ہونیکی کوئی وجہ نہیں ہی اور یہ عقیدہ عیسائیوں کے نزدیک صحیح اور مسلم ہی کہ نبی کی سب تحریریں الہامی نہیں ہوتیں اس سے ظاہر ہی کہ یہ ضمیمہ غیر الہامی ہی اور الہامی تحریر کے ساتھ غیر الہامی کا خلط ہی - علاوہ اسکے پادری صاحب کے پاس اسپر کوئی دلیل نہیں ہی کہ یہ ضمیمہ خواہ مخواہ عزرا کا ملایا ہوا ہے مفسرین کے بیان میں صاف تردد ہی - اور یہ کہنا کہ یہ باب یرمیا کی ساری کتاب پر اثر نہیں کرتا عجب حیرت انگیز بات ہی جب الحاق کا ثبوت ہر کتاب میں ہوتا چلا آتا ہی کہیں درمیان میں کہیں اخیر میں (جس سے الحاق کی عام عادت معلوم ہوتی ہی) پھر کیونکہ اس امر کا یقین ہو سکتا ہی کہ کتاب یرمیا میں سوا اس باب کے اور کہیں الحاق نہیں ہی تمام عقلا کے نزدیک یہ امر مسلم ہی کہ جب نوشتہ میں ایک جگہ غیر کا تصرف ثابت ہو جائے تو کل نوشتہ مشکوک ہو جاتا ہی اگر اخیر کے جملہ میں تصرف ثابت ہو جائے تو کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ جملہ ساری تحریر پر اثر نہیں کرتا دیکھو تمام عقلاے فرنگ دنیاوی معاملات میں اسکو برتتے ہیں پھر کیا دینی معاملہ دنیاوی معاملہ سے بھی بدتر ہی کہ

اُسمیں اس قدر احتیاط بھی برتی نہیں جاتی جس قدر دنیا کے معاملوں میں +

(۲۰) نوحہ یرمیاہ- اس کتاب میں یروشلم کے غارت ہونے پر رنج وغم کا اظہار ہے +
(۲۱) کتاب حزقیل (۲۲) کتاب دانئیل - یہ کتاب دانیال کی تصنیف بتاتے ہیں مگر حضرت مسیح کے ہم عہد اور متاخر یہودی دانیال کو نبی نہیں کہتے تھے (۲۳) کتاب ہوسیع - (۲۴) کتاب یوئیل اسمیں بنی اسرائیل کو کچھ وعظ و پند ہے (۲۵) کتاب عموس (۲۶) کتاب عبدیاہ (۲۷) کتاب یوناہ (۲۸) میکاہ (۲۹) ناحوم (۳۰) کتاب حبقوق (۳۱) کتاب صفنیاہ (۳۲) حجی (۳۳) ذکریاہ- (۳۴) ملاخیاہ- ۲۰ نمبر سے لیکر آخر تک جو نام لکھے گئے یہ چھوٹے رسالے ہیں ان میں سے کسی میں کچھ وعظ و پند ہے کسی میں زجر و توبیخ ہے کسی میں بنی اسرائیل کو قید سے رہائی پانے کی بشارت ہے کسی میں بیت المقدس کی تیاری کا ذکر ہے +

اِن چونتیس ۳۴ کتابوں میں سے صرف زبور کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے اور اسمیں بھی اُنھیں زبوروں کا جو حضرت داؤد کو دی گئیں نہ یہ زبور جو اہل کتاب کے پاس ہے یہ تو کشکول ہے جسمیں کئی شخصوں کی تحریر ہے چنانچہ اُوپر ذکر کیا گیا جب قرآن شریف میں اِن کتابوں کا ذکر ہی نہیں ہے پھر ان کتابوں کی تصدیق پادری صاحب کیونکر ثابت کر سکتے ہیں پھر انکی مخالفت سے پادری صاحب نے ہمکو کیوں الزام دیے ہیں خصوصاً اُن کتابوں سے جنمیں تواریخی امور بیان ہوئے ہیں کہ اُن میں علاوہ عدم تصدیق قرآن کے خود محققین عیسائی بھی اُنھیں الہامی نہیں کہتے یہ ہم مانتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسےٰؑ اور حضرت داؤدؑ کے سوا اور انبیا پر بھی کلام آلہی اُترا جیساکہ قرآن مجید ہمکو ہدایت کرتا ہے مگر مخصوص اِن چونتیس ۳۴ کتابوں کا ذکر نہیں کرتا جیساکہ توریت وانجیل وزبور کا کرتا ہے بلکہ جن انبیا کی طرف یہ کتابیں منسوب ہیں اُنمیں سے بہتوں کا تو نام ہی نہیں ہے اور اگر کسیکا ہے تو یہ ذکر نہیں ہوا کہ اس نبی کو کوئی کتاب یا صحیفہ دیا گیا ہے پھر اِن ۳۴ کتابوں سے ہمکو الزام دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے +

ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں تین کتابوں کے نام کی تصریح ہے توریت و زبور و انجیل - توریت کی نسبت تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہ حضرت موسیٰ کی کتاب کا نام ہے اور یہ امر خود انھیں کتابوں سے ثابت ہے

چنانچہ تواریخ دوم کے باب ۳۴ ورس ۱۴ میں ہے وہ خلقیاہ کاہن نے خداوند کے توریت کی کتاب جو موسیٰ کے ہاتھ سے ہوئی پائی،، اسی طرح ۲ سلاطین باب ۲۲ ورس ۸ اور ۲ تواریخ باب ۱۷ ورس ۹ اور یوحنا باب ۱ ورس ۴۵ وغیرہ سے ثابت ہے کہ توریت صرف حضرت موسے کی کتاب کا نام ہے پس جس طرح انجیل اور دوسری کتابوں میں توریت سے حضرت موسے کی کتاب مُراد لی گئی ہے اسی طرح قرآن شریف میں لینا چاہیے دوسرے معنی بغیر کسی کافی دلیل کے نہیں لے سکتے اور اگر یہ کہا جائے کہ انجیل وغیرہ میں گرچہ توریت خاص موسے کی کتاب کو کہا ہے مگر کسیوقت اہل کتاب کے محاورہ میں عہد عتیق کی کل کتابوں کو بھی توریت کہتے ہیں پس جب یہ محاورہ اہل کتاب کا ہے اور قرآن شریف میں انھیں کے مقابلہ میں توریت کا لفظ بولا گیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ معنی بھی لے سکتے ہیں اسکا جواب یہ ہے کہ اسکے ثبوت کے لیے اول تو ثابت کرنا چاہیے کہ جس وقت قرآن شریف نازل ہوا اُسوقت توریت کا لفظ اس معنی میں رائج تھا پھر اسکا ثبوت چاہیے کہ قرآن مجید میں کسی مقام پر توریت کے پہلے معنی صحیح نہیں ہوسکتے جب تک یہ دونوں امر ثابت نہ کیے جائیں اُسوقت تک کیسے اُن معنی کو چھوڑ سکتے ہیں جو مشہور و معروف تھے اور اُنکے کتب الہامیہ سے اُنکا ثبوت ہے۔ علاوہ اُسکے مجموعۂ عہد عتیق میں تو اہل کتاب مختلف ہیں سامریوں کے نزدیک تو صرف وہی پانچ کتابیں موسے کی ہیں اور چونتیس کتابوں کو وہ الہامی مانتے ہی نہیں۔ رومن کاتھلک اُن ۳۴ کتابوں کے سوا چند کتابیں اور بھی شامل کرتے ہیں (۱) کتاب باروق (۲) کتاب ٹوبیاس (۳) کتاب جوڈتہ (۴) کتاب وزڈم (۵) کتاب ایکلیزیاسٹکس (۶) کتاب اوّل مقابیس (۷) کتاب دوم مقابیس (۸) کتاب استیر کا ایک حصہ (۹) کتاب دانیل کا ایک حصہ ان چھیالیس ۴۶ کتابوں کا مجموعہ کاتلک کے نزدیک عہد عتیق ہے پراٹسٹنٹ کے نزدیک صرف ۳۹ کا مجموعہ پھر ان ۳۹ کے مجموعہ میں بھی بعض بعض کتاب میں اختلاف ہے پھر اسمیں سے کس مجموعہ کی تصدیق پادری صاحب کراتے ہیں کیا کوئی آیت قرآن شریف کی پادری صاحب کے پاس ہے جسمیں سامری و کاتلک کی راے کو غلط قرار دیکر صرف پراٹسٹنٹ کی راے کو صحیح ٹھہرایا ہے اور جتنی کتابوں کے مجموعہ کو انہوں نے

عہد عتیق قرار دیا ہی اُسیکو قرآن نے توریت کہا ہی ہرگز نہیں پھر کیسے پادری صاحب اپنی سب کتابوں کی تصدیق قرآن شریف سے نکالتے ہیں **سوال** سورۂ بقرہ کے آیت ۱۳۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت وانجیل کے سوا اور بھی صحیفے انبیا پر نازل ہوئے ہیں اور اُن پر ایمان لانا فرض ہی وہ آیت یہ ہی قُولُوا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ الاية ترجمہ کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اوترا ہم پر اور جو اوترا ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اُسکی اولاد پر اور جو دیا گیا موسے اور عیسے کو اور جو دیا گیا نبیوں کو اپنے پروردگار سے اِس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ صرف حضرت موسےٰ اور عیسےٰ کی کتاب پر ایمان لانا فرض نہیں ہی بلکہ اور باقی انبیا پر جو کچھہ اوترا ہی اسکو بھی ماننا ضرور ہی اور دوسرے انبیا کی صحیفے بھی ہیں جو اب مجموعہ عہد عتیق وجدید میں شامل ہیں پس اس سے تمام صحیفوں کی تصدیق ثابت ہوئی **جواب** اس آیت سے کوئی امر ہمارے بیان کے مخالف ثابت نہیں ہوتا ہمنے یہ بیان کیا ہی کہ قرآن مجید سے تین کتابوں کی تخصیص تو بلاشبہہ ثابت ہوتی ہے اور باقی صحیفوں کی تعیین نہیں ہی اس آیت سے بھی اس دعوی کا ثبوت بخوبی ہوتا ہی کیونکہ اسمیں چند صحیفوں کے سوا باقی پر بالکل مجمل طور سے ایمان لانیکا حکم ہوا اور یہ کہا گیا کہ ایمان لاؤ جو دیا گیا نبیوں کو پس اس سے کسی صحیفے کی تخصیص ثابت نہیں ہوتی لہذا جس مجمل طور سے خدا تعالے نے ہمکو ایمان لانیکا ارشاد کیا ہی ہم اُسی طور سے لاتے ہیں اگر تفصیل کی ضرورت ہوتی تو وہ حکیم مطلق علام الغیوب تفصیل فرما دیتا جب اُس علام الغیوب نے تفصیل نکی تو ہمکو تفصیل کی حاجت نہیں اور نہ ہو سکتی ہی کیونکہ اگر تفصیل چاہینگے تو اہل کتاب کے اقوال کیطرف رجوع کرینگے اور دیکھینگے کہ کس کس کتاب کو یہ الہامی بتاتے ہیں اور اہل کتاب کی نسبت قرآن مجید میں یہ ارشاد ہو چکا ہی کہ یہ اپنی طرف سے کتاب لکھتے ہیں اور کہدیتے ہیں کہ خدا کیطرف سے ہی پھر جب خدا تعالی اُنکی نسبت ایسا ارشاد کرے تو ہم اُنکے کہنے سے کیونکر کسی صحیفے کو الہامی کہہ سکتے ہیں علاوہ اسکے اُنکے اقوال میں خود اختلاف ہی پھر کسکی بات کو معتبر مانا جائے اگر سب باتوں سے قطع نظر کیجائے تو جو اشتباہ حضرت موسے کی کتابوں میں ہی وہ تو کہیں نہیں جاتا یہ امر تو ابو بی ثابت ہو گیا کہ قدیم زمانے میں الحاق کی عادت تھی اور کثرت سے اِن کتابوں میں الحاق ہوا

پھر اس تمام مجموعے کے ہر ایک باب کی تصدیق کیسے ہو سکتی اگر ہوگی تو اسی قدر کی ہوگی جو انبیا کا
کلام تھا اور وہ اگرچہ اس مجموعہ میں پایا جاتا ہوگا بسبب خلط ہو جانے کے ہمکو تمیز نہیں ہو سکتی ہاں جناب
علام الغیوب کا وہ کلام ہے وہ جانتا ہے کہ اتنا کلام ہمارا ہے اور اتنا دوسرے کا۔

یہ حالت تو وہ تھی جو اُن کتابوں کے دیکھنے سے ظاہر ہوتی ہے اور جس وقت اہل کتاب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے
اُنکے اقوال سے بھی خوب بخوبی ثابت ہوتا ہے عیسائی تو یہودیوں کے عہد عتیق کو لائق اعتبار نہیں گنتے
اور یہودی عیسائیوں کے مجموعہ کو چنانچہ ڈاکٹر چالونز اور اقسی ہومس تیمہ کا تاگت نے اپنے اپنے انٹروڈکشن
میں بہت دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہودیوں کے عہد عتیق لائق اعتبار نہیں ہے کتاب اسپرٹ آف بیبل
مطبوعہ امریکہ میں تو یہودیوں اور عیسائیوں کے اقوال نقل کر کے خوب ہی اختلاف باہمی ثابت کیا ہے
چار جلدوں میں یہ کتاب ہے اور صرف اسی امر کو بیان کیا ہے کہ عہد عتیق کے متن میں باہم اختلاف رہا۔
اس زور شور کے باہمی اختلاف کتاب کو نہایت مشتبہ کر دیتے ہیں البتہ قرآن مجید کی تصدیق سے یہ ثابت
ہوتا ہے کہ بیشک انمیں کلام آلہی ہے مگر یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ مجموعہ عہد عتیق اول سے آخر تک تمام و کمال
کلام آلہی ہے پس پادری صاحب کا اعتراض بالکل بے بنیاد ہے یہاں تک تو توریت کی تصدیق کا ذکر
کیا گیا اب انجیل کا ذکر کیا جاتا ہے +

انجیل - قرآن مجید میں جس مقام پر انجیل کا لفظ بولا گیا ہے اُس سے وہ کتاب آلہی مراد ہے جو حضرت مسیح
کو الہام کی گئی نہ وہ مجموعہ تواریخ وغیرہ کا جسے اب عیسائی انجیل کہتے ہیں۔ سورہ حدید میں حضرت مسیح
کی نسبت ارشاد ہوا وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ اور دی ہمنے اسکو انجیل اور سورہ مائدہ میں اللہ تعالے کا
خطاب حضرت مسیح سے اس طرح پر ہے وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ جب سکھائی میں نے
تجھے کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن شریف انہیں تعلیمات کو
انجیل کہتا ہے جو حضرت مسیح پر القا کی گئی۔ اس دعوی کو علمائے مسیحی بھی تسلیم کرتے ہیں چنانچہ راڈویل
صاحب ترجمہ قرآن مجید کے صفحہ ۵۲۲ میں لکھتے ہیں کہ وہ انجیل کے لفظ سے یہ مجموعہ عہد جدید کا یا
اُسکا کوئی حصہ نہ سمجھنا چاہیے بلکہ وہ وحی سمجھنا چاہیے جو خدا کی طرف سے عیسے پر بھیجی گئی ،، جب

قران مجید جداوُ صاف خاص الہامات حضرت مسیح کو انجیل کہتا ہی تو پھر پادری صاحب اس تمام و
کمال مجموعہ عہد جدید کی تصدیق کیونکر ثابت کرتے ہیں یہ امر بھی علمائے مسیحیہ کے نزدیک مسلم ہے کہ ابتدا
میں خاص تعلیم مسیح انجیل کہلاتی تھی اور یہ مجموعہ جسے اب انجیل کہا جاتا ہی حواریوں کی یادداشتیں تھیں
انکو بہت دنوں بعد انجیل کا لقب ملا ہی چنانچہ چیمبرس انسائیکلوپیڈیا مطبوعہ لنڈن ۱۸۸۸ء جلد پنجم
لفظ گاسپیل کے بیان میں لکھتا ہی کہ ”مسیح کی تعلیم یا پیغام انجیل کہلاتی تھی اور وہ الہامی نوشتہ جسکے
ذریعہ سے بعد میں ہمکو وہ تعلیم یا پیغام پہونچا اونکو بھی انجیل کا لقب ملا۔ مگر یہ ہم کہہ نہیں سکتے کہ ان نوشتوں
کا نام کب سے پڑا۔ اسمیں تو بہت جھگڑا ہی کہ اُسکا نام دوسری صدی کے نصف میں جسٹن مارٹر کے
عہد میں پڑا البتہ تیسری صدی میں عام طور پر یہ نام استعمال کیا گیا“ اسکے بعد لکھا ہے کہ
”پے پیس نے ایک مقام پر متی اور مرقس کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ اُنھوں نے مسیح کے حالات و اعمال
و وعظ لکھے لیکن سوا اسکے کوئی ذکر گاسپل (یعنی انجیل) کا یا اُنکے مصنفین کا اُنکے نام سے اول زمانہ
عیسائیوں میں نہیں ہی یہاں تک کہ جسٹن مارٹر ہمیشہ بجاے گاسپل متی یا لوقا یا یوحنا کے یادداشت
رسولونکی کہتا ہی“ اگر بنظر انصاف تقلید سے قطع نظر کرکے دیکھا جاے تو اسی مجموعہ عہد جدید سے ثابت ہوتا
ہی کہ مسیح کے وقت میں انجیل تھی چنانچہ مرقس کے باب ۱ ورس ۱۴ و ۱۵ میں ہی ”پھر یوحنا کی گرفتاری
کے بعد یسوع نے جلیل میں آکے منادی کی اور کہا کہ وقت پورا ہوا اور خدا کی بادشاہت نزدیک آئی
توبہ کرو اور انجیل پر ایمان لاؤ“ پھر اسی مرقس کے باب ۱۰ ورس ۲۹ میں حضرت مسیح کا قول اس طرح
منقول ہی ”یسوع نے جواب میں کہا میں تمسے سچ کہتا ہوں ایسا کوئی نہیں جسنے گھر یا بھائیوں یا بہنوں
یا باپ یا ماں یا جورو یا لڑکے بالوں یا کھیتوں کو میرے اور انجیل کے لیئے چھوڑ دیا ہی“ اس طرح متی کے
باب ۲۶ ورس ۱۳ میں مسیح کا قول منقول ہی کہ ”جہاں کہیں اس انجیل کی منادی ہوگی“ الخ۔
ظاہر ہی کہ جس انجیل کیطرف حضرت مسیح اشارہ کرتے ہیں وہ یہ مجموعہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اسکا وجود تو بعد صعود
حضرت مسیح کے ہوا ہی پھر اسکی طرف اشارہ کیسے ہو سکتا ہی بس لامحالہ اُس وقت کوئی انجیل تھی جسکی طرف
حضرت مسیح اشارہ کرتے ہیں بعض علمائے مسیحیہ کے اقوال سے بھی اس انجیل کا کچھ پتہ لگتا ہے

چنانچہ ہارن صاحب کے انٹروڈکشن کی چوتھی جلد میں لیکلرک کوپ میکائلس لسنگ نارٹن وغیرہ علمائے متقدمین کی رائے اس طرح منقول ہے کہ وہ شاید متی اور مرقس اور لوقا کے پاس ایک کتاب عبری زبان میں تھی جسمیں حضرت مسیح کے حالات لکھے تھے اُسمیں سے متی نے زیادہ نقل کیا اور مرقس اور لوقا نے کم،، اگرچہ ہارن اس رائے کو پسند نہیں کرتا مگر مجھے ہارن صاحب کی پسندی اور ناپسندی کا اظہار منظور نہیں ہے بلکہ اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ بعض قدیم علمار کے نزدیک بھی ان انجیلوں کے پیشتر ایک انجیل تھی۔ فاضل نورٹن نے جو علم اسناد میں کتاب لکھی ہے اور یہ کتاب شہر بوسٹن میں سنہ ۱۸۳۷ع میں چھپی ہے اُسکے دیباچہ میں اُسنے لکھا ہے کہ وو اکہارن نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ دین مسیحی کے شروع میں ایک مختصر رسالہ تھا حضرت مسیح کے حالات میں ہو سکتا ہے کہ اسکو اصل انجیل کہا جاے اور گمان غالب ہے کہ یہ انجیل اون مریدوں کے لیے لکھی گئی تھی جنھوں نے مسیح کی باتیں نہ اپنے کانوں سے سُنی تھیں اور نہ اُنکے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے یہ انجیل بمنزلہ قالب کے تھی اور اُسمیں مسیح کے حالات ترتیب وار نہیں لکھے تھے الخ۔ پھر وہی فاضل نورٹن لکھتا ہے کہ کوئی یہ خیال نکرے کہ یہ رائے صرف اکہارن کی ہے اسواسطے کہ اکہارن کی کتاب سے بڑھکر کوئی کتاب ملک جرمن میں ابتک مقبول نہیں ہوئی بلکہ بہت علمائے متاخرین جرمن نے انجیلوں کے بارہ میں اور اُن امور میں جنسے انجیل کی صحت پر الزام آتا ہے اکہارن کی رائے سے اتفاق کیا ہے،،

پس جس انجیل کیطرف حضرت مسیح اشارہ کرتے ہیں اور بہت سے علمائے مسیحیہ بھی اُسکے قائل ہیں قرآن مجید اُسی کو انجیل کہتا ہے۔ خوب یاد رہے کہ پادری صاحب نے اعتراض کی بنیاد قرآن مجید کی تصدیق پر رکھی ہے یعنی الزاماً قرآن شریف کے مضمون کو مان لیا ہے تو وہ یہ بھی معلوم کرلیں کہ جس طرح قرآن شریف توریت وانجیل کی تصدیق کرتا ہے اسی طرح یہ بھی دعوی کرتا ہے کہ اہل کتاب کی اکثر مختلف فیہ باتوں کا فیصلہ کرکے اور واقعی امر کو بتاتا ہے (دیکھو سورہ نمل ۷۶) جو قول علمائے مسیحیہ کے نقل کئے گئے اُنسے صاف ظاہر ہے کہ مسیحی اس امر میں مختلف ہیں اور تھے کہ اس مجموعہ عہد جدید کے سوا اور اسلئے پیشتر کوئی انجیل تھی یا نہ تھی اگرچہ جمہور اسکے قائل نہیں ہیں مگر بہرحال اختلاف ہے لہذا قرآن مجید اسکا فیصلہ اس طرح کرتا ہے کہ ایک کتاب

الٰہی تھی جو حضرت مسیح کو الہام کی گئی تھی اور اُسیکا نام انجیل ہے اور جمہور کا انکار غلط ہے +

سوال جس انجیل کا ذکر ابھی کیا گیا اُسکا وجود گرچہ کسی زمانہ میں پایا جاتا ہو مگر نزول قرآن مجید کیوقت اُسکا کہیں پتہ نہیں لگتا اور قرآن مجید اُس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو اُس وقت اُنکے پاس تھی چنانچہ فرمایا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ تصدیق کرنے والا اُسکی جو اُنکے پاس ہے اِس سے ظاہر ہوا کہ اُسی کی تصدیق کرتا ہے جسے اس زمانے میں عیسائی انجیل کہتے تھے کیونکہ وہی اُنکے پاس تھی

جواب قرآن مجید میں لفظ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ اور مَعَكُمْ چار جگہ آیا ہے تین جگہ پہلے پارہ میں اور ایک جگہ پانچویں پارہ میں ان چاروں مقام پر خاص یہود مخاطب ہیں اور توریت کی تصدیق مراد ہے جسکا جی چاہے قرآن مجید کے قرآین دیکھے تفاسیر کو ملاحظہ کرے الغرض فقرۂ مذکورہ کو انجیل کی تصدیق سے کچھ واسطہ نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ اس سوال کی بنیاد محض نافہمی پر ہے اور اگر ہم اس تخصیص سے قطع نظر کریں تو بھی ممکن نہیں ہے کہ اس فقرہ سے تمام انجیل مروجہ کی تصدیق سمجھی جاے ہم توریت کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ اس قول سے تمام مجموعہ عہد عتیق یا کل کتب خمسہ کی تصدیق ثابت نہیں ہوسکتی اسیطرح انجیل کو بھی سمجھنا چاہیے بلکہ انجیل مروجہ میں اُن وجوہ کے سوا جو توریت میں پائی جاتی ہیں ایک بہت بڑی قوی اور ظاہر وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید متی اور مرقس وغیرہما کی تحریر کو انجیل کہتا نہیں وہ تو انجیل صرف اُسیکو کہتا ہے جو حضرت مسیح کو الہام کی گئی چنانچہ ابھی ذکر کیا گیا اس تقدیر پر تصدیق صرف اُسقدر کی ہوسکتی ہے جسقدر تعلیم الٰہی حضرت مسیح کی زبان سے بیان ہوئی اور کتب مروجہ اہل کتاب میں مندرج ہے کیونکہ وہ تعلیم گرچہ کسی جداگانہ کتاب میں مستقل طور پر نہیں پائی جاتی مگر جابجا متفرق طور پر اُنکی کتابوں میں موجود ہے پس اس وجہ سے اس کلام کا اُنکے پاس ہونا صحیح ہے حاصل یہ ہے کہ جس کلام کی تصدیق قرآن شریف کرتا ہے اُسمیں دو وصف ہونا چاہییں ایک یہ کہ حضرت مسیح کو الہام کیا گیا ہو دوسرے یہ کہ اُنکے پاس ہو اور یہ دونوں وصف صرف اُسی کلام میں پائے جاتے ہیں جو حضرت مسیح نے بالہام الٰہی بیان فرمایا اور کتب مروجہ اہل کتاب میں مندرج ہے اور اُن کتابوں میں جو حواری وغیرہ کا کلام ہے اُسکی تصدیق ہرگز ثابت نہیں ہوتی اگر قرآن شریف تحریر متی و مرقس وغیرہما

کی تصدیق کرتا تو انجیل کو انھیں کیطرف منسوب کرتا مگر اسکا تو کسی مقام پر اشارہ بھی نہیں ہے پھر کیونکر کوئی سمجھدار شخص انجیل مروجہ کی تصدیق قرآن شریف سے نکال سکتا ہو فہ امؤلف میزان نامہ بھی انصاف سے غور فرمائیں علاوہ اسلئے اگر تصدیق کا مدار پادری صاحب کے نزدیک صرف اُنکے پاس ہونا ہی ہو تو اس مجموعہ عہد جدید کے سوا اور بھی انجیلیں وغیرہ اُنکے پاس تھیں جنکو اپاکرفل کہتے ہیں پھر یہ معترض کونسی انجیل کی تصدیق ثابت کرنا چاہتا ہے کیا یہ معترض قرآن مجید کے کسی آیت سے ثابت کرسکتا ہو کہ انجیل متی کی تو تصدیق کی ہے اور انجیل طفولیت کی نہیں کی ہرگز نہیں۔ الغرض یہ کہنا کہ قرآن شریف پوری انجیل مروجہ کی تصدیق کرتا ہے محض غلط اور خیال خام ہے ؛

اب میں چاہتا ہوں کہ اناجیل مروجہ کی کچھ کیفیت بیان کروں تاکہ انکا کچھ حال ناظرین کو معلوم ہو اور یہ امر بھی زیادہ تر واضح ہوجاوے کہ انجیل مروجہ کی تصدیق قرآن مجید نہیں کرتا۔ عیسائیوں کے نزدیک جو کتب الہامیہ حضرت مسیح کے بعد حواریوں وغیرہ نے لکھی ہیں وہ ۲۷ رسالے ہیں جنکی تفصیل یہ ہے

(۱) انجیل متی۔ یعنی حضرت مسیح کے وہ ملفوظات اور تاریخی حالات جو حضرت متی حواری نے قلمبند کیے اس انجیل میں اول تو یہ اختلاف ہو کہ کس زبان میں لکھی گئی اکثر علمائے عیسائی اس بات کے قائل ہیں کہ متی حواری نے عبرانی میں لکھی تھی مگر اُسکا وجود صفحہ عالم سے ناپید ہے اسکا ترجمہ یونانی میں ہے پھر تحقیق طور پر یہ معلوم نہوا کہ یہ ترجمہ کسنے کیا اور کب ہوا بعض کہتے ہیں کہ یونانی میں لکھی تھی بعض قائل ہیں کہ یونانی اور عبرانی دونوں میں لکھی تھی مگر کوئی دلیل نہیں ہے صرف اٹکل پر مدار ہے دوسرے اس امر میں اختلاف ہو کہ کب تصنیف ہوئی۔ ہارن صاحب اپنی تفسیر کی چوتھی جلد کے حصہ دوم کے باب دوم میں لکھتے ہیں کہ "جو حالات ہمکو قدیم مورخوں کلیسیا سے انجیلونکی تصنیف کے بابمیں ملے ہیں ایسے غیر معین اور ابتر ہیں کہ کسی معین امر کیطرف نہیں پہونچاتے اور پُرانے سے پُرانے متقدمین نے اپنے وقت کی گپوں کو سچ خیال کرکے لکھدیا اور اُنکے بعد کے لوگوں نے ادب کی وجہ سے اُنکے لکھے ہوے کو قبول کرلیا اور یہ روایتیں جھوٹی سچی ایک لکھنے والے سے دوسرے لکھنے والے تک پہونچیں اور بعد گذرجانے مدت دراز کے انکا پرکھنا غیر ممکن ہوگیا،، ہارن صاحب

نے یہ نہایت سچی بات لکھی ہے اسی باتوں کی وجہ سے عہد عتیق و جدید دونوں میں بہت کچھ تصرف ہوا
متقدمین نے حسب عادت کلام الٰہی کے ساتھ کہیں تو اپنی راے لکھدی جو اپنی فہم کے مطابق اُس مقام
کی تفصیل سمجھے تھے پھر اُسمیں کہیں لفظ بڑھا یا کہیں جملہ کہیں زیادہ پھر جو اُسکے متعلق قصے تھے وہ
سُن سنا کر وہیں لکھدیے غرضکہ اسی طرح ہوتا رہا متاخرین نے جو اس مجموعہ کو اپنے بزرگوں سے پایا
اور یہ سُنکر کہ یہ کتاب مقدس ہے تو وہ یہ سمجھے کہ تمام و کمال اول سے آخر تک سب کلام الٰہی ہے
اور اگر کوئی شبہہ بھی ہوا تو ادب کے خیال سے اُنپر نیک گمان کر کے چپ ہو رہے +

ہارن صاحب پھر انجیل متی کی زمان تالیف کے اختلاف کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ڈاکٹر مل اور
مکائیلس اور بشپ پرسی سنہ ۶۱ء کی تصنیف بتاتے ہیں اور مولڈن ہاور سنہ ۶۱ء یا سنہ ۶۲ء کی اور
ڈاکٹر ہیلز سنہ ۶۳ء اور ڈاکٹر لارڈنر اور مسٹر نیولیٹ سنہ ۶۴ء کی اور برونی اس اور گروشمش اور ویٹ
سٹاین اور جونس سنہ ۴۱ء کی اور ڈاکٹر بین سن سنہ ۴۳ء کے اور ڈاکٹر کیو سنہ ۴۸ء اور ڈاکٹر اودن اور
بشپ ٹاملن سنہ ۳۸ء کی اور ڈاکٹر ٹونسن سنہ ۳۷ء کی بتاتے ہیں۔ اس وقت پادری ٹھاکرداس صاحب
بڑے طرفدار ونمیں ہیں مگر یہاں وہ بھی کیسیکو ترجیح نہیں دیسکتے سنہ ۶۱ء یا سنہ ۶۲ء کی نسبت لکھتے ہیں کہ صرف
عالموں کی خیال بندی ہے اور سنہ ۳۷ء اور سنہ ۳۸ء کی نسبت کہتے ہیں کہ کوئی تواریخی ثبوت نہیں ہے (دیکھو اظہار عیسوی ص ۲ و ۳)

(۲) انجیل مرقس یعنی وہ تاریخ مسیح علیہ السلام جو مرقس تابعی نے لکھی یہ شخص پطرس حواری کا شاگرد ہے
اس انجیل کی نسبت بعض علماے مسیحیہ کہتے ہیں کہ لیٹن زبان میں لکھی گئی اور اکثر کا یہ قول ہے کہ یونانی
زبان میں۔ اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ یہ انجیل کب لکھی گئی اسکاٹ صاحب رومن تفسیر کی انجیل
مرقس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ " یہ بھی ٹھیک معلوم نہیں کہ کس وقت یہ صحیفہ لکھا گیا مگر گمان غالب
ہے کہ اُسکی تصنیف سنہ ۵۶ء اور سنہ ۶۳ء کے درمیان میں ہوئی۔ سب متفق کہتے ہیں کہ روم شہر میں اُسکی
تصنیف ہوئی " اس امر میں اختلاف ہے کہ مرقس کے اُستاد پطرس جنکے ہمراہ مرقس رہتے تھے
روم میں کب آئے علماء کاتلک کہتے ہیں کہ سنہ ۴۴ء میں اور اکثر پروٹسٹنٹ اور بعض کاتلک
کہتے ہیں کہ سنہ ۶۳ء یا سنہ ۶۴ء میں اظہار عیسوی کے صفحہ ۵ و ۶ و ۷ میں پہلے قول کے رد میں اچھی وجوہات

لکھے ہیں پھر آخر میں لکھا ہے کہ ” اس سے اظہر ہے کہ نیرو کے نویں یا دسویں سال تک پطرس روم میں نہ گیا یعنی سنہ ۶۳ء و سنہ ۶۴ء تک، اور یہ کہ انجیل اس سنہ کے پیشتر نہیں لکھی گئی لیکن اس سنہ اور پطرس اور پولوس کی شہادت کے درمیان جو سنہ ۶۴ء و سنہ ۶۶ء میں واقع ہوئی لکھی گئی “
غرضکہ اس تحریر سے معلوم ہوا کہ وہ قول غلط ہے جو کہتے ہیں کہ سنہ ۵۶ و ۶۳ء کے درمیان لکھی گئی مگر مجھے اس مقام پر اس اختلاف سے زیادہ بحث کرنی منظور نہیں ہے میں یہ کہتا ہوں کہ یہ انجیل الہامی کسی طرح نہیں ہو سکتی کیونکہ بالاتفاق اسکا کاتب الہامی شخص نہیں ہے باقی رہا یہ امر کہ اس انجیل کو پطرس نے دیکھ لیا ہے اور پطرس عیسائیوں کے نزدیک رسول خدا ہے اسمیں دو طرح سے کلام ہے اول یہ کہ اس انجیل کو پطرس کا دیکھنا ثابت نہیں کیونکہ سینٹ اری نیوس سا معتبر شخص سنہ ۱۷۸ء میں لکھتا ہے کہ پطرس کے مرید و مترجم مرقس نے بعد پطرس و پولوس کے وہ چیزیں جو پطرس نے وعظ کی تھیں لکھدیں اور باسینج اری نیوس کی موافقت کرکے کہتا ہے کہ ” مرقس کی انجیل سنہ ۶۶ء میں بعد پطرس اور پولوس کے لکھی گئی اور اُنکی شہادت اُسکے نزدیک سنہ ۶۵ء میں واقع ہوئی ہے “ اس قول کے بموجب تو یقیناً مرقس نے بعد انتقال پطرس کے یہ انجیل لکھی ہے مگر پادری ٹھاکرداس صاحب بغیر دلیل کے کہتے ہیں کہ پطرس کی شہادت سنہ ۶۵ء میں نہیں ہوئی بلکہ سنہ ۶۶ء یا سنہ ۶۷ء میں ہوئی (دیکھو اظہار عیسوی جلد ۲ صفحہ ۲۸۳) ظاہر ہے کہ جس طرح سنہ ۶۶ء یا سنہ ۶۷ء میں شہید ہونا ایک قول ہے اسی طرح سنہ ۶۵ء میں شہید ہونا ایک قول ہے کیا ٹھاکرداس صاحب کی محض خاطر سے اُنکی بات تسلیم کریں۔ پادری صاحب اُسکے الہامی ہونیکے ثبوت میں یوسی بیس کے سوا دو قول پیش کرتے ہیں اول دو پے پی اس کہتا ہے کہ مرقس نے جو پطرس کا مترجم تھا جو کچھ اُسے یاد تھا ٹھیک ٹھیک لکھا مگر جس طرح مسیح نے کہا اور کیا ترتیب وار بلحاظ زمانے کے نہیں لکھا کیونکہ اُسنے نہ مسیح سے سُنا اور نہ اُسکی پیروی کی تھی لیکن پطرس کا ساتھی تھا اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ مرقس نے الہام سے انجیل نہیں لکھی بلکہ صرف مورخانہ طور پر بموجب اپنی یاد کے تاریخ مسیح لکھی پھر اُسکے ترتیب وار نہ لکھنے کا یہ عذر کرتا ہے کہ اسنے مسیح کی باتیں خود دیکھکر نہیں لکھیں تاکہ ترتیب سے یاد رکھتا بلکہ پطرس کا ساتھی تھا جس طرح اُس سے سُنا مرتب غیر مرتب ویسا یاد رکھا

اس سے بھی عدم الہام ظاہر ہے اس قول میں اس امر کا اشارہ بھی نہیں ہے کہ مرقس نے پطرس کے سامنے انجیل لکھی۔ تعجب ہے کہ پادری صاحب اس قول سے اپنا مدعا کیونکر ثابت کرتے ہیں۔

دوم "جیروم کہتا ہے کہ پطرس کے شاگرد و مترجم مرقس نے رومی بھائیونکی درخواست پر ایک مختصر انجیل اُس بیان سے جو اُسنے پطرس سے سنا تھا لکھی اور جب پطرس نے جانا تو اُسے پسند کیا اور کلیسیاؤں میں مشتہر کرکے اپنے اختیار سے اُسکے پڑھنے کا حکم دیا،، اس قول سے بھی یہ ظاہر ہے کہ مرقس نے الہام سے نہیں لکھا بلکہ محض سنی سنائی باتیں قلمبند کیں اب رہا پطرس کا پسند کرنا اور مشتہر کرنا اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ وہ الہامی ہوگئی۔ ناظرین انصاف کر سکتے ہیں کہ جب یہ امر تمام عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ نبی کی کل تحریر الہامی نہیں ہوتی اور نہ ہر امر میں انکو الہام ہوتا ہے تو نبی کے صرف دیکھ لینے اور پسند کر لینے سے کیونکر کوئی تحریر الہامی بالیقین ہو سکتی ہے کیا اُسکا پسند کرنا خود اپنی تحریر سے زیادہ مرتبہ رکھتا ہے ہرگز نہیں پھر کسو جہ سے پطرس کا پسند کرنا اُسکے الہامی ہونیکی دلیل ہو سکتا ہے حاصل یہ کہ اول تو پطرس کا دیکھنا انجیل مرقس کو ثابت نہیں اور اگر دیکھا ہو تو اُس سے الہامی ہونیکا ثبوت نہیں ہو سکتا قدیم کلیسیا کا اس انجیل کو مجموعہ عہد جدید میں شامل کرنا اگر مان لیا جائے تو اس سے بھی اسکا الہامی ہونا ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ اُسکے شامل کرنے کی کئی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ جب انھیں یہ گمان غالب ہوا کہ یہ تاریخ مرقس نے لکھی ہے جو اعظم الحواریین پطرس کا شاگرد رشید اور بڑا رفیق تھا تو اُنکے ادب نے یہ تقاضا کیا کہ اسکو اس مجموعہ سے علیحدہ کر دیا جائے پھر بعض کو یہ بھی گمان ہوا کہ پطرس کی نظر سے یہ تاریخ گذری ہوئی ہے بلکہ پسند کی ہوئی ہے تو اور زیادہ ادب کو دخل دینا پڑا اِن خیالات سے یہ مجموعہ میں داخل ہوگئی یہ ضرور نہیں کہ انھوں نے الہامی خیال کرکے اس مجموعہ میں شامل کیا ہو متقدمین کی تحریر سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مرقس کی تحریر الہامی نہیں چنانچہ بعض اقوال ابھی گذرے اور علمائے مسیحیہ اسکا بھی اقرار کرتے ہیں کہ اس مجموعہ میں کل کلام الہامی نہیں ہے پھر اگر مرقس کی تاریخ باوجود الہامی نہونیکے مجموعہ میں داخل کی گئی تو کیا عجب ہوا۔

(۳) انجیل لوقا۔ یہ حضرت مسیح کی وہ تاریخ ہے جسے پولوس کے مرید لوقا نے لکھا تھا یہ انطاکیہ کا رہنے والا

اور طبیب تھا یہ انجیل بھی یونانی زبان میں لکھی گئی۔ رومن تفسیر اسکاٹ کے دیباچہ لوقا میں ہے کہ "خوب معلوم نہیں کہ (یہ انجیل) کہاں اور کس وقت لکھی گئی۔ جس مقام میں لوقا نے اس کتاب کو لکھا یہ ٹھیک معلوم نہیں جیروم ایک بزرگ کہتا ہے کہ اخایا میں جو یونان کا ایک صوبہ ہے اُسکی تصنیف ہوئی اور چونکہ اُسنے یہ بات اپنے اگلوں سے سُنی ہوگی تو اُسے ماننا چاہیئے۔

اُسکے لکھنے کا وقت بھی ٹھیک معلوم نہیں مگر اتنا ثابت ہے (بلا دلیل) کہ پولوس کی وفات سے پیشتر لکھی۔ ہم جانتے ہیں کہ پولوس سنہ ۶۵ء میں مرگیا اور اغلب ہے کہ انجیل اس سے تین چار برس پیشتر لکھی گئی" اس حساب سے اسکی تصنیف سنہ ۶۱ یا ۶۲ء میں ہونا چاہیے ہارن صاحب لکھتے ہیں کہ سنہ ۵۳ یا سنہ ۶۳ء یا سنہ ۶۴ء میں تصنیف ہوئی۔ پادری ٹھاکر داس صاحب اظہار عیسوی کے صفحہ ۷ میں اس اختلاف کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ بعض نے جیروم کے کلام کے سمجھنے میں غلطی کی اسلیئے اُنہوں نے سنہ ۵۳ء زمان تصنیف قرار دیا صحیح یہ ہے کہ اس سن کے بعد لکھی گئی ہے پھر اُسی صفحہ میں لکھتے ہیں۔

"اکثر متقدمین کی رائے ہے کہ لوقا نے اپنی انجیل مرقس کے بعد لکھی پس سنہ ۶۳ یا ۶۴ء صحیح ہے" میں کہتا ہوں کہ جب سنہ ۶۳ یا ۶۴ء میں لوقا کی انجیل کا لکھا جانا صحیح ہے تو مرقس کی انجیل اس سے پہلے ہونا چاہیے حالانکہ صفحہ ۶ میں خود لکھہ آئے ہیں کہ یہ انجیل اس سن کے پیشتر نہیں لکھی گئی۔ علاوہ اسکے معتبر علمائے مسیحیہ لکھتے ہیں کہ سنہ ۶۸ء میں مرقس نے وفات پائی چنانچہ البرٹ بارنس اپنی انگلش تفسیر انجیل اور اسکاٹ اپنی رومن تفسیر کے دیباچہ مرقس میں اسکی تصریح کرتے ہیں اور پولوس کا انتقال سنہ ۶۵ء میں (دیکھو لوقا کا دیباچہ دونوں تفسیروں میں) الغرض پادری صاحب خود اپنے اور دوسرے علما کے قول کی مخالفت کرتے ہیں۔ مگر مجھے یہاں ایسی نکتہ چینی کرنا منظور نہیں ہے میں یہ کہتا ہوں کہ یہ انجیل الہام سے نہیں لکھی گئی کیونکہ لوقا کسی کے نزدیک رسول نہیں تھا۔ اسکاٹ صاحب رومن تفسیر کے دیباچہ میں لکھتے ہیں "جو لوقا نے لکھا وہ اُسنے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا وہ خود کہتا ہے کہ میں نے اوروں سے سُنا (لوقا ا لخ) اس سے ظاہر ہے کہ مسیح کے ستر شاگردوں میں نہ تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ رسول نتھا اَلبرٹ بارنس بھی اپنی تفسیر میں ایسا ہی کہتا ہے۔ اسکے علاوہ خود اس انجیل کا مصنف بھی یہی کہتا ہے

کہ یہ الہامی تحریر نہیں ہے۔ لوقا باب ۱ (۱) ”چونکہ بہتوں نے کمر باندہی کہ اُن کاموںکا جو فی الواقع ہمارے درمیان انجام ہوئے بیان کریں (۲) جس طرح اُنہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کی خدمت کرنے والے تھے ہم سے روایت کی (۳) مینے بھی مناسب جانا کہ سبکو سرے سے صحیح طور پر دریافت کرکے تیرے لیے اے بزرگ تہیوفلس بہ ترتیب لکھوں“ یہ دیباچہ ہے لوقا کی انجیل کا جو خود اُسکے مصنف نے لکھا ہے اسکے دیکھنے کے بعد کوئی منصف اسمیں شک نہیں کرسکتا کہ لوقا نے یہ انجیل الہام سے نہیں لکھی بلکہ جو کچھ لوگوں سے سُنا اور دریافت کرنے سے معلوم ہوا اُسے قلمبند کیا باوجود اس تصریح کے پہر بھی اگر کوئی اُسے الہامی کہے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اہل دانش انصاف پسند اُسے کیا کہینگے +

اسکاٹ صاحب باوجودیکہ پہلے لکھ چکے ہیں کہ لوقا نے جو کچھ لکھا ہے وہ اوروں سے سُنکر لکھا اور یہ بھی صاف کہدیا کہ وہ رسول نتھا مگر پہر بھی اُسکی تحریر کو الہامی ثابت کرنا چاہتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ وہ پس جس حال ہیں کہ وہ رسول نتھا ہم کس طرح جانیں کہ اُسنے الہام سے لکھا اور اُسکی تصنیفیں یعنے یہ انجیل اور اعمال کی کتاب کو کس طرح خدا کا کلام کہیں“ اسکے بعد اُسکے الہامی ہونیکی وجہ بیان کرتے ہیں میں اختصار کے ساتھ اُسے یہاں لکھتا ہوں (۱) اول کلیسیا کا اُسے منظور کرلینا (۲) پطرس اور یوحنا کے جیتے جی اسکا مشہور ہوجانا اگر یہ رسول کچھ خلاف دیکھتے تو فوراً روک دیتے (۳) پولوس نے دیکہکر اُسے صحیح ٹہرایا (۴) الہام کے نشان اُسمیں ہیں کیونکہ اُسکے مضمون خاص اور پاک اور خدا کے لائق ہیں (۵) وہ دوسری انجیلوں کے موافق ہے۔

اول وجہ کی نسبت میں یہ کہتا ہوں کہ اگر کلیسیا کی منظوری اُسکے الہامی ہونے کے بارے میں ہے تو کلیسیا پر بنظر انصاف سخت الزام آئیگا کہ اُس کتاب کا مصنف تو الہام کا مدعی نہیں ہے بلکہ محض مورخانہ طور پر لکھنے کا دعوی کرتا ہے مگر یہ کلیسیا زبردستی الہام کا بار اُسکی گردن پر رکھتی ہے کلیسیا کی ایسی زبردستی کسی عاقل کے نزدیک لائق منظوری کے نہیں ہوسکتی ہے +

میرے نزدیک کلیسیا پر ایسا اتہام اُسکی نادان دوستوں کا کام ہے اصل یہ ہے کہ کلیسیا کی منظوری

اگر یہی تو محفوظ تاریخ مسیح سمجھا گیا ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ کلیسیا کے لیے ضرور تھا کہ مخالف کے مقابل میں ثبوت
اور تعلیمات مسیح کے شاہد پیش کریں اور ثابت کر دیں کہ یہ تعلیمات اور معجزات حضرت مسیح کے ہیں
اور شریعت میں کم از کم دو تین گواہ ثبوت مدعا کے لیے ہونا چاہئیں اس وجہ سے کلیسیا کو ایسے
گواہوں کی ضرورت پڑی جب یہ معلوم ہوا کہ مرقس اور لوقا نے (جو حواریوں کے بڑے رفیق تھے)
حضرت مسیح کے حالات اور ملفوظات خوب تحقیق کے ساتھ عمدہ طور پر لکھے ہیں تو کلیسیا نے کامل
دو گواہ سمجھکر اُنکی تحریر کو منظور کیا جنکو یہ گمان ہوا کہ یہ تحریریں پطرس اور پولوس کی منظور شدہ ہیں
وہ تو انکو دو رسولوں کی گواہی سمجھے اور جنکو یہ گمان نتھا اُنہوں نے بھی یہ خیال کیا کہ یہ گواہ گرچہ اپنا
مشاہدہ بیان نہیں کرتے مگر اُن دیکھنے والوں سے سُنکر کہتے ہیں جو عرصہ تک مسیح کے ہمراہ
رہے ہیں اسلیے اُنکی گواہی قابل اعتبار ہے اس وجہ سے کلیسیا نے منظور کی یہاں الہامی ہونے کو
کچھ دخل نہیں ہے ۔ ایک ہی حال کی چار تحریریں ہونا اور کلیسیا کا چاروں کو منظور کرنا صاف اس
امر کو ثابت کرتا ہے کہ ہر ایک نے مورخانہ طور پر مسیح کے حالات لکھے اور کلیسیا نے چار گواہ اُنہیں خیال
کر کے منظور کر لیا اگر الہامی ہوتی تو ایک تحریر کافی تھی چار کی کیا ضرورت تھی کیا خداے تعالے کو
ایک پر الہام کر کے اطمینان نہوا جو چار پر ایک ہی مضمون الہام کرنا پڑا یہ بالکل غلط خیال ہے جو اسکے
الہامی ہونیکو مانیگا اُسکے لیے ایک تحریر کافی ہے اور جو نمانیگا اُسکے لیے چار سو کی تحریر کافی نہیں
ہو سکتی ۔ رسولوں کے الہام میں کسی طرح کے جھوٹ یا غلطی کا احتمال باقی نہیں رہتا تاکہ دوسرے کے
الہام سے اُسکی تاکید کیجاے اس وجہ سے تمام انبیاء سابقین پر کوئی کتاب مکرر نہیں نازل کی
گئی حاصل یہ کہ کلیسیا کی منظوری اُسکے الہامی ہونیکی دلیل نہیں ہو سکتی +

دوسری دلیل سے بھی پادری صاحب کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اول تو پطرس اور یوحنا کے
جیتے جی اُسکا مشہور ہونا ثابت نہیں اور بالفرض اگر مشہور ہوئی بھی تو بھی اُسکی الہامی ہونے کا
ثبوت نہیں ہو سکتا کیونکہ پطرس اور یوحنا نے یہ خیال کر لیا کہ مسیح کی تاریخ اُس نے سُن سُنا کر
اور دریافت کر کے لکھی پھر اُسکے مشتہر ہونے میں کیا برائی ہے رسول کے لیے تو یہ ضرور نہیں ہے کہ

الہامی کتاب کے سوا کسیکو مشتہر ہونے نہ دے +

تیسریؔ دلیل یعنی پولوس کا صحیح ٹہرانا محض ناکافی ہی اوّل تو اسکا ثبوت غیر ممکن ہی اور اگر مان لیا جاے کہ پولوس نے اُسے دیکھا اور صحیح ٹہرایا تو پادری صفدر علی صاحب کو پولوس کی رسالت قرآن مجید سے ثابت کرنا چاہیے اور اگر اس سے بھی قطع نظر کیجائے تو اسپر کیا دلیل ہی کہ رسول جسے صحیح ٹہرادے وہ الہامی ہو جائے جب خود رسول کی سب تحریریں الہامی نہیں ہوتیں تو اُسکے دیکھنے اور صحیح کہدینے سے کیونکر الہامی ہو جائینگی +

چوتھی دلیل کی بنیاد محض حسن اعتقاد ہی جو شخص جس کتاب کو کلام آلٰہی مان لیتا ہے اُسکے مضامین کو وہ ایساہی اعتقاد کرتا ہی جیساکہ پادری صاحب لوقا کے مضامین کو اعتقاد کر رہے ہیں -

علاوہ اِسکے مضامین آپ کے قول کے بموجب رسولوں کی زبان سے سُنے ہوئے ہیں اور لامحالہ وہ مضامین ایسے ہی ہونگے جو خدا کے لائق ہونگے پہر اُسمیں الہام کی کیا ضرورت ہے +

پانچیں دلیل تو قابل تماشا ہے کیونکہ اُسکے معنی یہ ہونگے کہ جب ایک تاریخ دوسری دو تین تاریخوں سے موافق ہو جائے تو الہامی قرار پائے اس تقدیر پر دنیا کی بہت سی تاریخین الہامی ہو جائینگی اِسکے سوا لطف یہ ہی کہ لوقا کے الہامی ہونیکا ثبوت تو اس طرح دیا جاتا ہے کہ متی وغیرہ کے موافق ہی اور متی کا الہامی ہونا لوقا وغیرہ کی موافقت سے ثابت کرتے ہیں حاصل یہ ہوا کہ لوقا کا الہامی ہونا متی کی موافقت پر موقوف اور متی کا الہامی ہونا لوقا کی موافقت پر موقوف پہر کس عاقل کے نزدیک ایسی دلیل سے دعوی ثابت ہو سکتا ہے اسکو تو عُقلا کی اصطلاح میں دَوُر کہا کرتے ہین + اور اسے محال بتاتے ہیں

(۴) انجیل یُوحنّا - اس انجیل کے مصنف یوحنا حضرت مسیح کے حواری اور رشتہ دار ہیں بعض عیسائی کہتے ہیں کہ بھانجے تھے (دیکھو رومن تفسیر اسکاٹ دیباچہ یوحنا) پہلے مچھلی بیچا کرتے تھے اُنھوں نے حضرت مسیح کے سوانح عمری اور ملفوظات یونانی زبان میں لکھے بعض معتبر مسیحی عالموں نے اس انجیل سے بالکل انکار کیا ہی چنانچہ اسٹاڈلن اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ انجیل یوحنا کی یقیناً کسی طالب علم مدرسۂ اسکندریہ نے لکھی ہی ہارن صاحب گرچہ اس قول کو لکھکر اس امر کو بیان کرتے ہیں کہ یہ انجیل

یوحنا حواری نے لکھی ہے مگر مجھے یہان طرفین کے دلائل کو تولنا مدنظر نہیں ہی اسکا دوسرا موقع ہے
بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ دوسری صدی میں جسوقت یہ کہا گیا کہ یہ انجیل یوحنا کی تصنیف نہیں ہی اُس
وقت ارینیوس پولیکارپ کا شاگرد موجود تھا اور پولیکارپ یوحنا کا شاگرد ہے اسنے منکرین کے مقابلے
مین بیان نکیا کہ پولیکارپ نے مجھسے خود کہا ہی کہ یہ انجیل یوحنا کی ہی ایسے مقام پر ارینیوس کا چپ رہنا صاف
اس بات کی دلیل ہی کہ پولیکارپ نے یہ خبر اُسے نہیں دی اگر یہ انجیل یوحنا حواری کی ہوتی تو پولیکارپ کو
ضرور علم ہوتا اور پھر وہ اپنے شاگرد ارینیوس سے ضرور کہتا کیونکہ یہ وہ خبر تھی جسپر دین کا مدار تھا پھر کیسے
خیال مین آسکتا ہی کہ پولیکارپ اپنے شاگرد سے بیان نکرتا پھر جس طرح پولیکارپ کا اپنے شاگرد سے بیان کرنا
ضرور تھا اسی طرح یہ بھی ضرور تھا کہ اپنے وقت کے منکروں کے مُنہ بند کرنیکو ارینیوس اس روایت
کو بیان کرتا مگر نہیں کیا جو عیسائی اِسے یوحنا کی تصنیف بتاتے ہیں وہ یقینی طور سے اسکی تالیف کا
وقت نہیں بیان کرسکتے ہارن صاحب لکھتے ہیں کہ ۶۸ء یا ۶۹ء یا ۷۰ء یا ۹۷ء یا ۹۸ء مین تالیف
ہوئی پادری ٹھاکرداس صاحب اُنکے قولوں کو معتبر نہیں قرار دیتے جو ۹۸ء یا ۹۹ء مین اسکی تالیف بتاتے ہیں
بلکہ اظہار عیسوی کے صفحہ ۸۰ مین لکھتے ہیں "پس ظاہر ہی کہ انجیل یوحنا یروشلم کی بربادی کے بعد
۹۸ء یا ۹۹ء مین لکھی گئی" اور اسکاٹ صاحب دیباچہ یوحنا مین لکھتے ہیں کہ وہ اکثروں کی راے یہ ہے کہ
پٹمس سے لوٹ آنیکے بعد افاسوس مین یوحنا کی وفات سے تھوڑے دن پیشتر قریب ۹۸ء کی وہ
(یعنی صحیفہ یوحنا) تصنیف ہوا (رومن تفسیر اسکاٹ صفحہ ۱۸۴) اب مین کہتا ہون کہ اگر یہ انجیل یوحنا نے
لکھی ہے تو بھی کل انجیل اُسکی نہیں ہوسکتی ضرور دوسرے شخص کا کلام اسمین ملا ہی مثلاً اس انجیل
کے آخری باب کا ۲۴ ورس یہ ہی کہ "یہ وہ شاگرد ہی جسنے ان کامونکی گواہی دی اور اِن باتونکو لکھا
اور ہمکو یقین ہی کہ اُسکی گواہی سچ ہی" شاگرد سے مُراد یوحنا ہی اب کون منصف کہہ سکتا ہی کہ یہ قول
یوحنا کا ہے۔ اس قول کا متکلم اپنے کو متکلم کے صیغہ سے اور یوحنا شاگرد کو غائب کے صیغہ سے تعبیر
کرتا ہی اور کہتا ہی کہ ہمکو یقین ہی کہ اُسکی (یعنے یوحنا کی) گواہی سچ ہے۔ افسوس ہی کہ ایسے صاف اور
صریح بات کا بھی بعض علماے مسیحیہ انکار کرتے ہیں اور اس ورس کو یوحنا حواری کا لکھا ہوا بتاتے ہین

مگر اس بیجا پاسداری کی نسبت ہم کچھ نہیں کہتے ناظرین انصاف پسند خود ہی ورس مذکور کو دیکھ کر حق امر کو دریافت کر سکتے ہیں +

الغرض یہ چار کتابیں ہیں یعنی انجیل متی اور انجیل یوحنا اور انجیل مرقس اور انجیل لوقا عیسائیوں کے محاورے میں ان میں سے ہر ایک کو بھی انجیل کہتے ہیں اور چاروں کے مجموعہ کو بھی انکا طرز تالیف بعینہ ایسا ہی جیسے ہمارے یہاں مریدین یا معتقدین اپنے مرشدوں اور بزرگوں کے حالات اور ملفوظات لکھا کرتے ہیں جس طرح یہ مصنفین بعضے دیکھکر بعضے سُنکر بزرگوں کے سوانح عمری اور تعلیمات اور ارشادات اور انکی کرامات اور خوبیوں کا ذکر کرتے ہیں اسی طرح ان چار صاحبوں نے حضرت مسیح کے سوانح عمری اور تعلیمات اور معجزات کا ذکر اپنی اپنی کتابوں میں کیا ہے +

(۵) اَعمال اسمیں پہلے باب سے ۱۲ باب تک پطرس حواری کا ذکر ہے اور تیرہویں باب سے آخر تک پولوس کے حالات ہیں اسکا مصنف بھی وہی پولوس کا رفیق لوقا ہے معلوم ہوتا ہے کہ جس تھیوفلس کے لیے اس شخص نے حضرت مسیح کے حالات لکھے تھے اسی طرح اُسکے لیے اُسنے بعض حواریوں کے حالات بھی لکھے مگر بجز اسکے کہ اُسے ایک تاریخ کہا جائے اور کچھ نہیں کہہ سکتے جب اُسکی انجیل ہی الہامی نہیں ہو سکتی تو یہ رسالہ کیونکر الہامی ہو سکتا ہے اسکے بعد پولوس کے خطوط ہیں جو جا بجا اُسنے لکھے ہیں وہ یہ ہیں

نمبر	نام مکتوب الیہ	کیفیت
۶	رومیون	بقول علماے مسیحی سنہ ۵۸ء یا سنہ ۵۸ء یا سنہ ۶۰ء میں لکھا گیا
۷	۱ قرنتیون	سنہ ۵۲ء یا سنہ ۵۶ء یا سنہ ۵۸ء میں لکھا گیا +
۸	۲ قرنتیون	بقول علمای مسیحی سنہ ۵۲ء یا سنہ ۵۶ء یا سنہ ۵۸ء یا سنہ ۵۸ء میں لکھا گیا +
۹	گلیتون	یہ خط سنہ ۴۹ء یا سنہ ۵۰ء یا سنہ ۵۲ یا سنہ ۵۳ء یا سنہ ۵۶ء یا سنہ ۵۸ء یا سنہ ۵۹ء میں لکھا گیا
۱۰	افسیون	یہ سنہ ۵۸ء یا سنہ ۵۹ء یا سنہ ۶۰ء یا سنہ ۶۱ء یا سنہ ۶۲ء میں لکھا گیا +
۱۱	فلپیون	ایضًا
۱۲	قلسیون	ایضًا

نمبر	نام مکتوب الیہ	کیفیت
۱۳	تسلنقیون ۱	یہ خط سنہ ۴۶ء یا سنہ ۵۰ یا سنہ ۵۱ یا سنہ ۵۲ء میں لکھا گیا۔
۱۴	ایضاً ۲	یہ خط سنہ ۴۷ء یا دیگر سنین مذکورہ میں لکھا گیا۔
۱۵	تمطاؤس ۱	یہ سنہ ۵۲ء یا سنہ ۵۵ء یا سنہ ۵۶ یا سنہ ۵۸ء یا سنہ ۶۴ء یا سنہ ۶۵ء میں لکھا گیا
۱۶	ایضاً ۲	یہ بھی سنہ ۵۵ء یا سنہ ۵۶ء یا سنہ ۵۸ء یا سنہ ۶۱ء یا سنہ ۶۶ء یا سنہ ۶۷ء میں لکھا گیا
۱۷	طیطس	یہ سنہ ۵۱ء یا سنہ ۵۲ء یا سنہ ۵۳ء یا سنہ ۵۸ء یا سنہ ۶۲ء یا سنہ ۶۴ء میں لکھا گیا۔
۱۸	فلیمون	یہ سنہ ۵۸ء یا سنہ ۵۶ء یا سنہ ۶۱ء یا سنہ ۶۲ء میں لکھا گیا جیروم کے وقت میں بعض عالم مسیحی کہتے تھے کہ یہ ایک خانگی چھٹی ہی عہد جدید سے نکال دینے کے لائق ہی۔
۱۹	عبرانیوں	دوسری اور تیسری صدی کے معتبر علمائے مسیحی نے اس نامہ سے انکار کیا ہی اور یہی حال اسکے بعد کے رسائل کا ہی سوائے نامہ اول پطرس ورنامہ اول یوحنا کے

یہ ۱۴ خط تو پولوس کیطرف منسوب ہیں اور چند خطوط اور مشاہدات ہیں جو حواریوں کیطرف منسوب ہیں ؛

نمبر	نام کاتب	کیفیت
۲۰	یعقوب کا خط	لوتھر صاحب اسے گھاس پھوس بتاتے ہیں اور سنہ ۳۶۴ء تک غیر مقبول رہا اور جب سنہ مذکورہ میں کونسل لوڈیسیا جمی جب یہ نامہ واجب التسلیم ٹھہرا۔
۲۱	پہلا خط پطرس کا	
۲۲	دوسرا خط پطرس کا	سریا کا کلیسیہ ابتک اس خط کو نہیں مانتا اور اسکالجر کہتا ہی کہ جسنے اس خط کو لکھا ہی اسنے ناحق اپنے وقت فرصت کو ضائع کیا ہی۔ یوسے بیس اپنی تاریخ کلیسیہ کے ۳ کتاب کے ۳ باب میں لکھتا ہی کہ یہ خط کبھی پاک کتاب میں شامل نہیں کیا گیا لیکن پڑھا جاتا تھا
۲۳	یوحنا کا خط اول	جمہور محققین نے باب ۵ کے بعض ورسوں کو غلط بتایا ہے ؛

[1] روز صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۰ میں لکھتا ہی کہ شلی منجر نے اول نامہ تمطاؤس پر اور اکھارن نے دونوں ناموں تمطاؤس اور نامہ طیطس پر حملہ کیا ہے (یعنے واجب التسلیم نہیں :

نمبر	نام کاتب	کیفیت
۲۴	یوحنا کا خط دوم	سریا کا کلیسیہ اب تک ان دونوں خطوں کو نہیں مانتا اور یوسی بیس تاریخ کلیسیہ کے تیسری کتاب کے پچیسوین باب مین لکھتا ہے کہ اِن دونوں خطوں کی نسبت گفتگو ہے کہ آیا یہ خط یوحنا نے لکھے ہیں یا کسی اور شخص نے جسکا نام یوحنا تھا۔
۲۵	ایضًا سوم	
۲۶	یہوداکا خط	اسمیں گفتگو ہی کہ اسکا کاتب خود یہودا حواری ہے یا اور کوئی شخص جسکا یہ نام تھا دیکھو تاریخ یوسی بیس کی کتاب ۳ باب ۲۵۔
۲۷	مشاہدات یوحنا	سرل اور تمام کلیسیا یروشلم اُسکے وقت میں اسکو واجب التسلیم نہیں جانتے تھے اور ڈویونیسیس کہتا ہی کہ بعض نے ہمسے بیشتر مشاہدات کو علیحدہ کردیا اور اُسکے رد میں کوشش کی ہی اور کہا ہی کہ یہ سب بے معنی اور بے عقلی اور بڑا بھاری جہالت کا حجاب ہے اور یوحنا کی طرف اُسکی نسبت جھوٹ ہے اُسکا مصنف نہ کوئی حواری ہے نہ پاک آدمی الخ۔

یہ ۲۷ رسالے ہیں جو بالفعل عیسائیوں کے نزدیک الہامی ہیں اور اس مجموعہ کو عہد جدید کہتے ہیں انمیں سے چار انجیلوں اور اعمال کا حال تو بیان کیا گیا خطوط باقی رہے مگر غور کا مقام ہی کہ جب انجیلوں کا الہامی ہونا ثابت نہیں ہوتا تو پھر خطوں کا کیا ذکر خطوں میں اگرچہ بعض باتیں نصیحتانہ بھی ہیں مگر اُنکی تحریر خود اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ یہ خانگی خطوط ہیں جن میں کچھ نصیحت کی باتیں بھی لکھی ہیں ناظرین ملاحظہ کریں کہ پولوس تمطاوس کو لکھتے ہیں دو آگے تو صرف پانی نہ پیا کر بلکہ اپنے ہاضمہ اور اکثر کمزوریوں کے واسطے تھوڑی مے پی،، (طمطاوس اول ۵ ۲۳) اب کوئی کہہ سکتا ہی کہ یہ الہامی بات ہی کیا خدا کو تمطاوس کے شراب پینے کے لیے الہام کرنا ضرور تھا اور نامہ ۲ طمطاوس باب ۴ ورس ۱۱ سے ۱۳ تک یہ ہے ،، لوقا اکیلا میرے ساتھ ہی تو مرقس کو اپنے ساتھ لا کیونکہ وہ اس خدمت میں میرے اس کام کا ہی میں نے تخکس کو افسس میں بھیجا اور وہ لبادہ جسے میں نے

اترو آس میں قرپس کے یہاں چھوڑا اور کتابیں خاص کر رق کے طومار تو لیتا آئیو"۔ اب ناظرین دیکھیں کہ یہ خانگی خطوط نہیں تو کیا ہیں کیا ایسے مضامین کو کوئی الہامی کہہ سکتا ہے ہرگز نہیں پھر کیا ان مضامین کی تصدیق قرآن سے چاہتے ہیں کیا قرآن نے کسی مقام پر پولوس کی تحریر کی تصدیق کی ہی حاشا و کلا ہرگز نہیں قرآن مجید صرف تعلیم مسیح کو انجیل کہتا ہی چنانچہ اوپر ذکر کیا گیا پھر کیا وجہ ہی کہ یہ تمام مجموعہ لیکر قرآن سے مقابلہ کرنے بیٹھے ہیں۔ جب اُنہوں نے اعتراض کی بنیاد قرآن مجید کی تصدیق پر رکھی ہی تو اُنہیں ضرور ہی کہ اُسی کتاب سے مقابلہ کریں جسکی تصدیق قرآن مجید نے کی ہی ان خانگی خطوںکو بحث سے خارج کریں باینہمہ ان خطوں میں جسقدر عمدہ مواعظ و پند ہیں اُنسے قرآن مجید کو ہرگز مخالفت نہیں ہی البتہ ان باتوں میں مخالفت ہی کہ قرآن مجید توریت کو نور و ہدایت کہتا ہی اور پولوس اُسے کمزور و بیفائدہ اور عیب دار اور ظلمت بتاتا ہی (دیکھو نامہ عبرانیوں ۷ و ۸) قرآن مجید ستھری اور پاک چیزوںکو حلال فرماتا ہی اور پولوس مقدس ہر پاک ناپاک کی حلت کا فتوی دیتا ہی (طیطس ۱ پولوس شراب نوشی کا حکم دیتا ہی (اول تمطاوس ۵) قرآن مجید اس مضر شئے کو منع کرتا ہی۔ غرضکہ اگر اختلاف ہی تو اس قبیل کا ہی اب ناظرین خود انصاف کر سکتے ہیں کہ کونسے حکم خدائی قدوس کیطرف سے ہو سکتے ہیں۔

اس بیان کے بعد یہ سوال ہوگا کہ جس کتاب کو اسوقت انجیل کہا جاتا ہی وہ تو حواریوں وغیرہ کی تاریخ اور کچھ خطوط ہیں قرآن مجید اُنکو انجیل نہیں کہتا پھر وہ انجیل کہاں ہی جسکی تصدیق قرآن مجید کرتا ہی اسکا جواب یہ ہی کہ قرآن مجید حضرت مسیح کی تعلیمات کو انجیل کہتا ہی پس اس مجموعہ عہد جدید میں جو تعلیمات اور نصیحتیں حضرت مسیح کی ہیں وہ انجیل ہے[۱] قرآن مجید اُسکی تصدیق کرتا ہے ماسوا اسکے جسقدر تواریخی امور حواریوں نے بچشم دید یا سُنکر لکھے ہیں یا جو باتیں اپنی رائے اور اجتہاد سے بیان کی ہیں اُسے قرآن مجید ہرگز انجیل نہیں کہتا۔ اس وقت اگرچہ ہمیں اس سے بحث نہیں ہی کہ یہ بات عیسائیوں کے اعتقاد کے موافق ہی یا مخالف یہاں تو صرف اس امر کو بیان کیا جاتا ہی کہ قرآن مجید کسکی تصدیق کرتا ہی مگر ہم نہایت مسرت سے بیان کرتے ہیں کہ علمائے محققین مسیحیہ کا قول بھی اسکے قریب ہے، حواری کی اجتہاد رائے کی نسبت مارٹین لوتھر صاحب مقتدائے فرقہ پراٹسٹنٹ اپنی کتاب کی دوسری جلد

[۱] البتہ وہ اختلاف اور شکوک جو تیسری باب کی تحقیق میں بیان ہوئے ہیں وہ ان تعلیمات میں بھی باقی ہیں اسلیے ہم اُسپر بھی پورا یقین

میں جہان ذکر ہی کہ بیمار پر مجلس کے قسیس تیل ڈالیں وہاں لکھتے ہیں کہ "گو یہ نامہ یعقوب کا ہو لیکن جو اُنکو نہیں پہونچتا کہ اپنی طرف سے حکم شرعی بنا دیں یہ منصب صرف حضرت مسیح کو تھا۔ یہ قول بالکل ہمارے مطابق ہی ہارن صاحب جلد اول صفحہ ۴۴۲ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ " جب ہم کہیں کہ کتب مقدسہ خدا کا کلام ہیں ہماری یہ مُراد نہیں ہی کہ وہ سب خدا نے بولا ہی یا لکھوایا ہی یا ہر چیز جو اُسمیں ہی کلام خدا ہی بلکہ انصاف اور رحم اور زندگی کے پاکی کے احکام کے بیان اور اُن تاریخی حصوں میں جنمیں ایسی زندگی کا جو اُن اصول و احکام کے برخلاف ہی نتیجہ دکھایا گیا ہے تفریق کرنا چاہیے پہلا تو پاک خدا کا کلام ہی اور دوسرا یعنی تاریخی حصہ اُن میں بعض کلام نیک آدمیوں اور بعض شریر کا اور بعض کلام شیطان کا ہی اور اس سببسے اسکو کلام خدا نہیں کہہ سکتے"، پہر اُسی جلد کے پہلے ضمیمہ میں لکھتے ہیں کہ " جب یہ کہا جاے کہ کتب مقدسہ خدا کیطرف سے وحی کی گئی ہیں تو ہم یہ نہ سمجھیں کہ خدا نے ہر لفظ یا ساری عبارت بتلائی ہی۔ اور نہ یہ خیال کیا جاے کہ ہر ایک معاملہ میں جو وہ بیان کرتے تھے یا ہر ایک حکم میں جو وہ دیتے تھے اُنکو الہام ہوتا تھا" مختصراً۔ پہر لکھتے ہیں کہ "عہد عتیق کے تاریخی کتابوں کے مصنفوں کو کبھی کبھی الہام ہونا متحقق ہی"، پہر لکھتے ہیں کہ " اُنمیں سے بعض کتابیں پیچھے سے اُن پاک ملفوظات سے جنکے مصنف پیغمبر یا سیر لوگ تھے اور اُن دفتر کے کاغذات یا اور سچے ملفوظوں سے جمع کی گئیں جو غیر الہامی لوگوں کی تصنیف تھے"۔

ہارن صاحب کے بیان سے بخوبی واضح ہو گیا کہ بیبل میں کل کلام الہامی نہیں ہی خصوصاً تاریخی حصہ پس یہی ہمارا مدعا ہی۔ اور سائیکلوپیڈیا برٹینکا کی جلد ۱۱ الہام کے بیان میں لکھا ہی کہ " اس بات پر گفتگو ہی کہ آیا کتب مقدسہ کی ہر بات اور ہر معاملہ الہامی ہی یا نہیں جیروم اور گروٹیس اور اراسمس اور پر وگوپیس اور بہت سے اور لوگ کہتے ہیں کہ کتب مقدسہ کی سب باتیں الہامی نہیں ہیں پہر اُسی کی ۱۹ جلد کے صفحہ میں ہی کہ " جو لوگ اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ کتب مقدسہ کا ہر معاملہ اور تمام گذارشات الہامی ہیں وہ اپنے دعوی کو باسانی ثابت نہیں کر سکینگے (پہر لکھا ہی کہ) اگر از راہ تحقیق ہمسے استفسار کیا جاے کہ تم عہد جدید کے کونسے اجزا کو الہامی مانتے ہو تو ہم جواب دینگے کہ مسائل

اور احکام اور پیشین گوئیاں ایسی چیزیں جو دین عیسوی کے اصل اصول ہیں اُنسے الہام کا خیال علیحدہ نہیں ہو سکتا گذارشات کے لیے حواریوں کی یادداشت کافی تھی'' اور ریس کی سائیکلوپیڈیا کی ۱۹ جلد میں لکھا ہی کہ لوگوں نے کتب مقدسہ کے تمام ہا الہامی ہونیکی نسبت گفتگو کی ہی اور وے کہتے ہیں کہ اُن لوگوں یعنی مولفین کے افعال اور ملفوظات میں غلطیاں اور اختلاف ہی متی کے باب ۱۰ ورس ۱۹ و ۲۰ اور مرقس کے ۱۳ باب ورس ۱۱ اعمال کے باب ۲۳ ورس ایک سے ۹ تک مقابلہ کرکے دیکھو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حواری لوگ ایک دوسرے کو صاحب وحی نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ یروشلم کی کونسل کے آپس کی بحث اور پولوس کے پیٹر کو الزام دینے سے ظاہر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہی کہ قدمائے مسیحین اُن لوگوں کو خطا سے خالی نہیں سمجھتے تھے کیونکہ بعض اوقات اُنکے افعال پر روک ٹوک کی گئی ہے (دیکھو اعمال باب ۱۱ ورس ۲ و ۳ اور باب ۲۱ ورس ۲۰ سے ۲۴ تک) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ پولوس مقدس جو اور حواریوں سے اپنے تئیں کمتر نہیں سمجھتا (دیکھو ۲ کرنتھون کا باب ۱۱ ورس ۵ اور باب ۱۲ ورس ۱۱) خود اپنے حال میں ایسا بیان کرتا ہی جس سے صاف ظاہر ہوتا ہی کہ وہ اپنے تئیں ہمیشہ اور ہر وقت الہامی نہیں سمجھتا تھا اول کرنتھون کا باب ۷ ورس ۱۰ و ۱۲ اور ۲۵ و ۴۰ اور دوم کرنتھون کا باب ۱۱ ورس ۱۷) اور ہم نہیں پاتے ہیں کہ حواری لوگ ایسی طور پر گفتگو شروع کرتے ہیں جیسے پیغمبر لوگ شروع کرتے تھے کہ گویا وے خدا کیطرف سے بولتے ہیں پھر لکھا ہی۔ کہ میکائیلس نے اُس ہوشیاری اور خیال سے جو ایسے بڑے مطلب کیلئے ضرور تھا طرفین کے دلائل کو تول کر اس اعتراض کا یوں فیصلہ کرنا مناسب جانا کہ ناموں کیلئے تو الہام البتہ مفید ہی لیکن تاریخی کتابوں کے واسطے مثلاً انجیلیں اور اعمال اگر الہام سے بالکل قطع نظر کیجاے تو کچھ نقصان نہیں بلکہ کچھ فائدہ ہی ہوگا اگر تاریخی معاملوں میں حواریوں کی گواہی صرف اور انسانوں کی سی گواہی مانی جاے (جیسا حضرت عیسے نے بھی ورس ۲۷ باب ۱۵ یوحنا میں خود کہا ہی تم بھی میرے گواہ ہو گے اسلیے کہ تم میرے ساتھ شروع سے تھے) تو بھی کچھ نقصان نہیں اور کوئی شخص منکر کے مقابلہ میں دین عیسوی کی صداقت کی بابت کسی مسئلہ کو اولاً فرض و تسلیم کرکے گفتگو نہیں کریگا بلکہ مسیح کی موت اور

جی اُٹھنے اور معجزات کی صداقت کی دلیلوں کی بنا انجیل نویسوں کے اعتبار پر رکھیگا یہ سمجھکر کہ گویا وے مورخ ہیں اور وہ لوگ جو اپنے ایمان کی بنا کو جانچیں انکو لازم ہے کہ انجیل نویسوں کی گواہی انسانوں کی سی سمجھیں کیونکہ انجیل کی گذارشات کو الہامی قرار دیکر سچا ٹھہرانے میں دور لازم آتا ہے اسلیے کہ انجیلیں بلحاظ مضامین الہامی ٹہرائی گئی ہیں۔ پس حالات مذکورہ بالا میں بجز اسکے اور کچھ چارہ نہیں کہ انجیل نویسوں کی گواہی اور آدمیوں کی سی گواہی سمجھی جاے اور تمام تاریخی معاملوں میں حواریوں کو ایسا سمجھنے سے دین عیسوی میں کچھ نقصان لازم نہ آئے گا اور ہم کہیں صراحتاً لکھا نہیں پاتے کہ عام معاملے جنھیں حواریوں نے اپنے تجربے سے اور لوقا نے اپنی تحقیقات سے دریافت کیا الہامی ہوں بلکہ اگر ہمکو اس خیال کرنے کی اجازت حاصل ہوئے کہ بعض انجیل نویسوں نے کچھ کچھ غلطی کی اور پیچھے سے یوحنا نے اُسکو درست کیا تو انجیل کی تطبیق کے لیے بڑا فائدہ حاصل ہوگا مسٹر گڈل صاحب کی راے اپنے رسالہ الہام کی دوسری فصل میں میکائلس کی راے کیساتھ متفق ہے عہد جدید کی اُن کتابوں کے الہامی ہونیکی نسبت جنکو حواریوں کے شاگردوں نے لکھا یعنی انجیل مرقس اور لوقا اور اعمال حواریں میکائلس تامل کرتا ہے،، مختصراً یہ منصفانہ اور محققانہ تحریر ابراہام ریس کی قابل غور ہے یہ محقق ہمارے دعوی کو بالکل ثابت کرتا ہے ڈاکٹر بنسن کا بھی یہی قول ہے اسیواسطے یہی ریس سائیکلوپیڈیا کی ۱۹ جلد میں ڈاکٹر مذکور کے حال میں اسکی راے کو بینظیر اور لاثانی بتاتا ہے ؞

رابرٹ چمبرس بھی سائیکلوپیڈیا کی جلد ۵ میں لفظ الہام کے بیان میں اسیطرح کہتا ہے محصل اُسکا یہ ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ بیبل میں ہر لفظ الہامی ہے اور بعض صرف اُسکے مسائل مذہبی کو اس طور پر سمجھتے ہیں اور دیگر حالات کو مثل تواریخ اور علوم کے اُنکو الہامی نہیں سمجھتے اسکے بعد چمبرس لکھتا ہے کہ میں اس کتاب میں محض اقوال نقل کرتا ہوں کسی قول کو ترجیح دینا اور فیصلہ کرنا منظور نہیں ہے باینہمہ اُسنے کچھ اختلافات اور اغلاط بیبل کے بیان کرکے اس امر کو صحیح ٹھہرایا ہے کہ بیبل کل الہامی نہیں ہے یہ امر بھی غور کے لائق ہے کہ محققین مسیحیہ نے جب قدیم نسخوں کی تصحیح کی تو بہت سی آیتوں کو داخل و

خارج کیا مثلاً گریسباخ نے جو اپنے نسخہ سے آیات خارج کردی ہیں اُنہیں تفسیر اسکاٹ انگلش مطبوعہ اکسفورڈ جلد ۳ صفحہ ۵۲ اخاتمہ تفسیر متی میں ناظرین ملاحظہ کریں کہ کتنی لمبی فہرست آیات خارج شدہ کی لکھی ہے۔ حاصل یہ کہ یہانتک جس قدر کتب عہد عتیق اور عہد جدید کا ذکر کیا گیا اس سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ کتابیں خود شہادت دیتی ہیں کہ اُنمیں خالص الہامی کلام نہیں بلکہ غیر الہامی کلام بہت کچھ انمیں ملا ہے اور جب اُن محققین کے کلام کو دیکھا جو ان کتابوں کے حامی اور مددگار اور معتقد ہیں اُس سے بھی اس دعوی کے ثبوت میں کچھ شک نرہا محققین اہل کتاب نے خوب روشن کردیا کہ یہ تمام مجموعہ ہرگز الہامی نہیں ہے ہاں الہامی کلام اسمیں مخلوط ہے پس جسقدر کلام الہامی اِن کتابوں میں مخلوط ہے اسی کی تصدیق وہ علام الغیوب قرآن مجید میں کرتا ہے کیونکہ وہ کلام اُنکے پاس ہے گرچہ دوسرے کلام کے ساتھ ملا ہے مگر یہ خلط وملط ہماری نظر میں ہے وہ علام الغیوب خوب جانتا ہے کہ یہ کلام الہامی ہے اور یہ انسانی۔ پس قرآن مجید کی تصدیق صحیح ہے مگر اس تصدیق کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اِن کتابوں میں تمام کلام الہامی ہے لہذا اس مجموعہ سے مخالفت ثابت کرنا بیکار ہے جو مضمون بیبل سے آپ مخالف قرآن نکالینگے ہم اُسے غیر الہامی کہدینگے۔

واضح ہو کہ پادری صاحب نے صفحہ ۱۰۵ میں توریت کے الحاقی فقروں کی نسبت یہ جواب دیا ہے کہ ”جو توریت زمانہ محمدی میں جاری تھی وہ یہی ہے جسکی تصدیق قرآن کرتا ہے پس اگر مسلمانونکو ان عبارتوں کی نسبت کچھ شبہہ ہے تو اُن قدیمی نسخوں کو ملاحظہ کریں جو قبل محمد صاحب کے دو سے تین سو برس پہلے کے لکھے ہیں اور اب تک موجود ہیں“ اب شاید پادری صاحب یا اور کوئی اسی طرح کا جواب تمام مجموعہ بیبل کی نسبت دے اور کہے کہ یہ تمام صحیفے وہی ہیں جو زمانہ محمدی میں جاری تھے جسکی تصدیق قرآن کرتا ہے اسلیے میں ناظرین کو متنبہ کرتا ہوں کہ یہ جواب ہرگز قابل توجہ نہیں ہے کئی وجہ سے اوّل یہ کہ قرآن مجید کی تصدیق کے لحاظ سے بیبل کے تین حصے کرنا ضرور ہیں ایک توریت یعنی حضرت موسی کی کتاب دوسری انجیل یعنی مجموعہ عہد جدید تیسرے اور صحیفے تیسرے حصہ کی نسبت بجز زبور داؤد کے اور کسی صحیفہ کا پتہ قرآن مجید سے نہیں لگتا کہ وہ کونسے ہیں جیساکہ ذکر کیا گیا پھر ان خاص صحیفونکی تصدیق

قرآن مجید سے ثابت کرنا کسی محقق کا کام نہیں دوسرے حصہ کی نسبت ہم انجیل کے بیان میں لکھ چکے ہیں کہ جس انجیل کی تصدیق قرآن میں ہے وہ صرف الہامات مسیح ہیں نہ یہ تمام مجموعہ عہد جدید جو حواریوں کی یادداشتیں ہیں اسکی تصدیق کا دعوی کرنا محض دہوکا ہے اب رہی موسی کی کتاب اُسکی کچھ علامتیں قرآن مجید میں مذکور ہوئی ہیں مگر اُن علامتوں سے اسکی تعیین ہرگز نہیں ہوتی کہ یہ پانچ کتابیں موسے کی جو بالفعل رائج ہیں یہی مراد ہیں چنانچہ توریت کے بیان میں اسکا ثبوت گذرا اب اگر یہ کہیے کہ قرآن مجید میں یہ دعوی نہیں کیا گیا کہ اِن کتابوں میں خلط ملط ہے اگر یہ امر واقعی تھا تو جس طرح اِن کتابوں کی تعریف کی تھی اسی طرح اُنکا مخلوط ہونا بھی بیان کرتا تاکہ خلقت اُس سے پرہیز کرتی یہ شبہہ بھی محض ناواقفی کیوجہ سے ہے کیونکہ اول تو یہ ضرور نہیں کہ جو امر واقعی ہو اُسے بیان ہی کردیا جاے دیکھیے حضرت مسیح اور حواریوں نے سامریوں کو کہیں تحریف کا الزام نہیں دیا حالانکہ جمہور مسیحیہ کے نزدیک ثابت ہے کہ اُنہوں نے عیبال کی جگہ گذرم بنالیا اور احکام عشرہ میں اپنی طرف سے ایک حکم داخل کردیا پھر اگر اسکا قول صحیح ہو تو سامری کہہ سکتے ہیں کہ ہماری کتاب صحیح ہے کیونکہ مسیح نے اُنکی کتاب کو غلط نہیں بتایا اور لطف یہ ہے کہ حضرت مسیح کا سکوت ایسے محل پر ہے جہاں بیان کرنا ضرور تھا کیونکہ سامریہ عورت نے آکر دریافت کیا کہ ہمارے باپ دادوں نے اس پہاڑ پر سجدہ کیا اور تم کہتے ہو کہ وہ مقام جہاں چاہیے کہ لوگ سجدہ کریں یروشلم میں ہے اسکے جواب میں مسیح نے یہ نکہا کہ تمھارے نسخہ میں تحریف کی گئی ہے صحیح یہی ہے کہ وہ مقام یروشلم میں ہے بلکہ یہ کہا کہ اے عورت میری بات کو سچ جان کہ وقت آتا ہے کہ تم نہ تو اس پہاڑ میں اور نہ یروشلم میں سجدہ کروگے (دیکھو یوحنا باب ۴ ورس ۲۰ و ۲۱) پھر جب ایسے بھاری سکوت سے سامریوں کے نسخہ کی صحت ثابت نہیں ہوئی تو قرآن مجید کے سکوت سے کتب سابقہ کا غیر مخلوط ہونا کس وجہ سے ثابت کیا جاتا ہے۔ دوم یہ کہ جب باقرار پادری صاحب قرآن مجید کے مضامین کچھ تو بیبل کے موافق اور کچھ مخالف ہیں اور بعض باتوں کا بتصریح رد بھی کیا ہے پھر اس کہنے کے کیا معنی کہ قرآن مجید بیبل کو مخلوط نہیں بتاتا اس طرز سے تو ثابت ہوا کہ قرآن میں خلط کا دعوے

کرنا کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ دکھا دیا گیا کہ یہ غلط ہے الغرض یہ دعوی کرنا کہ قرآن مجید بیبل کے
ہر جملہ کی تصدیق کرتا ہے محض غلط ہی ہیں اس تقدیر پر مخالفت نکال کر قرآن کو اپنا آپ کذب ٹہرانا
محض نادانی یا دہوکا دہی ہی اور قدیم نسخوں کے ملاحظہ کرنیکا حکم جو پادریصاحب دیتے ہیں تو جناب
اول تو ہمیں اُسکی ضرورت نہیں دوسرے کہیں اُنکا وجود واقعی نہیں پاتے بجز ادعائی کے اس لیے
انکی طرف رجوع کرنا فضول ہی۔ چونکہ پہلے کتب سماویہ میں خلط ملط ہونا یقینا ثابت ہی اسی لیے ہمارے
علمانے لکھا ہے۔ قد تقرر فی الاصول ان شرع من قبلنا شرع لنا اذا قصّة الله تعالی ورسوله من
غیرانکار ولم یظهر نسخه (درمختار) یعنی علم اصول میں ثابت ہوچکا ہی کہ اگلے نبیوں کی شریعت ہمارے
لیے شریعت ہی اپنی مسلمانوں کو اُسپر عمل کرنا واجب ہی بشرطیکہ اللہ تعالی نے یا اُسکے رسول نے
اُسے بیان کیا ہو بغیر انکار کے اور اوسکا منسوخ ہونا ظاہر نہوا ہو۔

پادری صاحب نے آخر کتاب میں لکھا ہے کہ یہ قول حنفیہ کا ہے شافعیہ اسکے قائل نہیں ہیں۔
میں کہتا ہوں کہ شافعیہ بھی کہتے ہیں علامہ قسطلانی شافعی کا قول ارشاد الساری میں ملاحظہ کیجیے
اور قطع نظر اسکے شافعیہ اور حنفیہ کو رہنے دیجیے تحقیق کیجیے حق بھی ہے جو میں نے یہاں لکھا ہی جو حنفی
اور شافعی نہیں ہیں وہ لکھتے ہیں قد اختلف اهل العلم فی شرع من قبلنا هل یلزمنا ام لا فذهب
الجمهور الی انه یلزمنا اذا لم ینسخ وهو الحق (فتح البیان) اہل علم نے اختلاف کیا ہی کہ اگلی شریعت ہمپر
لازم ہی یا نہیں اکثر کا مذہب یہ ہی کہ لازم ہے جبکہ وہ منسوخ نہوئی ہو اور یہی بات حق ہے۔
یہاں یہ امر بھی قابل بیان ہی کہ جب قرآن مجید نے توریت وانجیل کو نور وہدایت فرمایا ہی تو اُسکو
ممتاز کیوں نکر دیا تاکہ لوگ اس سے نفع حاصل کرتے اور ہدایت پاتے۔ اسکا جواب تحقیقی یہ ہے
کہ جسقدر کلام نور وہدایت تھا اُسکو بلاشبہہ جدا کر دیا اس طرح پر کہ قرآن مجید میں اُسے تکمیل بیان
کردیا تاکہ دین محمدی جامع ہدایات آلہی ہوجائے اور کسی کتاب کی طرف عمل کرنے میں حاجت
نرہے چند آیات سے یہ مدعا ثابت ہے اول یُرِیدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَیَهْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ
مِنْ قَبْلِکُمْ اللہ چاہتا ہی کہ واضح کردے تمہارے لیے اور بتادے تمکو طریقے اگلے لوگوں کے۔

لع نساء آیت ۲۶

یعنی جو طریقے اور احکام شریعت اگلے نبیوں کو دیے گئے تھے وہ اللہ تعالےٰ نے امت محمدیہ کیلئے قرآن مجید میں بیان کر دیئے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں۔ ھذہ الایۃ دلیل علی ان شرائع من قبلنا ما لم یظہر کونہا منسوخۃ فی شریعتنا واجب علینا اتیانہا اذا ثبت عندنا بالکتاب او السنۃ یعنی یہ آیت ثابت کرتی ہے اس بات کو کہ پہلے انبیا کی شریعت پر عمل کرنا ہم پر واجب ہے جس وقت تک اُسکا منسوخ ہونا ہماری شریعت میں معلوم نہو اور قرآن و حدیث سے اُسکا شریعت ہونا ثابت ہو جائے دوم وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتٰبِ وَ مُھَیْمِنًا عَلَیْہِ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ اور اوتاری ہمنے تیری طرف کتاب سچی (یعنی قرآن مجید) سچ بتاتی ہوئے پہلی کتاب کو (یعنی توریت و انجیل کو) اور اسپر مشتمل پس حکم کر اُن میں (یعنے اہل کتاب میں) ساتھ اُسکے کہ اُتارا ہے اللہ نے تجھپر اس آیت میں اللہ نے قرآن مجید کو توریت و انجیل کا مُھَیْمِن فرمایا اور اس وصف پر یہ امر متفرع کیا کہ محمد رسول اللہ اہل کتاب میں حکم کریں یعنی قرآن میں جب یہ وصف پایا گیا تو حضرت اس امر کے مستحق ہیں کہ اہل کتاب پر حکم کریں اب مہیمن کے معنی دریافت کرنا چاہیے یہ لفظ مشترک ہے کئی معنی رکھتا ہے۔ نگہبان۔ حافظ۔ گواہ۔ امین۔ غالب۔ بلند ان میں سے جو معنی اس مقام پر

ف شاہ عبد القادر صاحب نے مہیمن کا ترجمہ شامل کیا ہے اور یہی مدعا بنظر غور و انصاف سورہ لم یکن کی آیت ۲ سے اور سورہ انعام کی اُس آیت سے جسے پادری صاحب نے صفحہ ۲۵۶ میں نقل کیا ہے ثابت ہوتا ہے اور چونکہ قرآن مجید ہدایات انبیاء سابقین پر مشتمل ہے اسلیے اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام میں فرمایا فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ کہ یعنی اُنکی ہدایت کی پیروی کر اگر اُنکی ہدایتیں قرآن میں مذکور نہوتیں تو آنحضرت کو اتباع کا حکم نہوتا کیونکہ حضرت اُمّی تھے اور یہ بھی معلوم کر لینا چاہیے کہ سورہ مائدہ میں اہل کتاب کو جس توریت و انجیل پر عمل کرنا موجب فلاح ٹھہرایا تھا وہ یہی ہے جسپر قرآن مجید مشتمل ہے پادری صاحب نے جو صفحہ ۱۲۲ و ۱۲۳ میں ان آیات سے اپنی بیبل پر عمل کرنا ثابت کیا ہے وہ محض نادانی ہے یہ آیات پادری صاحب کی عمدہ دلیلیں تھیں جنسے اُنہوں نے بیبل کا صحیح موجود اور مشہور ہونا ثابت کیا ہے پس اُنکا اجمالی جواب یہاں دیا گیا تفصیلی جواب دوسرے حصہ میں انشاء اللہ آئیگا اور وہ جو ایمان بالکتاب سے یا بعض اہل کتاب کی تعریف سے یا اس سے کہ بعض صورتوں میں اُن سے دریافت کرنیکا حکم ہوا تمام مجموعہ بیبل کا وجود اور صحت اور تسلیم ثابت کرنا تو عجب دانشمندی ہے اے صاحب کتاب آلہی پر ایمان لانا فرض ہے مگر یہ تو وہاں نہیں ہے کہ یہ کتاب وہی ہے جو پادری صاحب

لیے جائیں وہ صحیح ہو سکتے ہیں کیونکہ قرآن مجید ان کل اوصاف کا جامع ہے اور یہ سب معنی اُس میں پائے جاتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ پہلے چار معنی کی جو علت ہے وہ قرآن مجید میں پائی جاتی ہے اُس ایک وصف کا ہونا ان کل معانی کا ہونا ہے وہ وصف اور علت اشتمال ہے یعنی چونکہ قرآن مجید جمیع ہدایات اور احکامات ضروریہ توریت وانجیل پر شامل ہے اسلیے اُسکو حافظ توریت وانجیل بھی کہہ سکتے ہیں اور گواہ وامین بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ قرآن مجید تو بسبب وعدہ خداوندی ہمیشہ تغیر وتبدل سے محفوظ ہے پس جسپر یہ مشتمل ہوگا لامحالہ وہ بھی محفوظ رہیگا اور تغیر اور تبدل نہونے پائیگا اور یہی معنی امین کے ہیں کہ امانت کو بحفاظت رکھے اور شہادت تو ظاہر ہے کہ خود آئینہ بنکر اُسکی صورت دکھا رہا ہے اس سے زیادہ اور کیا گواہی ہوگی غالب اور بلند اسلیے ہے کہ احکام توریت وانجیل کی تکمیل کی ہے جسکا بیان اختلاف چہارم میں آئیگا۔ اس تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ قرآن مجید بسبب مشتمل ہونیکے توریت وانجیل کے احکام کا جامع ہے پس اگر ان احکام کو محمد رسول اللہ اہل کتاب میں جاری کریں تو ہو سکتا ہے اُنکو چاہیے کہ بلا عذر اُسے قبول کریں کیونکہ یہی احکام تو اُنکی کتاب میں ہیں اگر کچھ تغیر ہوگا تو اُنکی غلط فہمی کا اظہار ہوگا یا اسی حکم مذکور کی تکمیل ہوگی ہمارے بعض علما بھی ایسا لکھتے ہیں چنانچہ علامہ ابو سعود نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھا ہے۔ ای اذا کان شان القرآن کما ذکر فاحکم بین اھل الکتاب عند تحاکمھم الیک بما انزل اللہ ای بما انزلہ الیک فانہ مشتمل علی جمیع الاحکام الشرعیۃ الباقیۃ فی الکتب الالھیۃ جبکہ قرآن شریف کی شان ایسی ہے جیسی اس آیت میں مذکور ہے تو جو احکام خدا نے تجھپر اُتارے ہیں اُنھیں سے

اھ یا اُنکے مرشدوں کے ہاتھ میں تھی اور تعریف اُن اہل کتاب کی ہے جو سچے مسلمان ہوگئے تھے یا اُنکی جو حضرت موسے یا دیگر انبیا کے وقت میں تھے پھر اُسے کتاب کی صحت سے کیا تعلق ہے اور سوال کرنیکا حال یہ ہے کہ بمقابلہ مشرکین عرب کے اہل کتاب ذی علم اور بہت باتوں سے واقف تھے اور خدا کی ہدایتیں بالکل ناپید تو نہیں ہوگئی تھیں البتہ کچھ خلط ملط متشابہ باتیں صحیح صحیح بھی جانتے تھے اس وجہ سے اُن سے دریافت کرنیکا حکم بعض وقت ہوا اس سے تمام مجموعہ بیبل کی صحت کیسے ثابت ہوئی یہ مختصر بیان اُس تمام تحریر کا جواب ہے جو پادری صاحب نے بیبل کی صحت اور کاملیت کے ثبوت میں کی ہے ۱۲۔

فیصلہ کر اہل کتاب میں جب وہ تیرے پاس فیصلہ کے لیے آویں کیونکہ جو کتاب تجھ پر اُتاری گئی ہو وہ شامل ہی تمام شرعی احکام باقیہ کو جو خدا کی کتابوں میں ہیں۔ جب ناظرین نے قرآن کی حفاظت کے معنی معلوم کر لیے تو یاد رکھنا چاہیے کہ اُس کتاب میں جو اہل کتاب کے ہاتھ میں ہی کیسا ہی تغیر و تبدل ہو جاے مگر اُسکی نگہبانی اور امانت میں کچھ فرق نہیں آسکتا پادری صفدر علی صاحب صفحہ ۱۵۱ میں یہ آیت نقل کر کے بہت کچھ خوش ہوئے ہیں شاید وہ نگہبان کے معنی بسبب اپنے عہد کے کوتوال یا پیادہ کے سمجھے ہیں کہ ڈنڈا لیے سر پر کھڑا رہے یا گشت کرے اور کسی کو دست اندازی نکرنے دے بھلا یہ کوئی عقل کی بات ہے کہ قرآن مجید کی نگہبانی اُن کتابوں کے تغیر و تبدل سے مانع ہو جو غیروں کے ہاتھ میں ہیں ذرا پادری صاحب ہی انصاف کریں ✦

الحاصل آیات مذکورہ سے ظاہر ہوا کہ توریت و انجیل کو خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں تکمیل کیساتھ بیان کر دیا جسکے سبب وہ تعلیمات آلہی جو نور اور ہدایت تھے کلام انسان سے ممتاز اور علیحدہ ہو گئے اسیواسطے فرمایا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ الخ اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ جو دین حق اور وصول الی اللہ کا راستہ آدم کے وقت سے موافق استعداد اہل زمانہ یا کسی مصلحت سے تعلیم ہوتا رہا آج اُسکی تکمیل ہو گئی اب کسی طرحکے تغیر و تبدل کی حاجت نرہی اور اللہ تعالےٰ نے دین کی تعلیم کو پورا کر کے اپنی نعمت اور احسان کو اس انسان پر پورا کر دیا وہ دین حق اسلام ہی اسی وجہ سے فرمایا اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ بیشک[1] دین حق اللہ کے نزدیک اسلام ہی اور دوسری جگہ تاکیداً فرمایا وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ۔ جو کوئی اسلام کے سوا دوسرا

[1] پادری صاحب نے نسخ کی بحث کو بہت طول دیا ہی اور یہ بات ثابت کرنا چاہی ہی کہ قرآن و حدیث سے توریت و انجیل کا نسخ ثابت نہیں ہوتا مگر اُنکی نظر سے یہ دونوں آیتیں نہیں گذریں جنسے تمام ادیان مخالفہ کا نسخ اظہر من الشمس ہی اگر توریت و انجیل قرآن مجید کے مخالف ہے جیسا پادری صاحب گمان کرتے ہیں تو قرآن شریف صاف صاف اُسے منسوخ بتاتا ہے کیونکہ جب یہ کہدیا کہ مذہب اسلام کے سوا کوئی مذہب خدا کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ تمام ادیان منسوخ ہیں پادری صاحب نے عبث نسخ کی بحث میں اس قدر دردسری کی ہے ۱۲ منہ

دین اختیار کرے سو ہرگز مقبول نہوگا الحاصل دین اسلام کو کامل اور جامع جمیع ہدایات کرکے باقی ادیان کو غیر مقبول قرار دیا اور اُسکی طرف توجہ کو منع فرمایا پس گویا دین موسوی ہی تو دین اسلام ہے اور دین عیسوی ہی تو یہی دین اسلام ہی اور دین محمدی ہی تو یہی ہی اب یہی معجون مرکب اُس حکیم مطلق نے کل بنی آدم کے لیے تجویز کی ہے اور ازالہ مرض و شفا کو اسی پر منحصر کیا ہے۔

اے برادران مسیحی بنظر انصاف اسمیں غور کرو تعصب اور ہٹ دہرمی کو دخل ندو اور سچے عیسائی بن جاؤ ایسا نہو کہ یہ وقت ہاتھ سے نکل جائے اور پھر پچھتانا کام نہ آئے کسی نے ہندی میں خوب کہا ہی

آگے کے دن پاچھے گئے ہر سے کیو نہ ہیت + اب پچھتائے کا ہوت ہی کہ چڑیاں چگ گئیں کھیت

جب یہ امر ثابت ہو لیا کہ قرآن و حدیث جس توریت و انجیل کا مصداق ہے اُسکی ہدایات وغیرہ کو شامل ہی اور اسی لحاظ سے اُنکا نگہبان اور حافظ ہی تو اب توریت و انجیل کے احکام کی تصدیق اور اُنکی صحت و غلطی کا معیار یہ ٹھہرا کہ قرآن مجید کے مطابق ہو پس جو احکام کہ مطابق قرآن ہیں وہ صحیح ہیں اور اُنھیں کو اصلی توریت و انجیل کے مضامین کہنا چاہیے اور جو مطابق نہیں اُن کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ وہ توریت و انجیل کے احکام ہی نہیں اور جو امر کہ قرآن مجید میں مذکور نہیں اور مجموعہ بیبل وغیرہ میں ہی اُسکی نسبت حضرت نے فرمایا صلعم لا تصدقوا اھل الکتاب و لا تکذبوھم۔ پس اس تحریر کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس قدر مجموعہ بیبل کو قرآن و حدیث سے مطابقت زیادہ ہوگی اسی قدر اُسکا اعتبار زیادہ ہوگا اور جسقدر مخالفت ہوگی اُتنی ہی بے اعتباری بڑھیگی کیونکہ جو اسکا نگہبان اور امین اور گواہ کہہ رہا ہے اُسکے خلاف ہی پادری صاحب نے یہ عجیب اُلٹی بات نکالی کہ جب توریت و انجیل مخالف قرآن و حدیث ہو تو قرآن کی بے اعتباری پائی جائیگی یہ محض نادانی و جہالت ہے +

دوسری بات کی تحقیق

یہ امر ظاہر ہی کہ اگر کوئی شخص کسی کتاب کی تعریف و توصیف کرے تو یہ ضرور نہیں کہ یہ شخص اُس کے

ف یعنی جس امر کی تصدیق قرآن و حدیث نے نہیں کی ہی اُس میں اہل کتاب کو نہ تو سچا جانو اور نہ جھٹلاؤ کیونکہ نہ اُنکی بات پر اطمینان ہے نہ اُنکی کتاب پر اور سچ ہونیکا بھی احتمال ہے اسلیئے دونوں امر سے سکوت چاہیے ۱۲

جمیع مقاصد کو اوّل سے آخر تک تسلیم کرتا ہی اورکسی امر میں مخالفت روا نہیں رکھتا اول تو یہ دیکھا جائیگا
کہ تعریف کرنے والا کس نوع کی اور کس امر کی مدح کرتا ہی مثلاً قرآن مجید نے توریت کی اس طرح تعریف
کی کہ نور ہی ہدایت ہی نصیحت ہے اس سے اسکی تعلیم کی خوبی نکلی اور وہ بھی اصول اور اہم امور
کی نہ کہ ہر ہر جزئی تعلیم کی کیونکہ عالی دماغ شخصوں کا ہرگز یہ دستور نہیں کہ اسکی جزئیات پر نظر کرکے اُسکی
تعریف یا بُرائی کریں بلکہ انکی نظر اصول ہی پر رہتی ہے بس اس طرح کی تعریف سے جزئیات اور تمام
قصص و حکایات خارج ہیں - اب میں اپنے مدعا کی تائید میں ایک معتبر عالم مسیحی کی رائے نقل کرتا ہوں
پیلی صاحب جو نہایت حامی دین مسیحی ہیں اپنی کتاب کے تیسرے حصے کے تیسرے باب میں لکھتے ہیں
کہ ہمارے شفیع نے بلاشبہہ آئین موسوی کو منجانب اللہ کہا ہے اور بلاشبہہ ہمارے شفیع نے اکثر اُن
پُرانے لکھنے والون کی نبوت کو تسلیم کیا ہے اور اس حد تک ہم عیسائیوں کو جاننا واجب ہے اور
سب عہد عتیق یا ہر فرقہ کی سچائی اور اصل ہونے پر کتاب کے اور تحقیق پر لکھنے والیکے لیے دین عیسوی کو
مدعا علیہ کرنا بہت تو میں نہیں کہتا لیکن بلا ضرورت تمام سلسلہ کو مشکل میں ڈالنا ہے یہ کتابیں تمام
پڑھی جاتی تھیں اور ہمارے شفیع کے ہمعصر یہودی مانتے تھے اور اُسنے اور اُسکے حواریوں نے مع
تمام یہودیوں کے اُنکی طرف رجوع کیا ہے اور اشارہ کیا ہے اور استعمال میں لائے ہیں پھر بھی استعمال
اور اشارے سے اور کچھ نتیجہ سوا اسکے نہیں نکلتا کہ جہاں حضرت عیسے نے کسی پیشین گوئی
کے حق میں صاف کہدیا ہے کہ منجانب اللہ ہے وہ تو الہامی ہے وگرنہ فقط اتنا ثابت ہوتا ہے
کہ اسوقت میں یہ کتابیں مشہور اور مسلم تھیں الخ -

مقام انصاف ہے کہ یہ فاضل مسیحی کہتا ہے کہ مسیح یا حواری کا کسی مضمون کیطرف رجوع کرنا اور اُسکا
استعمال کرنا اُسکے الہامی ہونیکو ثابت نہیں کرتا پھر اگر ہم یہ کہیں کہ محمد رسول اللہؐ نے بلاشبہہ
توریت و انجیل کی تصدیق کی ہے مگر اس سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ جس مضمون کیطرف
حضرت نے رجوع کیا ہے اور اسکا حوالہ دیا ہے وہ الہامی ہے اور جسکی طرف رجوع نہیں کیا اسکا الہامی
ہونا ثابت نہیں ہوتا اور جس مضمون کا رد کیا ہے وہ بلاشبہہ الہامی نہیں پھر کیا نا انصافی ہی ہمارے

قول میں اور اس فاضل مسیحی کے قول میں کتنا فرق ہی ہم تو استعمال و رجوع سرور عالم سے الہامی ہونا
ثابت کرتے ہیں اور یہ فاضل اُسکو بھی تسلیم نہیں کرتا اور مسیح کے رجوع کو ثبوت الہام کیلئے کافی سبب
قرار نہیں دیتا پھر پادری صاحب کیوں اُن مضامین کو مخالفت میں پیش کرتے ہیں جنھیں بالتصریح
قرآن مجید رد کرتا ہے اُن مضامین کی اُسنے کب تصدیق کی تھی جنھیں وہ رد کر رہا ہی جس وقت وہ
توریت و انجیل کو منزل من اللہ کہہ رہا ہے اسی وقت تو وہ یہ بھی کہتا ہی کہ فلاں امر منزل من اللہ
نہیں ہی بھلا کون عاقل ایسی مخالفت کو موجب تکذیب کہہ سکتا ہی۔ الحاصل دوسرا امر جسپر پادریصاحب
کا اعتراض مبنی ہی پایہ ثبوت کو نہیں پہونچتا پس اعتراض محض بے بنیاد ٹھہرا۔ اب اگر ہمارے مخاطب
اس امر بدیہی کو تسلیم نکریں اور سیل صاحب کے قول کو بھی غلط جانیں تو ہم بحث کو زیادہ نہیں بڑہاتے
صرف اسقدر کہتے ہیں کہ توریت و انجیل کے بعض احکام میں بھی باہم اختلاف ہے اور اختلاف کیا
پولوس نے تو تمام شریعت موسوی کو گویا نیست و نابود کردیا اور جتنی حرام شے تھیں سب پر حلت کا
فتوی دیدیا ابدی احکام کو میٹ دیا اور توریت کو باعث ظلمت اور ضلالت بتایا پھر اب اس سے زیادہ
مخالفت اور کیا ہوگی اب اگر تصدیق کو یہ امر لازم ہے کہ مُصدَّق کی کسی طرح مخالف نہو ورنہ خود اپنا
مکذب ہوگا تو چاہیے کہ پادری صاحب عہد جدید میں بھی یہ قاعدہ جاری کریں اور مخالفت توریت
سے انجیل کی تکذیب کریں اور اگر یہ کہیں کہ فروعات میں مخالف ہونا موجب تکذیب نہیں بلکہ اصول
ایمانیہ میں مخالفت باعث تکذیب و بطلان ہوتی ہی تو اسکا جواب یہ ہی کہ اگر عیسائیوں کا یہی عقیدہ ہی
کہ انجیل تثلیث کی تعلیم کرتی ہی اور حضرت مسیح کی ابنیت حقیقیہ ثابت کررہی ہے اور کفارہ مسیح پر
ایمان لانیکو واجب بتاتی ہی تو ہم بالیقین کہہ سکتے ہیں کہ یہ انجیل اصول ایمانیہ میں توریت کے مخالف ہی
توریت میں تو خدا کو وحدہ لاشریک بتایا ہی وہاں نہ تثلیث کا ذکر ہی اور نہ تربیع کا نہ کسی کو اس طرح کا بیٹا بتلایا ہے
اور نہ کفارہ مسیح پر ایمان لانیکو واجب کہا ہی یہ صرف کج فہمونکی گڑھنت ہی یا ناعاقبت اندیشونکی زبان درازیاں
ہیں جسکا ذکر کچھ آنیوالا ہی توریت کو اول سے آخر تک بغور دیکھیئے کہیں انکا پتا نہیں لگتا بھائیو ذرا غور
تو کرو اگر توریت میں یہ امور ہوتے تو یہود کیوں ان عقائد سے منحرف رہتے اگر بعد کے یہود نے

بسبب عداوت[ف] مسیح اسکا انکار کیا تو اُنکے اگلے عقائد اور دینیات کی کتابوں میں دیکھنا چاہیے کیا جتنے بنی اسرائیل توریت کے مطیع گذر گئے کوئی مومن تھا ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ کہیں توریت میں ان کفریات کا نشان نہیں پایا اس وجہ سے کوئی اس عقیدے کا معتقد نہیں ہوا۔

الغرض اگر عیسائیوں کا یہ عقیدہ صحیح ہے تو انجیل توریت کی مخالفت کر کے اپنی آپ مُکذّب ٹھہرتی ہے مگر اے بھائیو خوب یاد رکھو یہ سب شیطانی تعلیم کا اثر ہے نہ توریت میں یہ تعلیم ہے نہ انجیل میں خدائے وحدہ لاشریک کا دین ایک ہے اصول ایمان جو توریت میں ہیں وہی انجیل میں اور وہی قرآن میں سب ایک زبان ہو کر پکار رہے ہیں کہ خدا یکتا اور بے ہمتا ہے نہ اُسکے باپ ہے نہ بیٹا ہے اسی طرح تمام اصول ایمان اور کل وہ احکام جنکا ہونا ہر وقت میں ضروری ہے تینوں کتابوں میں متحد ہیں کسیطرحکا اختلاف نہیں ہے اور پادری صاحب نے جو اس قسم کے اختلاف بیان کیے ہیں وہ محض اُنکے فہم کا تقاضا ہے واقع میں مخالفت نہیں ہے آیندہ بیان مخالفت میں یہ امر بخوبی ظاہر ہو جائیگا ؀

تیسری بات کی تحقیق

اہل علم خوب جانتے ہیں کہ جب دو کتابوں کا مقابلہ کر کے یہ دیکھنا چاہیں کہ اُن کے مقاصد میں باہم مطابقت ہے یا مخالفت تو ہمپر واجب ہے کہ دونوں کتابوں کو نہایت غور و تامل سے دیکھیں اور نہایت تحقیق اور تدقیق سے چند امور کا لحاظ رکھکر اس وادی میں قدم رکھیں ورنہ ممکن نہیں کہ مطابقت یا مخالفت کو دریافت کر سکیں بلکہ سچ یہ ہے کہ اس امر کو پورے طور سے دریافت کر لینا اور یہ کہدینا کہ یہاں اختلاف واقعی ہے نہایت ہی دشوار ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر ادو کلاموں میں مخالفت ہوتی ہے مگر جسوقت متکلم کے منشا و غرض یا طرز کلام یا فحوای مقام معلوم ہو جاتا ہے تو بالکل مخالفت دفع ہو جاتی ہے اگر انصاف سے دیکھا جائے تو امور مذکورہ کا دریافت ہونا نہایت دشوار ہے ہر شخص مطابق

[ف] اور عداوت حضرت مسیح ان عقائد سے انحراف کا باعث ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ جسے وہ ابن اللہ قرار دیتے اور تثلیث کا جز سمجھتے اُسے کوئی دوسرا شخص فرض کرتے چنانچہ وہ مسیح کے اب تک منتظر ہیں اور حضرت عیسیٰ کو مسیح موعود نہیں سمجھتے اگر یہ کچھ نہیں ہے تو پھر کیا ایسے ضروری عقیدہ کو خدا نے ایسے معمے اور چیستان کے طور پر بیان کیا کہ کوئی نہ سمجھا ۱۲

اپنی فہم اور اپنی عادت اور اپنے مسلک کے متکلم کا منشا اور غرض بیان کر سکتا ہے پھر اُسمیں امر واقعی کو دریافت کرنا کیونکر نہ دشوار ہوگا پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص بلا غور و فکر سرسری طور پر ان کتابوں کی ورق گردانی کر کے اُن کے مطالب میں مخالفت ثابت کر دے واے بر حال اُس شخص کے کہ پوری پوری ورق گردانی بھی نکرے صرف لوگوں سے سُن سُنا کر کچھ اپنے وہم کو دخل دیکر دونوں کتابوں کا مطلب اپنے ذہن میں قرار دیلے اور کہے کہ یہ مطلب فلاں کتاب کا ہے اور یہ فلاں کا ہے اور اِن دونوں میں مخالفت ہے ہمارے مخاطب مصنف نیاز نامہ کا بعینہٖ یہی حال ہے +

اب میں وہ امور بیان کرنا چاہتا ہوں جنکا لحاظ رکھنا تحقیق مخالفت اور مطابقت کیلئے ضروری ہے جنکی رعایت اور لحاظ کے بعد (اگر وہ پورے پورے لحاظ کئے گئے ہوں) ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اِن دونوں کلام میں مخالفت ہے +

اول اون دونوں کتابوں یا کلاموں میں اُس مدعا کا ہونا جسمیں ہم مخالفت ثابت کرنا چاہتے ہیں اگر ایک کلام میں ایک مطلب مذکور ہے اور دوسرے میں اُسکا ذکر نہیں تو کسی عاقل کے نزدیک یہ مخالفت نہیں ہو سکتی خواہ ایک امر ایک کلام میں بالکل مذکور نہو اور دوسرے میں ہو یا ایک میں کم مذکور ہو اور دوسرے میں اوسپر کوئی بات زائد کر دی ہو ان دونوں قسم کی مثالیں عہد عتیق و جدید دونوں میں بکثرت ملینگی مثلاً حضرت مریم کو ایک فرشتہ نظر آنا لوقا $\frac{۱}{۲۶ سے ۳۸}$ میں ہے اور یوحنا بپتسمادینے والیکی پیدائش لوقا کے باب اور س ۷ ہ سے ۰ تک مذکور ہے اور کسی انجیل میں نہیں ہے اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ لوقا کی انجیل میں اور دوسری اناجیلوں میں مخالفت ہے اسی طرح نامہ عبرانیوں کے باب $\frac{۱۲}{۲۱}$ ورس ۲۱ میں موسیٰ کا قول "میں حیران و لرزاں ہوں" کتب عہد عتیق میں کہیں مذکور نہیں حالانکہ یہ قصہ خروج کے ۱۹ باب میں مذکور ہے اسی طرح وہ مضمون جو نامہ یہودا کے ۹ ورس میں ہے عہد عتیق میں کہیں نہیں ہے یا مثلاً طلاق کے قصہ میں کئی طور کے اختلاف ہیں متی کے باب ۵ ورس ۳۲ میں ہے جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اُس سے زنا کرواتا ہے اور اُسی انجیل کے ۱۹ باب میں یہ قصہ مذکور ہے مگر اوسمیں زنا کروانا نہیں ہے +

۲۔ متی کے ۱۹ باب میں ہے جو کوئی اپنی جورو کو سوائے زنا کے اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے باب پنجم میں دوسرے سے بیاہ کرنا اور خود مجرم زنا کا ہونا مذکور نہیں پھر اس سے کیا ہمارے مخاطب یہ کہینگے کہ متی کے کلام میں تخالف ہے +

۳۔ متی کے دونوں مقام مذکورہ میں ہے کہ جو کوئی اس چھوڑی ہوئی عورت کو بیاہے زنا کرتا ہے اور مرقس میں یہ نہیں ہے بلکہ اسکی جگہ یوں ہے ۔ اور اگر جورو اپنے شوہر کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہی جائے تو وہ بھی زنا کرتی ہے'' پھر کیا اسکی وجہ سے مرقس اور متی کے کلام میں مخالفت ہو جائیگی ہرگز نہیں ایسے ہی حضرت نوح کے قصہ کا حال ہے کہ توریت میں اولاد صالحہ اور نیک بیوی کا ذکر ہے کہ انھوں نے نجات پائی اور جو بیٹا کہ صالح نتھا اوسکا ذکر ہی نہیں ہے قرآن مجید میں دونوں کا ذکر ہے پھر تعجب ہے کہ پادری صاحب اس ذکر و عدم ذکر کی وجہ سے توریت و قرآن میں مخالفت قرار دیتے ہیں اگر ایسی ہی مخالفت ہے تو سینکڑوں مخالفتیں خود توریت و انجیل میں نکلیں گے ۔

دوم الفاظ کا متعین ہونا ۔

سوم معنی مقصود کا معین ہونا یعنی پہلے یہ امر بالیقین معلوم ہونا چاہیئے کہ اُن دونوں کلاموں کے متکلم نے جن الفاظ کا استعمال کیا تھا تقریرًا یا تحریرًا وہ اب تک بلا تردد موجود ہیں اور بالیقین معلوم ہے کہ جس کلام میں ہم مقابلہ کر رہے ہیں بعینہٖ وہی الفاظ ہیں جو متکلم نے تقریر یا تحریر میں ادا کیے تھے ۔ دوسرے یہ دریافت ہونا چاہیئے کہ جو معنی مخالفت بیان کرنے کے وقت لیے جاتے ہیں وہی معنی متعین ہیں دوسرا احتمال صحیح نہیں ہو سکتا اگر ان دو امروں میں سے ایک بھی نپایا جائیگا تو جس طرح پہلے امر کے نہونے سے مخالفت ثابت نہیں ہوتی تھی ویسے ہی اب بھی نہوگی بغیر تعیین لفظ و معنی ہرگز یہ دعوی قابل سماعت نہوگا کہ متکلم فلان کے دو کلاموں میں مخالفت ہے اگر الفاظ پر اعتماد نہیں تو کیونکر یقین کر سکتے ہیں کہ یہ مضمون جو ان ظاہر الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے مصنف اور متکلم کا مطلب یہی ہے جب یہ امر ظاہر ہے کہ معنی کو ہم لفظوں سے سمجھتے ہیں اور لفظوں کے تغیر سے معنی بھی متغیر ہو جاتے ہیں تو پھر کون وجہ ہے کہ الفاظ کی صحت میں تو تردد ہو یا یقین ہو کہ مصنف کے الفاظ نہیں ہیں اور اس پر اصرار کیا جائے

کہ بلاشک مصنف کا مطلب بھی ہے اس احتمال میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بالکلیہ مصنف کا مطلب مفقود
ہوگیا ہو یا ایسا نہو بلکہ مصنف کا مقصود باقی ہو مگر بسبب تغیر الفاظ کے اُسکا سمجھنا دشوار ہوگیا ہو
مثلاً ایک لفظ مشترک کے ایسے قرائن تھے کہ ایک معنی خاص اُس سے سمجھے جاتے تھے اب الفاظ کے
تغیر سے وہ قرائن جاتے رہے یا پہلے لفظ خاص تھا اب عام ہوگیا پس ظاہر ہے کہ وہ معنی جو متکلم
کے مقصود تھے کیونکر سمجھے جائینگے گرچہ وہ معنی بھی اس وقت اس کلام میں موجود ہیں یا پہلے الفاظ
کے جو اصلی معنی تھے وہ اب بطور مجاز فہم میں آسکتے ہیں مگر اُنکے لیے قرینہ نہیں ہے غرضکہ ایسی
صورتیں بھی بہت ہیں کہ الفاظ متغیرہ میں مطلب اصلی موجود ہو مگر اس طرف ذہن نجاوے اس
صورت میں جو کوئی مصنف کے مطلب کو کسی طور سے جانتا ہو وہ تو یہ کہہ سکتا ہے کہ مصنف کا یہ
مطلب ہے اور جو اس سے آگاہ نہیں وہ ہرگز کہہ نہیں سکتا کہ مصنف کی غرض کیا تھی ۰
اسی طرح اگر معنی متعین نہووے مثلاً مصنف نے لفظ مشترک یا مجمل کا استعمال کیا یا معنی حقیقی چھوڑ کر
مجازی معنی مراد لیے یا بحسب ظاہر یا بطور فہم مخاطب کلام کیا اور کہیں پر اسکی تفصیل نکی کہ فلاں معنی
مراد ہیں یا فلاں وجہ سے ہمنے ایسا کلام کیا تو بغیر دلیل قوی اپنی اٹکل سے کوئی معنی لیکر مخالفت
ثابت کرنا ہرگز ذی شعور کا کام نہیں اگر کوئی ایسا دعوی کرے تو اہل عقل کے نزدیک قابل قبول
نہوگا جب یہ امور ذہن نشین ہولیے تو اب معلوم کرنا چاہیے کہ مصنف نیاز نامہ نے جو توریت و
انجیل کا قرآن وحدیث سے مقابلہ کیا ہے تو امور مذکورہ کی رعایت اور لحاظ کے ساتھ کیا ہی یا بلا
رعایت کیا ہے ۔ میں کہتا ہوں کہ جو منصف اونکی تحریر کو دیکھکر قرآن وحدیث اور توریت وانجیل کو
دیکھیگا وہ بلا تامل کہدیگا کہ ہرگز نہیں کیا ہرگز نہیں کیا اور عبث دردسری کی ہے کیونکہ بسبب
فقدان تواتر لفظی کے توریت وانجیل کے الفاظ کا تعین دشوار بلکہ محال ہے مثلاً حضرت عیسیٰ
جس زبان میں تعلیم فرماتے تھے بالاتفاق یونانی نتھی بلکہ عبری یا عبرانی اور سُریانی ملی ہوئی تھی
اور یہی زبان فلسطین میں رائج تھی دیکھو متی باب ۲۷ ورس ۴۶ مرقس باب ۳ ورس ۱۷ اور
اب تو اُن کلمات اون الفاظ کا کہیں پتا بھی نہیں ہی پس جسے ہم انجیل اور کلام آلہی کہتے ہیں اور

قرآن مجید جسکی تصدیق کرتا ہے اسکے الفاظ مشکوک کیا عالم سے مفقود ہیں پس اُسکے ترجموں سے مخالفت ثابت کرنا عبث ہے کسی مقام پر ہم یقین نہیں کرسکتے کہ جو مدعا ہم اِن ترجمون سے سمجھتے ہیں بلاکم وبیش وہی مطلب حضرت مسیح کا تھا +

باقی رہا یہ امر کہ انجیل نویسوں نے جو ترجمے یونانی زبان میں کیے وہ الہام سے کیے اور روح القدس اُنہیں خطا سے محفوظ رکھتا تھا یہ محض اعتقادی اور گھر کی بنائی ہوئی بات ہے ہمارے مخاطب اِس بات پر کیا دلیل قائم کرسکتے ہیں کہ حواری بیان احکام وغیرہ میں مثل انبیا کے خطا سے محفوظ تھے صرف زبانی کہدینا کہ "اس مجموعہ بیبل میں خواہ قال اللہ ہو یا قال عیسے یا قال الحواری ہو سب یکساں ہے،، کافی نہیں اگر پادری صاحب کا صرف یہ اعتقاد ہے تو ہم ہرگز نہیں کہتے اور ہم کیا محققین مسیحی بھی ایسا نہیں کہتے چنانچہ تحقیق اول سے معلوم ہوا اور نہ ہمارا قرآن مجید اس مجموعہ کی تصدیق کرتا ہے کسی کے اعتقاد سے کوئی کلام واقع میں کلام الہی نہیں ہوسکتا +

الحاصل اسمیں تو کوئی شک نہیں کہ اصل انجیل کے الفاظ تو بالکل مفقود ہیں اب رہے ترجمے اُن کا حال بھی نہایت ابتر ہے الفاظ وجملوں کے تواتر کا تو کیا ذکر ہے ساری بیبل کا بھی ایک سلسلہ سند متصل ٹھیک نہیں ملتا پھر کیونکر ان کتابوں کے ہر مضمون پر صحت کا یقین ہوسکے اور اگر ہم اس سے قطع نظر کریں تو بیبل کا اختلاف جسے انگریزی میں ویریوس ریڈنگ کہتے ہیں فقدان تواتر لفظی کو ثابت کرتا ہے اور الفاظ کے اعتماد کو کھوتا ہے اسکے بیان کے لیے اعجاز عیسوی کافی ہے مگر میں اس مقام پر کسیقدر ایک فاضل جدید کی تحقیق بیان کرتا ہوں جسکا حوالہ اعجاز میں نہیں ہے جوزف انگس جو بہت بڑا فاضل مسیحی ہے اپنی کتاب ہنڈبک کے حصہ اول باب ششم فصل دوم صفحہ ۲۴ مطبوعہ ۱۸۶۸ء میں لکھتا ہے کہ کبھی کبھی کلام الہی کی عبارت متعین کرنا مشکل ہوتی ہے چنانچہ کتاب پیدایش کے باب ۴۹ ورس ۶ میں ہے دیوار کھودڈالی۔ اور بعض نسخوں میں ہے کہ وہ بیل کی کوچین

۵۱ بیبل مطبوعہ مرزاپور ۱۸۷۰ء میں ہے کہ شہرپناہ ڈھادی دیکھیے بظاہر ان دونوں ترجموں میں فرق نہیں معلوم ہوتا مگر غور سے دیکھیے تو بڑا فرق ہے دیوار عام ہے اور شہرپناہ خاص ہے اتنے ہی تغیر سے بعض مقام پر بڑا فرق ہوجاتا ہے ۱۲

کاٹ ڈالیں "۔ یہ ایک مثال ہی ہزاروں بلکہ لاکھوں اختلافات کی جنمیں سے کسیکو قطعاً مصنف کا لفظ نہیں کہہ سکتے۔ فاضل مذکور کے قول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیبل کے اختلاف عبارت اور قرآن کے اختلاف قرارت سے کچھ نسبت نہیں ہی کیونکہ اختلاف قرارت تو خود مصنف سے ہی منقول ہی وہاں تعیین میں کچھ اشکال ہی نہیں ہی بخلاف اختلاف بیبل کے کہ وہ اختلاف کاتبوں وغیرہ کی اصلاح و سہو سے پیدا ہوتے ہیں مقام غور ہی کہ مثال مذکور میں لفظ کے تغیر سے ایک خبر میں فرق آگیا اگر ایک صحیح ہی تو دوسری غلط ہی جب ایسے اختلاف ہوں تو کیونکر اُسکی صحت پر اعتبار ہو سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مخاطب تارح اور آزر کا اختلاف بیان کرتے ہیں اور قرآن کو مخالف توریت بتاتے ہیں اور اسکی خبر نہیں رکھتے کہ ایسے ایسے ہزاروں اختلاف خود اسی کتاب میں موجود ہیں پھر کیا وہ اپنی آپ مُکذّب ٹھہرے گی واے بر بیخبری ایشان۔

اور یہ امر کہ کن کن وجہوں سے ایسے اختلافات پڑگئے اہل تحقیق پر پوشیدہ نہیں ہے لیکن ہم بطور اختصار کسیقدر بیان کرتے ہیں اور شواہد اور مثالوں سے قطع نظر کرتے ہیں فاضل مذکور نے ہنڈبک کے حصۂ ۱ باب ۱ فصل ۵ میں وجوہ اختلافات اس طرح بیان کیے ہیں ؛

(دفعہ ۶۷) کتابت سے اِن نسخوں میں بہت سی غلطیاں ہو سکتی تھیں جب یہ بات خیال کیجاتی ہے کہ بڑی ہوشیاری سے چھپی ہوئی کتاب میں بہت سی غلطیاں رہجاتی ہیں تو اس امر سے کچھ تعجب نہیں ہوتا بلکہ لکھنے میں بہ نسبت چھاپنے کے زیادہ خطرہ ہے اور اصلاح و تصحیح کم ہو سکتی ہے۔

کبھی کاتب نے خود نقل کیا اور کبھی کسی نے لکھوایا پہلی صورت میں تو اسکی آنکھ نے خطا کی اور دوسری میں اسکے کان نے۔ اکثر مختلف لفظوں کے مقطع ایک ہی ہوتے ہیں یا مختلف جملوں کے آخر کا لفظ ایک ہی ہوتا ہے اس سے غلطی کا وقوع اور بھی آسان ہوجاتا ہی اور کبھی کبھی منقول عنہ کو غلط سمجھ جانے سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ کبھی تو کاتب بعض الفاظ کو غلط بیان کریگا اور کبھی اِن لفظوں کی جو بلا نشان وقف ہوتے ہیں (جیسا قدیمی نسخوں کا دستور تھا) غلط تقسیم کریگا یا منقول عنہ بالکل یا بعض مقام پر چھوٹ گیا ہو یہ اسباب غلطی کے ہمیشہ جاری تھے اِن وجوہ سے بلا قصد بھی

غلطی ہوتی تھی مگر ایسی غلطیوں سے کتاب میں کچھ بڑا اثر نہیں ہوا یہ دعوی بلا دلیل ہے جب تھوڑا اثر ہوا تو بڑے اثر کو کون مانع تھا ممکن ہے کہ بڑا اثر ہوا ہو اور اُسپر اطلاع نہوئی ہو یا اطلاع ہوئی مگر اسکا اظہار اور افشا نہوا بسبب کسی مصلحت کے جبتک اس احتمال کا جواب کافی ندیا جائے ہرگز یہ دعوی قابل سماعت نہیں ہو سکتا (دفعہ ۷۷) ایسا کہیں واقع ہوگا کہ صورت کی مشابہت سے کاتب لاجرم ایک جھوٹی عبارت بنا لیگا (دفعہ ۷۹) بہت سے اختلاف عبارتوں کی اصل مترادف مضامین کا استعمال کرنا ہے (دفعہ ۸۱) عہد عتیق کے کاتبوں کا یہ دستور تھا کہ وہ کسی لفظ کی تقسیم نہیں کرتے تھے اور سطر کے آخر میں خالی جگہ نہیں چھوڑتے تھے اگر سطر کے آخر میں جگہ رہگئی تو کسی لفظ سے پورا کر دیتے تھے یا دوسرے لفظ کے حروف ابتدائی لکھدیتے تھے اور پھر دوسری سطر میں اسکو دوبارہ لکھتے تھے اور علاوہ اسکے جاہل کاتبوں نے کبھی آخری حرف کو اصطلاحی حافظ السطور سمجھکر چھوڑ دیا ہے (دفعہ ۸۴) کبھی حاشیہ کی عبارتیں اصل متن میں ہوگئیں ہیں تصحیح یا تشریح کی غرض سے (دفعہ ۸۵) اور اختلاف عبارات قصداً بھی ہوا ہے خواہ نیک نیتی سے یا بدنیتی سے مثلاً ایک یونانی کاتب جو اپنی خالص زبان کو بلا آمیزش مشرقی محاورات کے سننے کا عادی ہے وہ عبریت کو خلاف قاعدہ سمجھکر صحیح کر دیگا۔ اور کبھی کبھی وہ یونانی لفظوں کی جگہ اور الفاظ جنھیں وہ زیادہ واضح اور آسان جانتا ہے رکھدیگا اور کبھی ایک انجیل کو دوسری انجیل سے صحیح کریگا اور کبھی مختصر کو مطول سے پورا کر دیگا اور عہد عتیق کے حوالونکو خواہ وہ عبری ہوں یا یونانی ہوں یا لاطینی اپنے نسخے کے موافق کر دیگا اور اصلی متن سے انحراف کرنیکے اور بھی باعث ہو سکتے ہیں (دفعہ ۸۶) کبھی کبھی کتب الٰہیہ کے خاص نسخہ میں جو کوئی غلطی کسی لفظ کی تہجی میں ہوگئی تو تمام نسخوں میں اُسکی رعایت رکھی ہے (دفعہ ۸۷) کبھی اس غرض سے بھی اصلاح کا قصد کیا گیا ہے کہ زبان زیادہ واضح اور آسان ہو جائے (مقام غور ہے کہ باوجود ان اصلاحوں کے کیونکر معنی کی صحت کا یقین ہو سکتا ہے اور کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ باینہمہ بالیقین مطلب میں تغیر نہیں آیا) (دفعہ ۸۸) کبھی کبھی اس غرض سے بھی تغیرات واقع ہوئے ہیں تاکہ فقرات مقابل کو یکساں کر دیں یا کہ جہاں سے حوالہ ہے اس کے موافق ہو جائے۔

(دفعہ ۹۹) کبھی کبھی کسی فقرے کو اس غرض سے بھی بدلا ہے کہ فریق کے مقصد کی تائید ہو یا جو بات کہ باعث اشاعت حق معلوم ہوتی ہے اسکی تائید ہو جائے۔ مگر ایسے قصدی تغیرات عہد عتیق میں بہت ہی نادر ہیں اور عہد جدید میں بھی بہت نہیں ہیں انتہے۔

اس فاضل مسیحی کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے قصدی تغیرات جو بسبب اثبات کسی مقصد اور اشاعت حق مظنون کے ہوئے عہد جدید میں بہ نسبت عہد عتیق کے زائد ہیں۔ واضح ہو کہ چمبرس کی سائیکلو پیڈیا جلد دوم میں لفظ بیبل کے ذیل میں لکھا ہے کہ غلطی کے اسباب اس طریق پر ترتیب دیئے گئے ہیں اول ناقص نگاہ یا بے توجہی سے غلطیاں پیدا ہوئیں چنانچہ کاتبوں نے ایک متشابہ حرف کی جگہ دوسرا حرف رکھدیا اور حرف اور الفاظ اور جملوں کو بدل دیا یا چھوڑ دیا اور اسکی کئی ایک مثالیں ہیں (الی قولہ) پنجم وہ غلطیاں جو کاتب کی جانب سے قصداً متن کے واقعی یا خیالی الہام کی توضیح یا ترمیم کی غرض سے ہوئی ہیں اس خاص امر میں سامریوں پر الزام شدید ہے انتہے مختصراً۔

اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ باوجود ایسے ایسے تغیرات قصدی کے جسکے خود محققین مسیحی قائل ہیں پھر بھی تثلیث اور ابنیت پر عہد جدید سے استدلال کیا جاتا ہے آئے بھائیو ذرا غور کرو کہ جب ثبوت مطلب اور اشاعت حق کے لیے بدل دینا صرف ممکن ہی نہیں بلکہ وقوع پا یا گیا تو کون امر ہمکو اس کہنے سے مانع ہے کہ کسی اہل تثلیث نے ازراہ دینداری اشاعت حق سمجھکر یا کسی بددین نے ازراہ شرارت ان الفاظ کو بدل دیا ہو جنسے تثلیت کی بو پائی جاتی ہے گو واقع میں یہ اشاعت حق نہو بلکہ امر باطل اور گمراہی کی اشاعت ہو مگر اس بیچارے نے بسبب اپنی غلط فہمی یا سادہ لوحی کے اس عقیدۂ باطل کو حق سمجھکر اسکی اشاعت میں سعی کی اور سعی اسکی کارگر ہو گئی یعنی اوس نسخے کی نقلیں پھیل گئیں اور اُسکے مخالف نسخے ناپید ہونا شروع ہوئے اور تثلیث کا عقیدہ خوب دلوں میں محکم ہو گیا پس جب متاخرین نے مقابلہ اور تصحیح کا قصد کیا تو اول تو صحیح نسخے ناپید ہو چکے تھے اور اگر کوئی نسخہ کسیقدر صحیح مخالف اس عقیدۂ باطل کے پا یا گیا وہ غلط ٹھہرایا گیا اور جس سے یہ عقیدہ باطل ثابت ہوتا تھا صحیح مانا گیا کیونکہ وقت مقابلہ جو قواعد تصحیح کے مقرر کئے گئے تھے اُنمیں سے یہ بھی قاعدہ تھا

کہ لپنے معتقدات کی تائید یعنی جس نسخہ سے اپنے اعتقاد کی تائید ہوتی تھی وہ صحیح سمجھا جاتا تھا اور مقابل اوسکا غلط اور مردود ہوتا تھا مثلاً یوحنا کی انجیل باب ۲۰ ورس ۲۹ میں حواریوں کا قول مسیح کی نسبت یوں ہے کہ "ہم ایمان لائے ہیں اور جان گئے ہیں کہ تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے"

یہاں محقق گریسباخ کی تحقیق یہ ہے کہ اصل میں یوں تھا کہ - تو خدا کا مقدس ہی - مگر تثلیث کی حمایت کرنے والے اس پہلی عبارت کو تسلیم کرتے ہیں اور کوئی قوی وجہ بیان نہیں کرتے بجز اسکی کہ اونکے گمان میں تثلیث کی تائید ہوتی ہے اسکے بعد جوزف انگس لکھتا ہی - جو عبارتیں ان وجوہ سے پیدا ہوئی ہیں کئی ہزار تک ہیں مگر کوئی سی عبارت مختلف لیلو مضمون میں کچھ اثر نہو گا کیا خوب کہا گیا ہی کہ کتنا ہی غلط لکھا ہوا نسخہ ہو مگر اوسمیں کتب آلہیہ کی حقیقتیں اصل میں کچھ نہ بدلینگی انتہے -

میں کہتا ہوں کہ اول تو یہ کہنا محض دل خوش کر لینا ہے مخالف اسے کب تسلیم کرتا ہی اور اگر مانا جاے کہ واقع میں ان اسباب کی جہت سے اصول ایمانیہ میں فرق نہیں آیا مگر اسمیں شک نہیں کہ بعض وہ الفاظ داخل ہوگئے جنسے بظاہر عقیدہ باطلہ کی تائید ہونے لگی گو واقع میں غلط فہمی ہو اور اُن الفاظ کے وہ معانی مراد نہوں جیسا اوسکے معتقدین سمجھے ہیں +

ہماری غرض اِن وجوہ کے بیان کرنے سے صرف یہ ہی کہ کتب مقدسہ کے الفاظ میں تغیر آگیا اور اعتماد کلی جاتا رہا کیونکہ انکی نسبت مصنف کیطرف قطعی اور یقینی نہیں چنانچہ یہ امر ہارن صاحب کی تفسیر کے اُس مقام سے بھی ظاہر ہے جہاں اُنہوں نے اختلاف عبارت اور سہو کاتب میں فرق بیان کیا ہے لکھتے ہیں کہ "جب دو عبارتیں یا زیادہ مختلف ہوں تو اُن میں سے سچی ایک ہی ہوتی ہی اور باقی قصداً تحریف ہی یا سہو کاتب اور اصل کو ساختہ سے پہچاننا اکثر دشوار ہوتا ہی پس جہاں تھوڑا سا بھی شبہہ ہوتا ہی تو سب کو اختلاف عبارت کہتے ہیں لیکن جب صریح معلوم ہو کہ کاتب نے جھوٹ لکھا ہے تو اُسکو غلطی کاتب شمار کرتے ہیں" (جلد ۲ صفحہ ۳۲۵)

اس مفسر کے کلام سے ظاہر ہے کہ بیبل میں اسطرحکا اختلاف عبارت ہی جس سے الفاظ پر اطمینان باقی نہیں رہتا اگرچہ و ٹسٹین کے مقابلے سے ایسے اختلافات کی تعداد دس لاکھ تک پائی جاتی ہی

اگر کوئی وجہ نہیں ہی کہ اس تعداد پر حصر کردیا جاے کیونکہ سب نسخوں کا مقابلہ نہیں کیا گیا اور جن کا مقابلہ کیا گیا ہی وہ بھی پورے نسخے نتھے اکثر ناقص اور بعض تو نہایت ہی ناقص تھے محض شمار بڑہانے کے لیے انکو نسخہ فرض کیا تھا چند نسخوں کے نام ڈاکٹر انگس کے ہینڈبک سے نقشہ میں لکھے جاتی ہیں *

نمبر	نام نسخہ	کیفیت
۱	برجیانوس	انجیل یوحنا کا ایک جز
۲	کوٹونیانوس	اسمیں صرف متی کے ۱۸ ورس تو ۲۲ باب کے اور نو ۲۷ باب کے اور یوحنا کی
		سترہ ورس ۱۴ باب کے اور آٹھ ۱۵ باب کے تھے۔
۳	ونڈوبوننسس	اسمیں صرف انجیل لوک کا باب ۲۴ ورس ۱۳ سے ۲۱ تک
۴	ٹوبنجنسس	اسمیں انجیل یوحنا کا باب اور س ۳۸ سے ۵۰ تک یعنی کل ۱۳ ورس کا نسخہ تھا
۵	کواسلیانوس	اسمیں پولوس کے خطوط کا ایک حصہ تھا۔
۶	لاڈیانوس	اسمیں اعمال حوارین وہ بھی ناقص
۷	ریجیوس	اسمیں لوک کا ایک حصہ تھا

پس جب الفاظ کی تعیین ثابت نہوئی تو مخالفت واقعی دریافت نہیں ہوسکتی کیونکہ کہنے والا کہہ سکتا ہی کہ مخالفت بسبب تغیر لفظ کے پیدا ہوگئی ہے اصل میں نہیں ہی جب تک یہ احتمال رفع نہو کیونکر کوئی مخالفت کو قطعی کہہ سکتا ہے اور پادری صاحب یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن مجید نے انہیں الفاظ کے ساتھ تصدیق کی ہی جواب موجود ہیں پہر انکی بے اعتباری کیا مضر ہے اسواسطے کہ اول تو جو الفاظ وقت تصدیق قرآن کے تھے اُنپر بھی یقین نہیں کیونکہ ہزاروں بلکہ لاکھوں اختلافات بعد تصدیق کے ظاہر ہوے ہیں علاوہ اسکے ہمنے پہلے ہی اسکا جواب دیدیا ہی جہاں بیان کیا ہی کہ باوجود تغیر الفاظ کے کسیقدر معنی محفوظ رہ سکتے ہیں مگر ہر شخص اُن پر مطلع نہیں ہوسکتا البتہ جو شخص اُس مطلب سے کسی دوسرے طریق سے آگاہ ہے وہی جان سکتا ہے۔

یہ مختصر بیان تو تعیین الفاظ کا کیا گیا اب تعیین معنی کا ذکر کیا جاتا ہے *

جب یہ امر ثابت ہوئے کہ یہ الفاظ وہی ہیں جو مصنف کی زبان سے نکلے ہیں تو یہ بات دیکھی جائیگی کہ جو معنے
اُن الفاظ کے لیے جاتے ہیں اُن پر وہ الفاظ قطعاً دلالت کرتے ہیں یا نہیں اگر قطعاً دلالت نہیں کرتے
بلکہ دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو تو مخالفت کا ثبوت دشوار ہے +

اور قطعی الدلالۃ کی صورت یہ ہے کہ جو معنی مُراد لیے جاتے ہیں وہ صراحتاً اُس لفظ سے سمجھے جائیں
کسی تاویل یا تفسیر کی حاجت نہو بشرطیکہ کسی نقل صریح یا عقل صحیح کے مخالف نہوں۔ کیونکہ اگر
وہ معنی صراحتاً نہیں سمجھے جاتے بلکہ تاویل کی حاجت ہو مثلاً لفظ مشترک ہو دو معنی یا زائد رکھتا ہو تو
وہ اس معنی پر قطعی الدلالۃ ہرگز نہوگا بلکہ بسبب اشتراک کے دوسرے معنی کا احتمال رہیگا البتہ اگر قراین صحیحہ
لفظیہ یا عقلیہ سے کسی معنی کو ترجیح دی گئی ہو تو وہ معنی بطور ظن اور گمان کے تسلیم کیے جاینگے نہ بطور قطع
اور یقین کے مگر جہاں قرائن سے قطعیت ہو جائے یعنی اُن معنی سے کوئی امر یقینی ثابت نہوگا البتہ
اگر ایسے قرائن لفظیہ یا عقلیہ پائے جائیں کہ دوسرے معنوں کی نفی قطعاً ہو جائے تو وہ معنی بطور یقین
تسلیم کیے جاینگے اور اگر تفسیر کی حاجت ہو مثلاً لفظ مجمل ہو تو بغیر بیان متکلم کوئی معنی اسکے نہیں کیے جا سکتے
وہاں قطعی الدلالۃ ہونیکا کیا ذکر ہے اور اگر باوجود صراحت کے کسی دوسرے مقام کی تصریح یا بدیہۃ عقل
کے مخالف ہو تو معلوم ہوگا کہ متکلم کی ہرگز یہ مراد نہیں کیونکہ متکلم یہاں اللہ تعالی عالم الغیب مانا گیا ہے
اور یہ محال ہے کہ عالم الغیب کا کلام متعارض ہو یعنی کہیں ایک امر بیان کرے اور دوسری جگہ اُسکے
مخالف ظاہر کرے بشرطیکہ یہ تغیر اور مخالفت از قبیل نسخ نہو جسکا بیان آگے کیا جائیگا اور اسی طرح
اگر بدیہہ عقل یا برہان عقلی اس معنی کے بطلان پر شاہد ہو تو بھی وہ معنی مراد نہیں ہو سکتے۔

الغرض قطعی الدلالۃ کے واسطے چار امر ضروری ہیں اوّل یہ کہ تاویل کی حاجت نہو۔ دوسرے یہ کہ
تفسیر کی ضرورت نہو تیسرے وہ معنی مخالف نص نہوں۔ چوتھے مخالف برہان عقلی نہوں پس جب
چاروں شرطیں پائی جائینگی تو بلاشبہہ وہ معنی متعین ہو جائینگے خواہ وہ معنی عام ہوں یا خاص اگر وہ معنی
عام ہیں تو صرف اپنے عندیہ سے تخصیص کر لینا جائز نہیں اور اگر کوئی تخصیص کریگا تو اس لفظ کی دلالت
اس معنی خاص پر قطعی ہرگز نہوگی اور اسی طرح خاص سے عام مراد نہ لیا جائیگا مثال اول کی لفظ علمہ ہے

جسکے معنی مطلق جوان عورت کے ہیں خواہ کنواری ہو یا بیاہی جیساکہ ولیم گزینوس اور ولیم ہوپر صاحب کی لغات عبرانی سے ظاہر ہے اب صرف کنواری کے معنی لینا اور اس عام کو خاص کر دینا جائز نہیں۔ اور اگر شرائط مذکورہ میں سے کوئی بھی شرط مفقود ہوگی تو معنی کی تعیین بطور قطع و یقین دشوار ہے البتہ بعض مقام پر بطور گمان اور ظن غالب تعیین ہو سکے گی مثلاً لفظ مشترک ہے کوئی قرینہ سیاق یا سباق کا ایسا پایا جاتا ہے جس سے ایک معنی راجح معلوم ہوتے ہیں مثلاً لفظ نجات ہے کہ اسکے معنی مخلصی یا کہیں ہوتی ہیں (دیکھو خروج باب ۱۴ ورس ۱۳) اور کہیں شفائے مرض (نامہ یعقوب باب ۵ ورس ۱۵) کہیں انجیل (نامہ عبرانیاں باب ۲ ورس ۳) مگر دلالت سیاق و سباق سے مقامات مذکورہ میں بطور ظن غالب معنی متعین کیے جاتے ہیں اور اسی طرح اگر معنی اصلی صریح مخالف نص یا دلیل قطعی کے ہیں تو ہرگز مراد نہ لیے جائینگے بلکہ وہ معنی مجازی متعین کیے جائینگے جو اس مقام پر چسپاں ہوں اور قرینہ لفظیہ یا عقلیہ اسپر دلالت کرتا ہو مثلاً وہ کلام جس سے خدا کا پچتانا یا مجسم ہونا اور مکان میں رہنا ثابت ہوتا ہے مثلاً سموئیل ۲ کے باب ۷ ورس ۵ کیا تو میرے لیے ایک گھر جسمیں میں رہوں بنایا چاہتا ہے الخ اور کتاب پیدایش کے باب ۶ ورس ۶ و ۷، تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچتایا اور اسی طرح کا مضمون ارمیا کے باب ۲۶ ورس ۳ میں ہے اسکے ظاہری معنی ہرگز مراد نہ لیے جائینگے کیونکہ سینکڑوں نصوص صریحہ اور دلائل عقلیہ کے مخالف ہیں اسپر تو مسیحی اتفاق کرتے ہیں اور یہ نہیں کہتے کہ ہمیں سے خدا کا پچتانا اور نہ پچتانا دونوں ثابت ہے یا یوں کہیں کہ نہ پچتانا خالص نہیں ہے بلکہ پچتانے کے ساتھ ملا ہوا ہے بلکہ یہی کہتے ہیں کہ خدا پچتانے سے بالکل منزہ ہے پشیمانی کا اصلا شائبہ اُس میں نہیں مگر افسوس ہے کہ تثلیث میں بہکے جاتے ہیں اور اس راہ کو اختیار نہیں کرتے باوجودیکہ سیکڑوں نصوص صریحہ کے مخالف ہے مگر زبردستی محض اشاروں اور کنایوں سے ثابت کرتے ہیں اور اُس وحدہ لاشریک کی ذات میں شرک کا دھبا لگاتے ہیں تَعَالَى اللهُ عَمَّا يَصِفُونَ مقام حیرت ہے کہ بعض مقامات پر مخالفت نص کیوجہ سے تاویل کرتے ہیں اور اسکے معنی ظاہری پر عمل نہیں کرتے مگر تثلیث کے اثبات پر اصرار ہے گو سیکڑوں نصوص صریحہ اور دلائل عقلیہ کے خلاف ہے اسے بھائیو ذرا غور کرو خدا کا پچتانا جو نص صریح سے ثابت ہے مگر اسیوجہ سے

قبول نہیں کرتے کہ مخالف دلائل عقلیہ اور نصوص صریحہ کے ہی اور باوجودیکہ تثلیث کسی قول صریح سے ثابت نہیں ہوتی پھر بھی اُس پر ایمان ہی اگر بالفرض تثلیث نص صریح سے نکلتی تو بھی پچیانیکے ثبوت سے زیادہ اُسکا ثبوت نہوتا پھر کیا وجہ ہی کہ تثلیث پر تو اصرار ہی اور پچیانیسے انکار ہی اے میرے پیارو کیوں بہکے جاتی ہو اے برگمراہی شما اور لفظ ابن اللہ کا بھی یہی حال ہی کہ مقامات کثیرہ پر انبیا اور مومنین کی شان میں آیا ہی مگر چونکہ معنی حقیقی اُسکے مخالف عقل و نقل ہیں اسلیے معنی مجازی اُسکے رسول اللہ یا برگزیدہ خدا وغیرہ کے لیے جاتے ہیں جو مطابق عقل اور نقل ہیں اور اسمیں کل عیسائی ہمارے متفق ہیں مگر جہاں حضرت مسیح کی شان میں یہ لفظ آیا ہی وہاں مسیحی بہکے جاتے ہیں اور بلاوجہ اس راہ کو اختیار نہیں کرتے عجب بات ہے کہ یہ لفظ جب اور انبیا کی شان میں آئے تو معنی اسکے رسول خدا اور برگزیدۂ خدا ہوں اور جب مسیح کے اوپر اطلاق کیا جائے تو وہ معنی لیے جائیں جو صراحۃً عقل اور نقل کے مخالف ہوں قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین ۔ الحاصل قطعًا اور یقینًا تعیین معنی کی اُسی صورت میں ہی جو بیان کی گئی اور جن صورتوں میں تعیین معنی کی بطور ظن اور گمان غالب کے ہوتی ہی اُسکے شرائط بھی مجملًا اوپر کے کلام سے ظاہر ہیں محض کسی کے عندیہ یا عقیدے سے کوئی معنی متعین نہیں ہوسکتے جن مقامات سے مسیحی تثلیث اور ابنیت مسیح ثابت کرتے ہیں وہ محض اُنکے تراشے ہوئے عندیہ کے معنی ہیں پہلے یہ عقیدہ اپنے ذہن میں مستحکم کرکے زبردستی کلام مقدس کو اپنے عقیدے کے مطابق کرتے ہیں اُنکی تعیین نہ بطور قطع اور یقین کے ہے اور نہ بطور ظن و گمان غالب کے ۔ اب میں چند اقوال ڈاکٹر انگس کے نقل کرتا ہوں ۔

جس سے میرے کلام کی تائید ہوتی ہے اور تعیین معنی کی صورتیں اور تعیین لفظ کی ضرورت معلوم ہوتی ہی ڈاکٹر مذکور اپنی کتاب کے صفحہ ۷ میں لکھتا ہی **قول اول** " کتب الہیہ کے کسی فقرہ کے حقیقی معنی وہ ہر ایک مضمون نہیں ہی جو کہ الفاظ سے نکلتا ہے اور نہ وہ ہر ایک مضمون ہی جو کہ فی نفسہ حق ہی بلکہ حقیقی معنی وہی ہیں جو الہام سے لکھنے والوں کی مُراد ہے یا بعض صورتوں میں جو خود روح القدس کی مُراد ہے گو خود ان لکھنے والوں نے اسے ناقص سمجھا ہو " ظاہراس عبارت سے تو یہ نکلتا ہے کہ لفظی معنوں کا اعتبار ہی نہیں ہے معنی صحیح اور معتبر وہی ہیں جو صاحب الہام یا روح القدس کے مُراد ہیں

ھاتوا کہہ لاؤ کوئی دلیل اپنے پاس سے اگر سچے ہو ۱۲

اور جب تک وہ بیان نکریں ہم کوئی معنی نہیں لے سکتے مگر یہ معنی عقلاً بہت بعید ہیں اور کلام مابعد کے مخالف ہیں اسلیے ہم اسکے معنی اس طرح کرتے ہیں کہ بعض مقام پر الفاظ کے ظاہری معنی نہیں لیے سکتے مثلاً ایسا لفظ ہے کہ معنی اُسکے ظاہر ہیں مگر اس معنی میں کوئی قباحت عقلاً یا نقلاً پائی جاتی ہو اس تقدیر پر وہ معنی ظاہری نہ لیے جائینگے بلکہ کہا جائیگا کہ اسکے معنی وہ ہیں جو صاحب الہام کی مراد ہیں خواہ اُسنے بیان کر دیا ہو یا نکیا ہو اسکے بعد ڈاکٹر موصوف لکھتا ہے **قول دوم** "کتب مقدسہ کا مطلب الفاظ سے تحقیق ہو سکتا ہے اسلیے الفاظ کا حقیقی علم خود مضمون ہی کا علم ہے" یہاں سے ثابت ہوا کہ تعیین الفاظ ضرور ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں پس جسوقت ہم تعیین الفاظ نہیں پاتے بلکہ مفقود پاتے ہیں تو نہایت افسوس کرتے ہیں **قول سوم** "لفظوں کے معنی زبان کے محاورہ استعمال سے مقرر کئے جاتے ہیں اور جب ممکن ہو تو محاورہ استعمال کو خود انھیں کتب مقدسہ ہی سے دریافت کرنا چاہیے"۔ افسوس ہے کہ باوجود اس قول کے پھر مسیح کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے کیا کتب مقدسہ کا یہ محاورہ نہیں کہ سینکڑوں مومنین اور انبیا کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا ہے پھر کیوں بہکتے ہو **قول چہارم** الفاظ کتب مقدسہ کے معنی معروف لیے جاتے ہیں مگر یہ کہ ایسے معنی اس فقرے کے اور الفاظ یا سیاق دلیل یا کتب مقدسہ کے اور مقاموں کے مخالف ہوں" یہی ہم بھی اوپر بیان کر آئے ہیں اب کوئی ڈاکٹر صاحب سے یہ دریافت کرے کہ جب آپ کا یہ قول ہے تو لفظ الوہیم سے تثلیث کا ثبوت جو ہزاروں نصوص صریحہ کے مخالف ہے کس طرح کیا جاتا ہے **قول پنجم** جو معنی لفظوں کو پہنائے جاویں وہ ضرور ہے کہ قرائن کے ساتھ ہوں یعنی ہمیشہ متن کے سیاق کے موافق ہوں اور جب کہ معنی معروف مخالف قرائن ہوں تو ترک کیے جائیں اور ایسے معنی لیے جائیں کہ اس فقرے اور الفاظ کے تقاضے کو پورا اور شرائط کو ادا کرتے ہوں اور ثابت ہو سکیں استعمال محاورہ خواہ کتب مقدسہ یا دیگر کتب عامہ میں ایسا طرز کلام جائز ہے" یہاں بھی میں بڑے افسوس سے کہتا ہوں کہ تثلیث کے ثبوت میں یہ قاعدہ بالکل چھوڑ دیا جاتا ہے اور برخلاف اسکے عمل کیا جاتا ہے مثلاً یوحنا کے باب دہم ورس ۳۰ میں مسیح کا قول ہے "میں اور باپ ایک ہوں" یہاں سے اتحاد حقیقی مراد لیا جاتا ہے، حالانکہ مسیح کے اور

اقوال اور محاورہ کتب مقدسہ اسکا مقتضی ہی کہ اتحاد مجازی مراد لیا جائے کیونکہ اسی بیبل میں بہت
مقامات ایسے ہیں جنمیں خدا اور مسیح میں مغائرت پائی جاتی ہی اور بعض مقام میں مسیح نے باپ کو اپنے سے
بزرگ بھی کہا ہی (یوحنا باب ۱۴ ورس ۲۸) پس واسطے مطابقت کلام کے ضرور ہوا کہ اتحاد مجازی
مراد لیا جائے یعنی وہ قرب اور نزدیکی جو انبیاء علیہم السلام اور صلحاے مومنین کو ہوتی ہی اور یہ محاورہ خود
حضرت مسیح کے قول سے ثابت ہی کیونکہ مسیح نے حواریوں کے حق میں فرمایا کہ وے جسطرح ہم ایک ہیں
ایک ہوں (یوحنا باب ۱۷ ورس ۲۲ و ۲۳) اس مقام پر کوئی اتحاد حقیقی نہیں لیتا بلکہ اتحاد مجازی مراد لیتے
ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہاں خلاف محاورہ اتحاد حقیقی مراد لیا جاتا ہے۔
اس تقریر سے واضح ہوا کہ ہمارے مخاطب نے نہ تعیین الفاظ کی رعایت کی نہ تعیین معنی کا لحاظ رکھا اور نہ
دوسرے امور مذکورہ کی پابندی کی حالانکہ یہ امور اثبات مخالفت کے لیے ضرور تھے پھر کس بھروسے پر
مخالفت کے اثبات میں اس قدر زور و شور ہے اور اپنے اعتراض کو جذر اصم اور لاجواب کہہ رہے ہیں
تنبیہ مصنف نیاز نامہ خوب غور سے ملاحظہ کریں کہ اس ایک مقدمہ سے چار جواب نیاز نامہ کے ظاہر
ہوتے ہیں **پہلا جواب** تحقیق اول سے یعنی قرآن مجید اس مجموعہ بیبل کا بتمامہ مصدق نہیں جس سے
ہمارے مخاطب مخالفت ثابت کر رہے ہیں پھر قرآن شریف پر کیا اعتراض ہے **دوسرا جواب**
تحقیق دوم سے یعنی کسی کتاب کی تصدیق و تعریف سے یہ لازم نہیں آتا کہ تصدیق کرنے والا اس
کتاب کو بتمامہ تسلیم کرتا ہی اور واجب العمل کہتا ہی اور پیلی صاحب کا قول اسکی شہادت میں نقل کیا گیا
پس جب یہ ضرور نہیں تو بعض امر میں مخالفت کیا مضر ہے **تیسرا جواب** تحقیق سوم کے شق اول سے
یعنی اس بیبل کے الفاظ پر اعتماد نہیں تاکہ معنی کی صحت پر حجت ہو سکے اور مخالفت ثابت کیجائے
چوتھا جواب شق ثانی سے یعنی ہمارے مخاطب نے فہم مطلب اور تعیین معنی میں غلطی کی ہی کہیں تو
بیبل کے بیان مطالب میں بسبب تقلید محض کے خطا کی اور کہیں پر معانی قرآن مجید اور
حدیث شریف کے فہم میں بہک گئے اور مخالفت ثابت کرنے لگے۔ الغرض اول تو اختلاف نہیں
اور اگر کسیقدر اختلاف ہو تو قرآن و حدیث پر حرف نہیں آتا کسی شاعر عربی نے سچ کہا ہی ؎

+ کم من عائب قولاً صحیحاً + وآفته من الفهم السقیم +

دوسرا مقدمہ

واضح ہو کہ اہل اسلام قرآن شریف اور مطلقاً حدیث کو یکساں نہیں سمجھتے ہیں قرآن مجید بلفظہ اول سے آخر تک بلا شک کلام خدا ہی اور قطعی الثبوت ہی کوئی لفظ اوسکا مشکوک نہیں اور احادیث دو قسم ہیں صحیح اور غیر صحیح قسم ثانی بالکل قابل اعتبار نہیں ایسی حدیث کو پیش کرنا اور اُس سے حجت پکڑنا محض نادانی ہے کیونکہ ہم اُسے رسول اللہ کا قول ہی نہیں سمجھتے اور پھر قسم اول یعنی صحیح کی دو قسمیں ہیں ایک متواتر یعنی وہ حدیث جسکی روایت کرنے والے حضرت کے زمانہ سے اسوقت تک علی الاتصال اسقدر کثیر یا ایسے معتبر ہوں کہ جھوٹ کا احتمال اُنکے کلام میں نرہے ایسی حدیثیں کمتر ہیں اور جسقدر ہیں وہ بھی وہ ہیں جنمیں تواتر معنوی ہی دوسری غیر متواتر جسکی روایت کرنے والے اسقدر یا ایسے معتبر نہوں - اہل اسلام کے نزدیک قرآن شریف اور پہلی قسم کی حدیث سے جو امر ثابت ہوگا وہ یقینی ہوگا خواہ وہ امر اعتقادی ہو یا عملی ہو مگر یہ شرط ہی کہ جو امر ثابت کیا جائے وہ قرآن اور ایسی حدیث سے صاف صاف سمجھ میں آئے ایسا نہو کہ کسی نے اپنی رائے سے استنباط کیا ہو اگر کسیکا استنباط ہے تو اُسکا ثبوت بالیقین نہوگا یہی دو امر ہیں جنسے عقیدہ ثابت ہو سکتا ہے اور دوسری قسم کے حدیث سے کوئی امر اعتقادی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ اُنکا ثبوت یقینی نہیں ہے اور عقیدے کے ثبوت کے لیے امر یقینی ہونا چاہئے پس معترض کو چاہئے کہ جب کسی امر اعتقادی کو ثابت کیا چاہے تو صرف قرآن اور حدیث متواتر سے دلیل پکڑے اور اگر امر اعتقادی نہو تو حدیث کی دوسری قسم سے بھی ثابت ہو سکتا ہے مگر یہ یاد رہے کہ جو امر ایسی حدیث سے ثابت ہوگا وہ ظنی ہوگا یقینی نہیں ہو سکتا جتنے اسلام پر اعتراض کرنے والے دیکھے کوئی ان اصول کا پابند نہیں رہتا - ہمارے معزز مخاطب نے بھی کچھ لحاظ نکیا آنکھیں بند کر کے لکھنا شروع کر دیا - ایک اور امر بھی معلوم کر لینا چاہیے جسکے سبب سے ایک غفلت کا پردہ اُٹھ جائیگا اور ہمارے مخاطب کی بیجا غلطی ظاہر ہو جائیگی وہ یہ ہی کہ اس قسم کی احادیث سے مخالفت ثابت کرنا محض بیفائدہ ہی دو وجہ سے اول یہ کہ اس

مخالفت سے یہ اعتقاد ثابت نہیں ہو سکتا کہ مذہب اسلام منجانب اللہ نہیں کیونکہ ایسی احادیث سے کوئی امر اعتقادی اور یقینی ثابت نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک حدیث کی سند جداگانہ ہی اسیوجہ سے احادیث کے متعدد اقسام ہیں بعض احادیث صحیح ہیں اور بعض غیر صحیح ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک حدیث کے صحیح ہونے سے دوسری حدیث کا بھی صحیح ہونا ضرور ہو جائے یا ایک کے غیر صحیح ہونے سے دوسرے کا غیر صحیح ہونا ضرور ہو بلکہ جسمیں صحت کے شروط پائی جائیں وہ صحیح ہی اور جسمیں نپائے جائیں وہ صحیح نہیں ہمکو اسوقت تک اختیار ہی کہ جس حدیث کی جانچ اور پڑتال کیا چاہیں تو بنظر سند اور دیگر امور صحت اور سقم کے کر سکتے ہیں اور بعد جانچ کے اگر کسی طرح کا سقم پائیں تو اسکو مرتبہ صحت سے گرادیں مذہب اسلام میں اسکے سبب سے کوئی نقص نہیں آسکتا۔ اب ناظرین مخالفت کو اسی پر قیاس کریں یعنے پادریصاحب نے جہاں حدیث ہی مخالفت بیان کی ہی وہاں اگر اُنکے تمام بیانات تسلیم کئے جائیں تو اسکا ثمرہ محققین نزدیک صرف اسقدر ہوگا کہ وہ حدیث خاص جسکا مضمون مخالف ہی ساقط الاعتبار ہو جائیگی اس سے مذہب اسلام کو کیا ضرر پہونچیگا یہ حدیث تو اس قبیل سے تھی کہ قطع نظر مخالفت کے اگر ہم جانچتے اور کسی طرح کا سقم پاتے تو ساقط الاعتبار کردیتے پھر نہایت نافہمی ہی کہ اگر ایسی حدیث سے کوئی نقص پیدا ہو تو مذہب اسلام کو ناقص کہا جائے۔ پادریصاحب یوں سمجھ لیں کہ بعض کتابوں کو تمام عیسائی پندرہ سو برس تک کلام آلہی یقین کرتے رہے اور بعد اُسکے فرقہ پروٹسٹنٹ نے تحقیق کرکے اُنھیں کلام آلہی سے خارج کردیا اور ساقط الاعتبار سمجھا پھر کیا اسکے سبب سے مذہب عیسوی ساقط الاعتبار ہو جائیگا ذرا انصاف کیجیے حاصل یہ کہ ایسے مقام پر حدیث کی مخالفت کو پیش کرنا محض نافہمی ہے اگر مخالفت کو تسلیم کیا جائے اور جو باتیں ہمنے پہلے مقدمہ میں لکھی ہیں اُنسے بھی قطع نظر کیجائے تو بھی پادریصاحب کا مدعا حاصل نہوگا۔

پس اب قابل سماعت وہی مخالفت رہی جو قرآن اور حدیث متواتر سے ہو مگر پادریصاحب نے بیان مخالفت میں عجب خبط کیا ہی نہ تو قرآن و حدیث میں تمیز کی ہی نہ حدیث صحیح اور غیر صحیح میں فرق کیا ہے اور نہ یہ دیکھا ہی کہ یہ علما کی رائے ہی نص قطعی نہیں ہر جگہ لکھدیا ہی کہ قرآن و حدیث میں آیا ہی یا حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہی گرچہ قرآن میں اُسکا پتہ نہو یا حدیث صحیح میں اُسکا نشان نملے جیسے حضرت اسمٰعیل

کے فریج ہونیکو پادری صاحب نے قرآن و حدیث کی طرف منسوب کیا ہی حالانکہ نہ قرآن میں اسکی تصریح ہی نہ احادیث میں۔ حاصل یہ ہی کہ کہیں تو پادری صاحب نے نص قرآنی کو علمائے مسیحیہ کی رائے سے مقابلہ کیا ہی جیسے مسئلہ تثلیث وابنیت اور نجات میں اور کہیں اپنی رائے کو اپنی رائے سے لڑایا ہی اور اختلاف نصوص بتایا ہی جیسا کہ اختلاف چہارم میں کیا ہے۔ اور کہیں اپنے یا اپنے علما کی رائے کو یا سنے سنائے کو نص قرآن و حدیث قرار دیکر نصوص کتب سابقہ سے ملایا ہی چنانچہ اختلاف پنجم میں اسی امر کو کام فرمایا ہی اور کہیں اپنے علما کی رائے کو ہمارے علما کی رائے سے مقابلہ کیا ہی۔ پھر افسوس ہی کہ ایسے مقابلوں کو مقابلہ کتب سابقہ اور قرآن و حدیث قرار دیا ہی اور مخالفت بیان کر کے قرآن و حدیث کو اپنا آپ مکذب ٹھیرایا ہی وائے برنافہمی ایشاں۔ مقام انصاف ہی کہ ایسی بے تحقیق باتوں سے مذہب اسلام پر کچھ الزام آسکتا ہی ہرگز نہیں بلکہ ایسی تحریر سے لکھنے والے کا اعتبار جاتا ہی اور جہالت یا خیانت کا دھبا اسکی پیشانی پر لگتا ہی مگر افسوس یہ ہے کہ فہمیدہ کم ہوتے ہیں ورنہ نیاز نامہ کوئی ایسی کتاب نہیں ہی کہ اُسے لاجواب خیال کیا جائے یا اُسپر فخر کرنا روا ہو پادریصاحب کیا اسی کتاب کو آپ لاجواب سمجھتے تھے جسکے متعدد جواب ان دو مقدموں سے ظاہر ہوگئے کیا ہی کتاب تھی کہ عرب و عجم میں کوئی جواب نہ لکھ سکا بنظر انصاف میری تحریر کو ملاحظہ کیجیے اور اپنے اُس بڑے بول کو یاد فرمائیے +

یہاں تک تو وہ امور بیان کیے گئے جو نیاز نامہ کے جواب اجمالی تھے اب میں جواب تفصیلی شروع کرتا ہوں واللہ الموفق والمعین وبہ نستعین۔

آمدم بر جواب تفصیلی و رفع مخالفت

مخالفت اول - قولہ صفحہ ۶ - کتاب مقدس میں توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید کی تعلیم صاف پائی جاتی ہی یعنی اگرچہ یہ بات بلاشبہہ مذکور ہی کہ خدا واحد ہی تاہم اُسکی ذات میں تین اقنوم ہونیکی تلقین بھی واضح اور لائح ہی یعنی اب اور ابن و روح القدس ان تینوں اقانیم سے ہر ایک خدا ہی تاہم تین خدا نہیں بلکہ خدائے وحدہ لاشریک ہی لیکن افسوس ہی کہ قرآن و حدیث باوجود تصدیق کے

ایسی اول اور خاص تعلیم کو جھٹلایا چاہتے ہیں تو اس طرح سے آپ ہی اپنے کو رد کرتے ہیں +

جواب

واضح ہو کہ ایسے عظیم الشان اختلاف کو کہ طرفین کی حقیت گویا اسی پر منحصر ہے پادری صفدر علی صاحب نے ایسا عمل چھوڑ دیا کہ ایک مقام کا بھی حوالہ نہ دیا جہاں صاف صاف یہ تعلیم[1] مذکور ہوتی ہمکو تو کہیں انجیل و توریت میں اس تعلیم کا پتہ نہیں علاوہ دونوں کتابیں اس تعلیم سے منزہ ہیں بلکہ صاف صاف خدا کے وحدہ لاشریک ہونیکی تعلیم جابجا ہے چند حوالے نقل کرتا ہوں ناظرین ملاحظہ کریں۔ استثنا باب ۳۲ ورس ۳۹ میں ہے اب دیکھو کہ میں ہاں میں ہی وہ ہوں اور کوئی معبود میرے ساتھ نہیں۔ یسعیاہ باب ۴ ورس ۳۵ یہ سب تجھی کو دکھایا گیا تاکہ تو جانے کہ خداوند تو خدا ہے اور اُسکے سوا کوئی نہیں ہے زبور ۸۶ ورس ۱۰ تو بزرگ ہے عجائب کام کرتا ہے تو ہی اکیلا خدا ہے اور اول تواریخ باب ۱۷ ورس ۲۰ اے خداوند کوئی تیرے مانند نہیں اور تیرے سوا جہاں تک ہمنے اپنے کانوں سے سُنا ہے کوئی خدا مطلق نہیں مرقس باب ۱۲ ورس ۲۸ تب فقیہوں میں سے ایک جسنے اُنکا سوال و جواب سُنکے سمجھا کہ اُسنے اُنہیں خوب

[1] تثلیث کا عقیدہ چوتھی صدی میں قسطنطین اعظم کے عہد میں تسلیم کرایا گیا ہے چنانچہ جان ڈیون پورٹ صاحب اپنی کتاب مطبوعہ لندن ۱۸۶۹ع کے صفحہ ۱۳۴ و ۱۴۲ میں لکھتے ہیں تفصیل اسکی یہ ہے کہ سینٹ اریوس نے جو اسکندریہ کے قسیسوں میں تھا جب علماء کے ذریعے سے مسیح کی انسانیت کا ثبوت پھیلانا شروع کیا تو اتھانیسیس اُسکا مقابل ہو کر تثلیث کا حامی ہوا قسطنطین اعظم نے اس نزاع کو دیکھا ۳۲۵ع میں کونسل نائیس مقرر کی اس کونسل میں تیرہ بشپ اور بہت سے پادریوں نے تثلیث ہی انکار کیا اور بعض تثلیث کے تو قائل ہوئے مگر روح القدس کی جگہ حضرت مریم کو داخل کرتے تھے اسیواسطے انکا نام مریمیا پاپسٹ رکھا گیا مگر جب قسطنطین اعظم نے علانیہ حکم دیا کہ جو شخص تثلیث سے انکار کرے گا اُسکا مال ضبط ہو کر جلاوطن کیا جائیگا اُسوقت اکثر نے بادشاہ کے خوف سے تثلیث کے عقیدے پر دستخط کر دیے اور اتھانیسیش کا عقیدہ مشہور ہوا۔ شہنشاہ کانسٹن تیوس نے اریوش کی تعلیم کو پسند کیا اور جو بڑی بڑی مجلسیں ۳۵۹ع و ۳۶۰ع آریمن اور میلن میں منعقد ہوئیں انمیں سے اکثر اس تعلیم کو قبول کرتے تھے اور اس وقت بھی یونی ٹیرین امریکہ اور لندن وغیرہ میں بکثرت موجود ہیں کلکتہ میں بھی انکا وکیل رہتا ہے یہ گروہ تثلیث کا سخت منکر ہے اور اسی انجیل سے نہایت زور شور سے توحید ثابت کرتا ہے اب ہمارے مخاطب پادری کو چھوڑ کر ملاحظہ فرمائیں کہ اگر انجیل میں صاف صاف یہ تعلیم موجود ہوتی جیساکہ اسکو ہونا چاہیے تھا تو خود اسکے ماننے والوں میں اس قدر اختلاف کیوں ہوتا اور بادشاہ کو اس جبریہ حکم دینے کی حاجت کیوں پڑتی۔ امریکن یونی ٹیرین اسوسی ایشن نے مقام بوسٹن پاس میں ایک مختصر عقائد نامہ طبع کرایا ہے اسمیں لکھا ہے کہ۔ "یونی ٹیرین مانتے ہیں ایک خدا کو جو باپ ہے نہ بطور تثلیث کے۔ یونی ٹیرین صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں جو باپ ہے نہ مریم کی نہ فرشتوں کی نہ یسوع مسیح کی"۔

جواب دیا پاس آیا اور اُس سے پوچھا کہ سب حکموں میں اول کون ہے ۲۹ یسوع نے اُسے جواب میں کہا
کہ سب حکموں میں اول یہ ہے کہ اے اسرائیل سُن وہ خداوند جو ہمارا خدا ہے ایک ہی خداوند ہے مرقس باب ۱۲
ورس ۱۷ اُسنے (یعنی مسیح نے) اُسے کہا تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنے خدا اور
اسیطرح متی باب ۱۹ ورس ۱۷ سے ۱۹ تک استثنا باب ۴ ورس ۳۵ یشعیاہ ۴۴ باب ۸ ورس اور ۴۵ باب ورس
۵ و ۶ و ۱۴ و ۱۸ و ۲۱ اول سلاطین باب ۸ ورس ۲۳ وغیرہ ہیں جو بسطرح پران مقامات میں صاف صاف
تعلیم خالص توحید کی ہے جسمیں کسیکو شک و شبہ نہیں ہو سکتا پادری صاحب ایک ہی مقام سے تثلیث
کی تعلیم نکال دیں یا یہ ثابت کر دیں کہ اسکی ذات میں تین اقنوم ہیں اس ثبوت میں پادری صاحب پر
فرض یہ بھی فرض ہے کہ ایسا مقام بتائیں جہاں یہ تعلیم صاف صاف پائی جائے پھر وہ بھی خاص حضرت
مسیح کی تعلیم ہو کیونکہ قرآن مجید نے اسیکو انجیل کہا ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ عہد عتیق سے بھی اسکا ثبوت
دیں ورنہ عہد عتیق و عہد جدید میں مخالفت لازم آئیگی مگر میں سچ کہتا ہوں کہ اس تعلیم کا صاف صاف
پایا جانا تو درکنار اشارۃً اور کنایۃً بھی نہیں پائی جاتی حضرت مسیح کی تعلیم کو جانے دیجئے کسی حواری کے
کلام سے بھی اسکا ثبوت نہیں ہوتا شاید اس مقام پر ہمارے مخاطب نامہ اول یوحنا کا باب ۵ ورس ۷
پیش کرینگے جسکا یہ مضمون ہے وہ تین ہیں جو آسمان پر گواہی دیتے ہیں باپ اور کلام اور روح القدس
اور یہ تینوں ایک ہیں ،، میں کہتا ہوں کہ اول یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ اسکی صحت اور عدم صحت سے
قرآن کو کچھ تعلق نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید یوحنا کی تحریر کو انجیل نہیں کہتا لہذا یہ حوالہ پادری صاحب
کے مفید نہوگا۔ دوسرے یہ کہ یہ حواری وہ ہیں جنھوں نے بعد مستفید ہونے روح القدس کے بھی عقائد ایمانیہ
میں غلطی کی اور مسیح کی باتونکو برخلاف سمجھا اور اسیوجہ سے ضعیف الایمان کہلائے۔ پھر اگر اس جملے کی
نسبت یوحنا کیطرف مانی جائے تو بھی لایق تسلیم نہیں ہو سکتی خصوصاً اُسوقت میں کہ صاف صاف
تمام انبیاء کرام کے تعلیم کے خلاف ہو۔ تیسرے یہ کہ محققین علمائے مسیحیہ نے مان لیا ہے کہ یہ جملہ الحاقی ہے
یوحنا حواری کا نہیں ہے اسکے ثبوت کیلئے میں زیادہ کیا کہوں بیبل مطبوعہ مرزاپور جو نہایت صحت کے
بعد چوتھے مرتبہ ڈاکٹر مقیھر صاحب کے اہتمام سے ۱۸۷۰ء میں چھپی ہے اُسکے حاشیہ کے اوپر اس جملے کی نسبت

۵ اس باب میں پانچ حوالے ہیں اسلیئے آسپر ۱۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے ۱۲

لکھا ہے "یہ الفاظ کسی قدیم نسخے میں نہیں پائے جاتے" پس یہ سند جملہ کے جعلی ہونیکا کامل ثبوت ہے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ناظرین اس امر کو بھی ملاحظہ فرمائیں کہ پادری صاحب نے اُن تحریروں پر اصلا نظر نہ کی جو ہمارے علمانے نہایت تفصیل سے اس مخالفت کے اوٹھانے میں کی ہیں رسالہ اصح الاحادیث خاص اسی بحث میں لکھا گیا ہے اظہار الحق کے چوتھے باب میں نہایت عمدہ طور سے اسکا جواب دیا ہے ازالۃ الادہام کے باب دوم میں بخوبی اسکا رد موجود ہے مگر نہیں معلوم کہ ان جوابات سے کیوں چشم پوشی کی گئی شاید پادری صاحب کی نظر سے اظہار الحق اور اصح الاحادیث نگذری ہو مگر ازالۃ الادہام تو ضرور دیکھی ہے کیونکہ نیازنامہ کے نسخ کی بحث میں اُسکی عبارت نقل کی ہے پھر کس وجہ سے اودہر لحاظ نہیں کیا گیا کیا کوئی طالب حق ان سب جوابات سے قطع نظر کرکے صرف پادری صفدر علیصاحب یا انکے ہم مشربوں کے فقط کہنے سے اس مخالفت کو تسلیم کریگا ہرگز نہیں۔ پادری صاحب کو چاہیے کہ بنظر انصاف کتب مذکورہ کا ملاحظہ کریں ان کتابوں میں بدلائل ثابت کردیا ہے کہ بیبل سے تثلیث اور الوہیت مسیح ہرگز ثابت نہیں ہوتی پس جب تک پادریصاحب کتب مذکورہ کے دلائل کو نہ اوٹھائیں ہمیں زیادہ لکھنا ضرور نہیں صرف ان جوابات کیطرف اشارہ کیا جاتا ہے جو مقدمہ اوّل سے ظاہر ہوتے ہیں +

جواب اول

ہم تحقیق اول میں ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن مجید اس تمام مجموعۂ بیبل کا مصدق نہیں بلکہ بعض مضامین کا ہے اور ہم بالیقین اُسکی تعیین نہیں کرسکتے بغیر اسکے کہ قرآن مجید ہی اسکی تعیین کرے جس مضمون کو وہ متعین کردیگا اُسے ہم بالیقین کلام خدا کہینگے اور جسکی وہ تکذیب کریگا اُسے ہم بالیقین غلطی کاتب یا فہم کی خطا کہینگے اور توریت وانجیل کا مضمون اُسے ہرگز خیال نکرینگے پس جب قرآن مجید نے تثلیث کو بدلائل واضحہ رد کیا اور باطل بتایا پس جن مقامات سے مسیحی تثلیث کو ثابت کرتے ہیں یا تو وہ انجیل نہیں یا مسیحی سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں فرقہ یونی ٹیرین وغیرہ اسی بیبل کو تسلیم کرتے ہیں اور تثلیث سے انکار کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ بالتصریح مذکور نہیں عیسائی محض استنباط کرتے ہیں۔ دیکھیے قرآن مجید کی حفاظت اور نگہبانی کہ جو مضمون توریت وانجیل کا نتھا لوگوں نے اپنی خطاء فہم سے بڑھالیا تہا اُسے صاف صاف

باطل کردیا اور جو تعلیم حضرت موسے اور حضرت عیسے اور تمام انبیاے سلف کی تھی کہ خدا وحدہ لاشریک ہی وہی الله تعالے نے امت محمدیہ کو تلقین فرمائی اگر الله ہمکو ہدایت نکرتا تو ہم بھی مثل اور اہل کتاب کے گمراہی کے گرداب میں غوطے کھاتے اور خالص توحید کو چھوڑ کر تثلیث وغیرہ پر ایمان لاتے مگر الحمد لله اُسکی رحمت نے ایسی دستگیری کی کہ ہمکو دریائے ضلالت میں ڈوبنے سے بچالیا اور سیدھا راستہ اپنے سچے نبیوں کا بتادیا و الا اُنپر جو تمام انبیاء کرام کا طریقہ چھوڑ کر دوسرا طریقہ مخالفت انبیاء کریں پاویں نصاریٰ تثلیث کے باطل کرنے سے قرآن کا مطلب یہی ہی کہ یہ مسئلہ توریت وانجیل کا نہیں ہی اب یہ کہنا کہ قرآن مجید اس مسئلہ میں مخالف انجیل ہے محض نافہمی ہے +

جواب دوم

دوسری تحقیق سے ظاہر ہے کہ ایک کتاب کی توصیف سے اُسکے ہر ایک مضمون کی توصیف وتصدیق لازم نہیں آتی خصوصًا اُس مضمون کی کہ تصدیق کرنے والا بڑے شد و مد سے اُسے رد کرتا ہو اسوقت میں کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ تصدیق کرنے والا اس مضمون کی بھی تصدیق و توصیف کرتا ہی بلکہ اس مضمون کو برا کہنا توصاف دلالت کرتا ہی کہ جن مضامین کی تصدیق مصدق نے کی ہی اُس سے یہ مضمون خارج ہے الغرض قرآن مجید نے کسیوقت تثلیث کی تصدیق نہیں کی تاکہ اُسکی تکذیب سے اپنا مکذب ٹھہرے +

جواب سوم

تحقیق سوم کے شق اول سے عیاں ہی یعنی ثبوت مخالفت کے واسطے اصلی الفاظ کا متعین ہونا ضرور ہے اور انجیل میں یہ بات پائی نہیں جاتی جب الفاظ پر اعتماد نہیں ہی تو اُسکے معنی پر کیونکر یقین ہو سکتا ہے حاصل یہ ہے کہ ہماری تحقیق سوم سے ظاہر ہی کہ صرف انجیل مروجہ کے الفاظ سے کسی مضمون پر استدلال نہیں ہوسکتا کیونکہ یقینًا نہیں کہہ سکتے کہ یہی مضمون انجیل کا ہی جو بظاہر ان لفظوں سے سمجھ میں آتا ہی خصوصًا اُس وقت میں کہ انجیل کا محافظ ونگہبان اسکو غلط بتاتا ہوا ور رد کرتا ہو اس صورت میں تو یقین ہو جائے گا کہ یہ مضمون ہرگز انجیل کا نہیں ہے +

جواب چہارم

تحقیق سوم کی شق دوم سے ظاہر ہوتا ہی تقریر مذکور سے جواب اجمالی کل مخالفتوں کا اور بالتخصیص اس مخالفت کا ظاہر و عیان ہو یعنے جو معنے ان درسوں کے لیے جاتے ہیں وہ بالیقین نصوص صریحہ اور دلائل عقلیہ کے مخالف ہیں پس بشہادت عقل اور بموجب قول چہارم ڈاکٹر انگس انکے یہ معنی نہیں جو اہل کتاب سمجھتے ہیں یہاں تک اختلاف اول کے جواب سے ہو چکے اب پادری صاحب کے بعض اقوال سے کسیقدر تعرض کیا جاتا ہی اور انکی غلطی بیان کیجاتی ہی +

قولہ صفحہ ۹۰ - اگر کوئی کہے کہ یہ بات مطلق میری فہم میں نہیں آتی +

جواب پادری صاحب اس طرح کوئی اہل فہم اعتراض نہیں کرتا جس طرح آپنے بیان کیا ہی بلکہ یہ محض نافہموں کی تراشی ہوئی تقریر ہے ہمارا اعتراض یہ ہی کہ تثلیث بدلائل عقلیہ باطل ہی اور بالیقین اسکے بطلان پر عقل حکم کرتی ہی کسی طرح تردد نہیں کرتی پس ایسی تعلیم ہرگز خدا کیطرف سے نہیں ہو سکتی جو بالیقین عقل کے نزدیک باطل ہو اسکی وجہ یہ ہی کہ اگر عقل کے حکم کا بالکل اعتبار نکیا جاوے تو اثبات رسالت اور نبوت کچھ نہیں ہو سکتا تمام کارخانہ دین درہم و برہم ہوا جاتا ہی اور یہ لاکھ کا گھر سب خاک میں ملا جاتا ہی کیونکہ اول جسکے سبب سے خدا کو جانا اور انبیا کو پہچانا وہ عقل ہی ہی اسی سے دریافت ہوا کہ انبیا کا آنا ضرور ہے اسی عقل نے ہمکو بتایا کہ فلاں فلاں سچا نبی ہے اور فلاں جھوٹا ہی اگر عقل کے حکم کا اعتبار نہو تو خدا کے وجود اور انبیا کی صداقت پر کیا دلیل ہوگی اور کس وجہ سے ہم یقین کرینگے کہ انبیا کا آنا ہماری ہدایت کیلئے ضرور ہے کیونکہ ان امور کو تو بذریعہ عقل مانا تھا جب عقل کے حکم کا اعتبار نرہا تو جو امور اُس سے ثابت ہوئے تھے وہ سب غیر معتبر ہوگئے جب وجود خدا اور انبیا ثابت نہوا تو احکام دین اور شرائع سابقین و لاحقین کیونکر ثابت ہو سکتے ہیں یہ فرع ہیں پہلے امور کی جب جڑ ہی ندارد ہی تو شاخ کا وجود کس طرح ہو سکتا ہی الغرض براہین قطعیہ عقلیہ کا اعتبار ضرور ہی چنانچہ امور مذکورہ میں بالاتفاق اسکا اعتبار کیا جاتا ہی کوئی عیسائی اسکا انکار نہیں کرتا پس جو عقل کہ خدا کے ہونے اور انبیا کے آنے پر شہادت دیتی ہی وہی تثلیث کے بطلان پر گواہ ہے پھر کیا وجہ ہے کہ بطلان تثلیث پر اُسکی گواہی معتبر نہو-

پادری صاحب اس اعتراض کا جواب دیجئے کیا آپنے تقریر لاطائل کرکے کاغذ کو سیاہ کیا ہی - اے صاحب

عقل میں نہ آنا اور بات ہی اور عقل کا بدلیل باطل بنانا اور بات ہی ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہی عقل میں نہ آنیکے تو یہ معنی ہیں کہ عقل اُسکے ابطال اور اثبات دونوں میں متحیر ہی کچھ نہیں کہہ سکتی اور تثلیث ایسی نہیں بلکہ اسکے بطلان میں تو براہین قطعیہ قائم کرتی ہی پس اسکو عقل سے باہر سمجھنا محض بیعقلی ہی اور اگر اُن براہین کے دیکھنے کا شوق ہو تو اظہار الحق اور اصح الاحادیث اور تشخیص المقال ملاحظہ کریں

قولہ عقل قاصر ہیں یہ بات کہاں کہ ذات مطلق کے ادراک کا دعوی کرے۔

جواب پادری صاحب عبث یہ تقریریں کررہے ہیں الصاحب یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ ذات باری تعالے کا ادراک نہیں ہو سکتا مگر تثلیث کو ذات کون کہتا ہی یہ تو ایک وصف ہی کہ ذات کو عارض ہوتا ہی اور ذات کے عدم ادراک سے وصف کا عدم ادراک لازم نہیں آتا ملاحظہ کیجئے کہ اللہ تعالے کا وجود ہمنے بذریعہ اُسکی صفات کے جانا ہے اگر اُسکی صفت کا ادراک نکرتے تو اُسکی ذات کا کیونکر اقرار کرتے۔ الغرض تثلیث کا ادراک اور ابطال ذات کے ادراک پر موقوف نہیں بلکہ ہم تثلیث کا بطلان بغیر ادراک ذات بلاشبہہ کرتے ہیں۔

قولہ مسئلہ تثلیث جو اسرار ماہیت خدا سے ہی دلائل عقلی سے اسکا ثبوت و بطلان دونوں ناممکن ہیں

جواب تثلیث کا اسرار ماہیت خدا سے ہونا کہیں سے ثابت بھی ہی یا زبردستی ایک ناممکن امر اسرار ماہیت میں داخل کیا جاتا ہی اگر یہی حال ہی تو ہر ایک مذہب والا اپنے خرافات اور غیر ممکن امور کو اسرار ماہیت خدا میں داخل کرکے مخالفوں کا منہ بند کر سکتا ہی ہم تو ثبوت توحید میں بائبل سے بہت سی نصوص پیش کرتے ہیں آپ تثلیث کے ثبوت میں ایک ہی نص پیش کیجئے علاوہ اسکے ہم تو اسکے بطلان میں قطعی دلائل پیش کرتے ہیں پھر ناممکن کہنا عجب بات ہی

قولہ مگر اس بات کو فراموش نکرنا چاہیئے کہ ابھی یہ گفتگو نہیں ہو کہ آیا تعلیم تثلیث درست ہی یا نہیں۔

جواب اگر اس تعلیم کے درست ہونے میں گفتگو نہیں تھی یہ تمام ورق کس لئے سیاہ کیا ہی یا دریعیا جب ابھی جو آپنے تقریر کی کہ تثلیث اسرار ذات الٰہی سے ہی اور ذات الٰہی کا ادراک عقل قاصر سے نہیں ہو سکتا یہ کسلیے کہ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہی کہ جب آپ تثلیث کے درست ہونیکی توجیہ کرچکے تو خیال آیا کہ یہ کیا بیہودہ لچر توجیہ ہی اہل شعور کے نزدیک محض ابلہ فریبی میں داخل ہی اسلیئے اُس سے گریز کیا اور فرمایا کہ ابھی

تعلیم تثلیث کے درست ہونمیں گفتگو نہیں بلکہ یہ دکھایا جاتا ہے کہ یہ تعلیم کتاب مقدس میں صاف موجود ہے جسکو قرآن و حدیث کلام اللہ بتاتے ہیں ہیں کہتا ہوں کہ پادری صاحب نے کچھ دکھایا بھی یا شروع سے اب تک دعوی ہی ہو رہا ہے آپ نے تو ساری کتاب میں کہیں بھی ثابت نہیں کیا کہ جس کتاب کی قرآنمجید تصدیق کرتا ہے اس میں تثلیث کی تعلیم صاف صاف موجود ہے۔

قولہ لیکن افسوس ہے کہ باوجود اس تصدیق کے پھر اُسی کتاب کی ایسی خاص تعلیم کو جھٹلایا چاہتا ہے۔

جواب پادریصاحب قرآن مجید نے اس تعلیم کی کبھی تصدیق نہیں کی اور کتاب کی تصدیق سے اس تعلیم کی تصدیق لازم نہیں آتی ہے اور یہ بھی یاد رکھیے کہ یہ جھٹلانا نہیں ہے بلکہ آپکے بزرگوں کی غلط فہمیوں پر تنبیہ ہے چونکہ انجیل کا نگہبان اور امین ہے اسلیے اُنکی نگہبانی اور امانت داری کرتا ہے تاکہ اصلی انجیل کے مضامین ضرور یہ محفوظ رہیں جس وقت چشم انصاف سے آپ اس امر میں غور فرمائینگے اسوقت اظہر من الشمس ہو جائیگا کہ تثلیث کی تعلیم ہرگز منجانب اللہ نہیں اور اصلی انجیل کا ہرگز یہ منشا نہیں اور قرآن مجید بلاشک اُس خداے وحدہ کا کلام ہے جو شرک یعنی تثلیث وغیرہ سے بالکل مبرا اور نہایت بیزار ہے۔

دوسرا اختلاف

کتاب مقدس سے خداوند مسیح کی الوہیت اور ابنیت نصوص صریحہ سے ثابت ہے۔ مگر قرآن و حدیث گویا اسی بات کے درپے ہیں کہ اس تعلیم کو جڑ سے اُوکھاڑیں (صفحہ ۱۱ نیاز نامہ مطبوعہ ۱۸۸۶ء)

جواب

بیشک قرآن مجید و حدیث اس بات کے درپے ہیں کہ اس تعلیم شرک کو جڑ سے اوکھاڑ کر پھینک دیں۔ قرآن شریف خدا کی خالص توحید پھیلانے کیلیے آیا ہے وہ کیونکر نہ شرک کو جڑ سے اوکھاڑیگا جس طرح بت پرستی کی بیخ و بن اوکھاڑی اسی طرح اسکی بھی اصلیت کو مٹایا اور ظاہر کر دیا کہ یہ تعلیم ہرگز خدا کیطرف سے نہیں پادری صاحب نے اتنا بڑا دعوی تو کیا مگر ایک حوالہ بھی نہ دیا جس سے صاف صاف الوہیت یا ابنیت مسیح کی ثابت ہوتی خیر کیا کیجیے پادری صاحب کی عادت ہے کہ اکثر دعوی ہی پر اکتفا کرتے ہیں دلیل کی طرف توجہ کم فرماتے ہیں اس اختلاف کے بھی وہی جوابات ہیں جو پہلے اختلاف کے جواب میں بیان

کیسے گئے اور مقدمہ اولیٰ میں بھی بالتخصیص اسکا جواب دیا گیا ہے اب انکے مکرر ذکر کی حاجت نہیں مگر میں یہاں دوسرا جواب دیتا ہوں اہل انصاف ملاحظہ کریں مخفی نہ رہے کہ حضرت مسیح کی الوہیت یا ابنیت کا ثبوت کتاب مقدس سے ایسا بدیہی البطلان ہے کہ کوئی عاقل منصف مزاج اسکا دعوی نہیں کر سکتا مسیح نے تادم عروج کبھی ایسا خیال نہیں کیا بلکہ شاید اسی خیال کے دفع کیلیے ایک شخص کے جواب میں یوں ارشاد فرمایا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے کہ نیک کوئی نہیں مگر ایک خدا (مرقس باب ۱۰ ورس ۱۸) اور انجیل لوقا باب ۱۸ ورس ۱۸ و ۱۹ آیت میں ہے کہ " ایک سردار نے اُس سے پوچھا کہ اے نیک اُستاد میں کیا کروں کہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوں یسوع نے اُسکو کہا تو کیوں مجھکو نیک کہتا ہے کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا" اور ایسا ہی انجیل متی کے باب ۱۹ ورس ۱۷ میں ہے ✦

تعجب ہے کہ باوجود اس قول کے حضرت مسیح کی الوہیت اور ابنیت ثابت کیجاتی ہے یہ قول تو الوہیت مسیح کی جڑ اوکھیڑتا ہے یہاں وہ تاویل بھی نہیں چل سکتی کہ مسیح جس طرح آلہ تھے اسی طرح انسان بھی تھے پس انسانیت کی جہت سے وہ ایسے کلمات کہتے ہیں کیونکہ اہل تثلیث کے عقیدے میں مسیح کی انسانیت تمام انسانوں کی انسانیت سے برتر ہے اور اُسمیں نقص اور گناہ کا بالکل شائبہ نہیں ہے پھر جب وہاں کسی طرح کا نقص اور گناہ نہیں ہے تو حضرت مسیح کا اپنے تئیں نیک قرار نہ دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ کسر نفسی سے بھی وہی قول صحیح ہو سکتا ہے جسکی صحت واقعی کسی وجہ سے ہو سکے مثلاً اور انسان کیسا ہی نیک ہو مگر چونکہ اُسکی انسانیت میں نقص ہے تو اس نظر سے اپنے آپ کو ناقص کہہ سکتا ہے اور حضرت مسیح تو ہر طرح کامل ہیں اُنکی انسانیت بھی بُرائی سے ہر طرح منزہ ہے وہاں نکوئی کی نفی کسی طرح نہیں ہو سکتی پس جب نکوئی کی نفی کی گئی تو ثابت ہو گیا کہ مثل اور انسانوں کے حضرت مسیح بھی انسان تھے پھر یوحنا کا باب ۲۰ ورس ۱۷ ملاحظہ کیجیے مسیح فرماتے ہیں "میں اوپر اپنے باپ اور تمہارے باپ پاس اور اپنے خدا اور تمہارے خدا پاس جاتا ہوں" انصاف کا مقام ہے کہ حضرت مسیح کیسا صاف صاف خدا کی خدائی اور اپنی عبدیت کا اقرار کر رہے ہیں افسوس ہے اُنپر کہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے پھر یوحنا کے باب ۸ ورس ۲۸ میں حضرت مسیح کا قول اس طرح منقول ہے "میں آپ سے کچھ نہیں کرتا مگر جیسے میرے

باپ نے مجھے سکھلایا ہیں وہ باتیں کہتا ہوں" اور اُسیکے باب ۵ ورس ۳ میں مسیح کا قول یہ ہی کہ "میں آپ سے کچھ نہیں کر سکتا جیسا ہیں سنتا ہوں حکم کرتا ہوں اور میری عدالت درست ہی کیونکہ اپنی مرضی کو نہیں پر باپ کی مرضی کو جسنے مجھے بہیجا ہی چاہتا ہوں"۔ ناظرین ملاحظہ کریں کہ کس صفائی کیساتھ حضرت مسیح اپنی عبدیت ثابت کرتے ہیں یہی مضامین انجیل کے ہیں جنھیں قرآن مجید نور و ہدایت کہتا ہے انھیں کی تصدیق کرتا ہی اسکے مخالف اور معارض جو تعلیم ہے وہ محض عیسائیوں کی بناوٹ ہے نہایت حیرت کا مقام ہی کہ باوجود ان نصوص صریحہ کے عیسائی حضرت مسیح کو خدا کہتے ہیں اے صاحبو حضرت مسیح کا ایک ہی ارشاد ایسا نکال دو جس سے اس صفائی کے ساتھ اُنکی الوہیت کا ثبوت ہوتا ہو اگر آپ کو کہیں اشارہ کنایہ معلوم ہو تو اُسکا جواب نوید جاوید ازالۃ الاوہام اصح الاحادیث وغیرہ میں ملاحظہ کرو۔ عیسائیوں کا ایک استدلال یہ بھی ہی کہ مسیح کو ابن اللہ کہا ہی مگر یہ نہیں دیکھتے کہ اور انبیائے بنی اسرائیل پر بھی یہ اطلاق آیا ہی مثلاً کتاب خروج باب ۴ ورس ۲۲ میں حضرت موسے کی نسبت یوں ارشاد ہوا "تب تو فرعون کو یوں کہیو کہ خداوند نے یوں فرمایا ہی کہ اسرائیل میرا بیٹا ہی بلکہ میرا پہلوٹھا ہے" اور یرمیاہ کے باب ۳۱ ورس ۹ میں ہی "کیونکہ میں اسرائیل کا باپ ہوں اور افرائیم میرا پہلوٹھا ہے" پہر جس طرح کے بیٹے حضرت موسے اور افرائیم ہیں ایسے ہی حضرت مسیح کو سمجھیے ہم بڑے متحیر ہیں کہ اسی ابن اللہ کے اطلاق سے اور انبیاء وغیرہ تو الوہیت میں شامل نہیں کئے جاتے اور خدا کے ساتھ اُنکو اتحاد نہیں ہوتا اور حضرت مسیح الوہیت میں شامل کئے جاتے ہیں۔ اے بہائیو کیوں بہکے جاتے ہو ذرا سوچو اور غور کرو ابن اللہ کے اطلاق سے الوہیت ہرگز ثابت نہیں ہوتی بلکہ بطور پیار و اخلاص کے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہی جیسے اور انبیاء پر اور ایسا بھی ہوتا ہی کہ جس شخص کو کسی شئے سے خصوصیت ہوتی ہی اس شخص کو اسکا بیٹا کہدیتے ہیں یہ محاورہ بھی عہد عتیق و جدید میں شائع ہے چنانچہ لوقا کے باب ۱۰ ورس ۶ میں ہی اگر سلامتی کا بیٹا وہاں ہوگا الخ۔ دیکھو نیکوکار کو سلامتی کا بیٹا کہا اسی طرح بد۔ کاروں کو شیطان کا بچہ اور خبیث کا بیٹا کہا گیا ہی چنانچہ اول سموئیل کے باب ۲ ورس ۱۲ میں عیلی کے بیٹوں کو بنی بلعال یعنی خبیث کا بیٹا کہا ہے اور ایسا ہی استثنا کے باب ۱۳ ورس ۱۳ میں بعض

لوگوں کو بنی بلیعال اور شیطان کا بچہ کہا ہے پس جسطرح ان مقامات پر بسبب خصوصیت کے اس شے کا بیٹا کہا گیا ہے اسی طرح حضرت مسیح کو کہا گیا یعنی مسیح چونکہ خدا کے رسول اور خدا کے خاص بندے تھے اسوجہ سے انکو خدا کا بیٹا کہا گیا۔ جب کتاب مقدس کے استعمال اور بول چال سے ثابت ہی کہ بسبب خصوصیت کے ایک شخص کو ایک شے کا بیٹا کہتے ہیں تو کیون یہ معنی چھوڑکر مسیح کو خدا کہا جاتا ہی اور ابن اللہ کے وہ معنی لیے جاتے ہیں جو سینکڑوں نصوص صریحہ کے مخالف ہیں۔ ڈاکٹر انگس کا قول سوم یاد کیجئے وہ کہتے ہیں کہ "لفظوں کے معنی زبان کے محاورہ اور استعمال سے مقرر کیے جاتے ہیں اور جب ممکن ہو تو محاورہ استعمال کو خود انھیں کتب مقدسہ ہی سے دریافت کرنا چاہیئے" اسکے سوا جن جن مقامات سے مسیحی استدلال کرتے ہیں اُن سب کا تفصیلی جواب ان کتابوں میں مذکور ہی جنکا میں حوالہ دے آیا ہوں افسوس ہے کہ پادری صاحب نے اس طرف اصلا توجہ نکی پھر ہم کس طرح یقین کریں کہ پادری صاحب کو اظہار حق منظور ہے واضح ہو کہ یہ توجیہین ہماری محض تبرعا ہیں اور آپ کو متنبہ کرنا منظور ہی کہ آپ اپنی کتاب کو نہیں سمجھتے ورنہ ہمیں اس قدر کہنا کافی ہی کہ قرآن مجید جو توریت و انجیل کے مطالب اصلیہ کا حافظ و امین ہے وہ اس تعلیم کو غلط بتا رہا ہے اور اصلی انجیل کا مطلب اس طرح بیان کرتا ہے قَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ (مائدہ ایہ ۷۵) مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا اور تمہارا پروردگار ہی بے شبہ جسنے شریک کیا اللہ کا (جیسا عیسائی کرتے ہیں) بتحقیق حرام کردی اُسپر اللہ نے جنت اور اُسکا ٹھکانا آگ ہے پس یہ تعلیم اصلی انجیل کی ہی جو اُسکے حافظ و امین نے بیان کی نہ وہ تعلیم جو صریح شرک ہی ممکن نہیں کہ شرک آمیز تعلیم انجیل کی ہو جس کتاب میں یہ تعلیم ہو وہ کسی طرح منجانب اللہ نہیں ہوسکتی باوجود ان دلائل واضحہ کے پھر مسیح کو خدا کہنا (نعوذ باللہ منہ) بڑی بے ایمانی اور کفر کی بات ہی اہل حق کی خدمت میں ایک عرض یہ بھی ہی کہ اہل تثلیث کی یہ تعلیم بلاشک و شبہہ توریت کے بالکل مخالف ہی کسیوقت توریت کے ماننے والوں نے مسیح کو خدا کا حقیقی بیٹا نہیں سمجھا اور کتب سابقہ میں کہیں اسکا اشارہ بھی نہیں پایا جاتا ہے بلکہ صاف صاف خدا کو یکتا اور بینظیر بتایا ہے پھر ایک دو جگہ نہیں بلکہ نہایت کثرت سے اسکی

تعلیم ہے صحیفہ یرمیا کا باب ۱۰ آورس ۶ و ۷ ملاحظہ کیجئے "اے خداوند تیرا کوئی نظیر نہیں ہی۔ قوموں کے سامنے حکیموں کے درمیان انکی ساری مملکتوں کے بیچ تیرا ہمتا کوئی نہیں ہی" اسی طرح سلاطین دوم ۱۹/۱۵ اور یسعیا ۴۴/۶ و ۴۶/۹ و زبور ۸۶/۸ اور استثنا ۴/۳۵ وغیرہ میں ہی اور اسی مضمون کے بعض حوالے پہلے اختلاف میں بھی گذرے ہیں پہر جب توریت اور دیگر صحیفوں میں جابجا کثرت سے خدا کو یکتا اور بینظیر بتایا ہی اب اگر انجیل میں خدا کا ایسا بیٹا بتایا ہو جو خدا کے مانند ہو تو بلاشبہ توریت اور صحف سابقہ سے انجیل مخالف ہوگی اور اپنے آپ مکذّب ٹھہریگی کیونکہ جسکی تصدیق کرتی ہی اُسکے صاف صاف مخالف ہی

تیسرا اختلاف

توریت وانجیل وصحف انبیائے کرام ہم آواز ہوکر صاف شہادت دیتے ہیں کہ خدا نے گنہ گاروں کی نجات کے لیے ایک ہی راہ ٹھہرائی ہی وہ یہ ہے کہ جیسا کلام مقدس میں ارشاد ہوا کہ خدا نے جہان کو ایسا پیار کیا کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو بخشدیا کہ جو کوئی اسپر ایمان لاوے ہلاک نہووے بلکہ ہمیشہ کی زندگی پاوے۔ جسکا مطلب کتاب مقدس کے اور مقاموں کے ملانیسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا ازلی وابدی بیٹا انسان کی نجات کے لیے اس جہان میں آیا اور اُسنے انسان کے گناہوں کے عوض انواع واقسام کی تکالیف اُوٹھا کر صلیب پر اپنی جان کو کفارہ میں دیا تاکہ آدمیوں کے بدلے اُنکے گناہونکی سزا آپ اوٹھا کے خدا کی عدالت کو پورا کرے اور گنہ گار کو سزاے ابدی سے رہائی بخشے مگر قرآن وحدیث اسکو رد کرتے ہیں اور دوسری انوکھی راہیں ٹھہرانا چاہتے ہیں اس سے اُسی کتاب کی بباطن تکذیب کرتے ہیں جسکی بظاہر تصدیق کی ہی لہذا حقیقت میں آپ ہی رد ہو جاتے ہیں انتہی ملخصاً صفحہ ۱۲ و ۱۴ و ۱۵۔

جواب

یہاں پر بھی پادری صاحب نے موافق اپنی عادت کے اپنے دعوی کو ثابت نکیا اور ایسے عظیم الشان امر کے ثبوت میں کوئی آیت پیش نکی جس سے اُن کا دعوی یقینی طور سے ثابت ہوتا پہلے جو انجیل یوحنا باب ۳

کی سولہویں آیت نقل کی ہے وہ بہت صحیح اور بالکل قرآن مجید کے مطابق ہے بیشک خدا تعالے نے اپنا پیارا بیٹا یعنی اپنا برگزیدہ رسول مسیح کو بھیجا جو کوئی اُسپر ایمان لائے نجات پائے اسی طرح تمام انبیا کا حال ہے اُن میں سے اگر ایک پر بھی ایمان نہ لائیگا ہلاکت ابدی میں گرفتار ہوگا اور جو اُن پر ایمان لائیگا حیات سرمدی پائیگا اسکے بعد جو پادری صاحب اس صاف و صریح مطلب کو اپنی طرف سے ملا کر بگاڑ رہے ہیں وہ محض تثلیث پرستوں کی بناوٹ ہے اُسے کلام خدا سے کچھ واسطہ نہیں ہے ہمنے کتب مقدسہ کے اور مقاموں کو خوب ملا کر دیکھا ہے۔ چونکہ پادری صاحب نے اپنے دعوی کے ثبوت میں کوئی دلیل پیش نہیں کی اسلیے ہمیں اسقدر اُسکے جواب میں لکھنا کافی تھا خصوصاً اُسوقت میں کہ پہلے مقدمہ میں ہر ایک اختلاف کے چار چار جواب ہوگئے ہوں مگر میں اسقدر پر کفایت نہ کرونگا بلکہ کتب مقدسہ کے اور مقامات بھی نقل کرکے اپنے دعوی کی حقیقت کو دکھاؤنگا تاکہ طالب حق کو کسی طرح کا شک باقی نہ رہے اور ناظرین پر بخوبی واضح ہو جائے کہ پادری صاحب کسقدر گول گول بات کہکر عوام کو دھوکا دیا چاہتے ہیں۔

واضح ہو کہ توریت و انجیل اور باقی صحیفے اور قرآن و حدیث سبکے دیکھنے سے بخوبی روشن ہو جاتا ہے کہ سب ایک زبان ہو کر پکار رہے ہیں کہ مدار نجات خداوند رحیم کا فضل و کرم ہے جسپر اسکا فضل ہوا اُسے نجات پائی اور جو اُسکے کرم سے محروم رہا وہ ہلاکت ابدی میں پڑا بعض حوالے بیبل اور قرآن مجید کے لکھے جاتے ہیں جنسے اس دعوی کا ثبوت بخوبی ہوتا ہے ناظرین ملاحظہ کریں۔

ہولی بیبل

زبور ۱۳۰ ورس ۳ و ۴ و ۷ اے یاہ اگر تو گناہ کا حساب لے تو اے خداوند کون ٹھہر رہیگا پر تیرے پاس تو مغفرت ہے اے اسرائیل خداوند پر توکل کر کہ رحمت خدا کے پاس ہے اُسکے پاس کثرت سے مخلصی ہے اور افسوں کے باب ۲ ورس ۵ وہ ہمکو جو گناہوں کے سبب مردے تھے

قرآن مجید

وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ سورۂ دخان میں اللہ تعالے پرہیزگاروں کی تعریف کرکے فرماتا ہے۔ بچالیا انکو جہنم کے عذاب سے تیرے پروردگار کے فضل نے۔ اور سورہ زمر کی آیت ۵۲ یہ ہے يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا

ہولی بیبل

مسیح کے ساتھ جلایا ہم فضل ہی کے سبب بچ گیے کیونکہ تم فضل کے سبب ایمان لاکے بچ گئے ہو اور یہ تم سے نہیں خدا کی بخشش ہے۔ اور زبور ۷۸ ورس ۳۸ میں ہی " پر وہ رحیم ہی اور اُسنے اُسکی بدکاریاں بخشیں اور اُنہیں ہلاک نہ کیا" گنتی باب ۱۴ ورس ۱۹ و ۲۰ میں ہی "اب تو اپنی رحمت کی فراوانی سے اس امت کا گناہ بخش دیجئے جیسا تو مصر سے لیکے یہانتک اُنہیں بخشتا رہا ہی خداوند نے فرمایا کہ مینے تیرے کہے سے بخشا" میکہ باب ۷ ورس ۱۸ میں ہی "تجھسا خدا کون ہی جو بدکاریکو معاف کرے اور اپنی میراث کے باقی لوگوں کے گناہوں سے درگذرے وہ اپنا غصہ ہمیشہ تک نہیں رکھ چھوڑتا ہے کیونکہ وہ رحم کرنے سے بہت خوش ہے۔

قرآن مجید

تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝

اے میرے بندو جنھوں نے زیادتی کی ہی اپنی جانوں پر نا امید نہو خدا کی رحمت سے بیشک اللہ بخشدیتا ہی تمام گناہوں کو کیونکہ وہی ہی بخشنے والا مہربان اور رجوع ہو اپنے پروردگار کیطرف اور اُس کے مطیع ہو پہلے اس سے کہ تمپر عذاب آوے پھر کوئی تمھاری مدد کو نہ آویگا۔ اس آیت سی صاف ظاہر ہے کہ نجات رحمت پر منحصر ہے اور ہر ایک بندے کے لیے رحمت کا دروازہ کھلا ہی مگر خدا کی طرف متوجہ ہونا اور اطاعت کرنا چاہیے۔

اسی طرح سورہ نسار کی آیات ۶۹ و ۷۰ و ۱۷۵ سے بھی ظاہر ہے۔

الحاصل یہ امر تمام کتب مقدسہ سے بالیقین ثابت ہی کہ نجات خدا کے فضل پر ہے اب اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ خدا کا فضل کسپر ہوگا تو اسکا جواب قرآن مجید کی آیت منقولہ سے تو معلوم ہو چکا ہی کہ نزول رحمت کے لیے توجہ اور اطاعت چاہیے اور سورہ جاثیہ کی آیت ۳۰ میں ہی کہ جو ایمان لایا اور نیک کام کیے اُنکو خدا اپنی رحمت میں داخل کریگا اسکا مآل بھی وہی ہی جو پہلی آیت میں ذکر کیا گیا اور یہی امر بیبل کے ملاحظہ سے ثابت ہوتا ہی اگرچہ صحیفہ دانیال میں یہ آیا ہی کہ خدا جسے چاہے بخشتا ہے (دیکھو دانیال ۹ ۹ مگر اور مقامات پر صاف صاف فرمایا ہے " پر اُنمیں سے ہزاروں پر جو مجھے پیار کرتے اور میرے

حکموں کو حفظ کرتے ہیں رحم کرتا ہوں (خروج ۲۰ واستثنا ۵) حضرت داؤد فرماتے ہیں خداوندکی رحمت اُنپر جو اُس سے ڈرتے ہیں ازل سے ابد تک ہی اور اُسکی صداقت فرزندوں کے فرزندوں پر جو کہ اسکے عہد کو حفظ کرتے ہیں اور اُسکے حکموں کو یاد کرکے اُنپر عمل کرتے ہیں (زبور ۱۰۳)۔

غرضکہ اسمیں بہی اتفاق ہی کہ مطیع اور فرمانبردار پر خدا کا فضل ہوگا۔ ان دونو باتوں کے ملانیسے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ جو ایمان لائے اور شریعت آلہی پر عمل کرے اُسکی نجات ہوگی اسیوجہ سے جابجا کثرت سے توریت وانجیل اور صحف انبیا اور قرآن مجید میں ایمان اور عمل کو موجب نجات اور فلاح دارین قرار دیا ہے چند حوالے نقل کرتا ہوں ناظرین ملاحظہ کریں +

اول کتاب استثنا کے باب ۲۸ میں بار بار یہ ارشاد ہوا کہ اگر تو احکام خداوندی پر دہیان کرکے عمل کرے اور اُسکی راہوں پر چلے تو خداتعالے تجھے سرفراز کریگا اور برکتیں بہیجیگا اور مقدس قوم بنائیگا اور اگر عمل نہ کریگا تو لعنتیں پڑینگی غرضکہ تمام باب اسی بیان میں ہے۔

دوم استثنا کے باب ۱۱ ورس ۲۶-۲۸- دیکھو میں آج کے دن تمہارے آگے برکت اور لعنت رکھدیتا ہوں برکت جبکہ تم خداوند اپنے خدا کے حکموں کو جو آج میں تمہیں فرماتا ہوں مانو اور لعنت جبکہ خداوند اپنے خدا کی فرمانبرداری نکرو،، کتاب استثنا میں بہت مقام پر یہ مضمون مذکور ہی جسکا جی چاہے باب ۴ و ۵ و ۶ و ۷ و ۸ و ۱۰ وغیرہ کو ملاحظہ کرے میں نے صرف دو مقام نقل کردیے ہیں۔

سوم کتاب اشعیا کے باب ۳ ورس ۱۰ و ۱۱ میں ہی" راست بازوں سے کہو کہ بھلا ہوگا کہ وے اپنے کاموں کا پہل کہائینگے شریروں پر واویلا ہی کہ بُرا ہوگا کیونکہ اُنکے ہاتھوں کی کمائی اُنہیں ملیگی۔

چہارم دوم تواریخ باب ۷ ورس ۱۴" دو پس اگر میرے لوگ جو میرے نام سے کہائے جاتے ہیں اپنے تئیں عاجز کریں اور دعا مانگیں اور میرا منہ ڈہونڈہیں اور اپنی بری راہوں سے پہریں تو میں آسمان پر سے سنونگا اور اُنکی خطائیں بخشونگا،،

پنجم۔ متی کے باب ۱۹ میں ہی" (۱۶) دیکھو ایکنے آکے اُس سے کہا کہ اے نیک اُستاد میں کونسا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں (۱۷) اُسنے اُسے کہا تو کیوں مجھے نیک کہتا ہی نیک تو کوئی نہیں

مگر ایک یعنی خدا پر اگر تو زندگی میں داخل ہوا چاہے تو حکموں پر عمل کر (۱۸) اُسنے اُسے کہا کون سے حکم یسوع نے
اُسسے کہا یہ کہ تو خون نکر جھوٹی گواہی ندے (۱۹) اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کر اور اپنے پڑوسی کو
ایسا پیار کر جیسا آپ کو" اسی طرح مرقس کے باب ۱۰ ورس ۱۷ سے ۱۹ تک اور لوقا کے باب ۱۸ ورس ۱۸
سے ۲۰ تک یہی مضمون ہی دیکھئے حضرت مسیح نے حیات ابدی میں داخل ہونا اور ہمیشہ کی زندگی پانا
اسی پر منحصر کیا کہ حکموں پر عمل کرے نہ تو یہ فرمایا کہ تو کفارے پر ایمان لا اور نہ یہ ارشاد کیا کہ تو مجھے خدا کہہ
بلکہ محض توحید کی تعلیم کی اور اپنے خالص بندہ ہونیکو اس صراحت سے بیان کیا کہ الوہیت کا شائبہ بھی
باقی نرکھا اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ حضرت مسیح کے اس قول سے پادری صاحب کی وہ انوکھی نجات
کیسی رد ہوئی جاتی ہی اور جو مطلب انہوں نے شروع اختلاف میں بیان کیا ہی وہ کیسا غلط ثابت ہوتا ہے
افسوس ہی کہ بھائی مسیحی کہاں بہکے جاتے ہیں اور مسیح کے اُن اقوال کیطرف کان نہیں دہرتے اگر کفارہ
کو نجات میں کچھ بھی دخل ہوتا تو اس مقام پر حضرت مسیح ضرور ہی بیان کرتے۔

ششم لوقا کے باب ۱۰ میں ہی (۲۵) ایک شریعت سکھلانے والا اُوٹھا اور یہ کہکر اُسکی آزمایش کی
کہ اَے اُستاد میں کیا کروں کہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوں (۲۶) اُسنے اس سے کہا کہ شریعت
میں کیا لکھا ہے تو کس طرح پڑھتا ہے (۲۷) اُسنے جواب میں کہا تو خداوند کو جو تیرا خدا ہے اپنے
سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنے سارے زور اور اپنی ساری سمجھ سے پیار کر اور جیسا آپ کو
ویسا ہی اپنے پڑوسی کو (۲۸) اُسنے اُسے کہا تو نے ٹھیک جواب دیا یہی کر تو جیئےگا" دیکھیے یہاں بھی
حضرت مسیح نے کفارہ کا ذکر نہیں کیا صرف محبت خدا اور شفقت ہمسایہ پر نجات کا مدار رکھا۔

ہفتم متی کے باب ۷ ورس ۲۱ میں حضرت مسیح نے کیا خوب اس مضمون کا تھوڑے لفظوں میں خاتمہ کر دیا
اور فرمایا "نہ ہر ایک جو مجھے خداوند خداوند کہتا ہے آسمان کی بادشاہت میں داخل ہوگا مگر وہی جو
میرے باپ کی جو آسمان پہ ہے اُسکی مرضی پر چلتا ہے"

الحاصل چونکہ نزول رحمت ایمان و عمل پر موقوف ہی اسلیئے تمام صحیفے ایکزبان ہوکر شہادت دیتے ہیں
کہ ایمان و عمل کے ذریعہ سے نجات ہی یہی امر قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے چنانچہ سورہ بنی اسرائیل

کے آخر میں ارشاد خداوندی اس طرح ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بیشک جو ایمان لائے اور نیک کام کیے اُنکے لیے مہمانی جنت الفردوس ہے ہمیشہ اُسمیں رہا کرینگے الخ پادری صاحب کے نزدیک کوئی دوسرا طریقہ بھی نجات کا جو مخالف اُسکے ہو کتب مقدسہ میں بتایا ہی تو قطع نظر اسکے کہ وہ کتابیں اپنے آپ مخالف ہیں اور اُنکی کذب ہو چکی ہمارا جواب یہ ہی کہ ہمنے قرآن مجید کے طریقہ نجات کو کتب مقدسہ کے نصوص صریحہ سے مطابق کردیا اب جو مضمون کہ آپ اُسکے مخالف سمجھتے ہیں وہ یا تو آپ کے فہم کی غلطی ہے یا وہ مضمون کتاب مقدس کا نہیں ہی کسیکا ملایا ہوا ہی اور کتب مقدسہ میں الحاق کا ثبوت مقدمہ اولی میں بخوبی ہو گیا ہی لہذا قرآن مجید سے توریت و انجیل مخالف نہیں ہیں۔ یہاں سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ پادری صاحب نے جو صفحہ ۲۷ و ۲۸ میں یہ بیان کیا ہی کہ قرآن و حدیث دوسری کئی طرح بطرح کی راہ نجات ثابت کرتا ہی ہیں اور انوکھی راہیں ٹھہراتے ہیں بالکل غلط ہے میں نہیں سمجھتا کہ پادری صاحب جو اسلام میں متعدد راہیں نجات کی بتاتے ہیں اُس سے اُنکا کیا مقصود ہی آیا یہ مُراد ہی کہ نجات اُخروی اور حیات ابدی کا ملنا کئی طریقوں سے بیان کیا ہی یا یہ مراد ہے کہ دنیا میں بعض گناہوں کا معاف ہو جانا متعدد امور کے سبب بتایا ہی غرضکہ جو کچھ اُنکی مُراد ہو غلط فہمی سے خالی نہیں ہی کیونکہ کلام الٰہی کا مقصد یہ ہی کہ نجات اور مخلصی اور معافی خدا کی رحمت پر ہی خواہ کل گناہونکی معافی ہو یا بعض کی البتہ باعث نزول رحمت نیک اعمال ہیں اسیوجہ سے کلام الٰہی میں کسی مقام پر تو اعمال حسنہ پر نجات کو منحصر کیا ہی کسی مقام پر نیک اعمال کو گناہوں کا کفارہ ٹھہرایا ہے مگر حقیقت میں اُس ارحم الراحمین کی رحمت کا ظہور ہے کہیں تو یہ رحمت کاملہ اُس نیکوکار کو نجات کا مژدہ دیتی ہی اور کہیں گناہوں کے مٹانیکی خوشخبری سناتی ہی اس امر میں بھی قرآن مجید اور کتب سابقہ ہم زبان ہیں یہاں بھی کوئی انوکھی بات قرآن مجید نے نہیں بیان کی۔ اب میں چند صورتیں نجات کی بیبل اور قرآن مجید سے نقل کرتا ہوں ناظرین ملاحظہ کریں۔ یہ صورتیں گرچہ بظاہر مختلف ہیں مگر جس وقت غور کرکے انصاف کی نظر سے دیکھا جاوے تو سب کا مآل ایک نکلتا ہے۔

کتب سابقہ

اوؔل۔ جو خداوند کا نام لیگا نجات پاویگا۔ دیکھو یوئیل ۲/۳۲ واعمال ۲/۲۱ نامہ رومیوں ۱۰/۱۳

دوؔم حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ "وہ جسنے مجھے بھیجا ہے اُسکی مرضی یہ ہی کہ ہر ایک جو بیٹے کو دیکھے اور اُسپر ایمان لاوے (یعنی اُسے سچا رسول جانے) ہمیشہ کی زندگی پاوے" (یوحنا ۶/۴۰)[۵۱]۔

سوم خدا کو خدا اور مسیح کو رسول جاننے پر چنانچہ حضرت مسیح فرماتے ہیں "وہ کہ ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وے تجھکو اکیلا سچا خدا اور یسوع مسیح کو جسے تونے بھیجا ہے جانیں" (یوحنا ۱۷/۳)

چہارم مطلق ایمان پر مسیح فرماتے ہیں "جو کہ ایمان لاتا اور بپتسما پاتا ہے نجات پائیگا" (مرقس ۱۶/۱۶)

پنجم جو خدا پر ایمان لائے اور مسیح کا کلام سُنے چنانچہ حضرت مسیح فرماتے ہیں "میں تمسے سچ کہتا ہوں کہ وہ جو میرا کلام سنتا ہی اور اُسپر جسنے مجھے بھیجا ہے

قران مجید

اوّل جنھوں نے کہا کہ پروردگار ہمارا اللہ ہی پھر قائم رہے اُنپر نہ کچھ خوف ہی اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ یہی لوگ جنتی ہیں ہمیشہ رہینگے اُسمیں۔ بدلا اُسکا جو کرتے تھے (احقاف آیت ۱۳ و ۱۴) قائم رہنے کے معنی یہ ہیں کہ احکام آلہی بجالائے کیونکہ جو ایسا نہیں کرتا وہ گویا اللہ کو اپنا منعم یعنی رب نہیں سمجھتا

دوؔم جو یقین کرتے ہیں اُس (کلام) پر جو تجھہ پر (اے محمد) اوتارا گیا اور جو پہلے تجھسے اوتارا گیا (یعنی قرآن مجید اور توریت وانجیل پر) اُنہیں ایمان ہی اور آخرت پر بھی وہ یقین کرتے ہیں انھوں نے اپنے رب کی راہ پائی ہی اور وہی فلاح پانے والے ہیں (بقرہ آیۃ ۴ و ۵) حاصل یہ کہ جو خدا کی کل شریعتوں کو سچا اور قیامت کو حق جانے اُسکی نجات ہے۔

سوؔم جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں بن دیکھے اُنکے لیے مغفرت ہی اور بڑا اجر ہے (ملک آیۃ ۱۲)

---

۵۱ اسی باب کا ورس ۵۴ اس طرح ہی "جو کوئی میرا گوشت کھاتا ہے اور میرا لہو پیتا ہی ہمیشہ کی زندگی اُسکی ہی" یہاں حضرت مسیح نے استعارہ میں کلام کیا ہے اسکے معنی یہ ہیں کہ جو میری تعلیم ظاہری اور باطنی کو اس طرح قبول کرے کہ رگ وپے میں اُسکے سما جائے یا میری محبت اُسکی رگ وپے میں ایسی اثر کر جائے جیسے غذا بدن میں اثر کر جاتی ہی اُسکی نجات ہی یہ وہ مطلب ہے کہ تمام کتب مقدسہ کے مطابق ہے اور مسیحی جو یہاں سے کفارہ ثابت کرتے ہیں اُنکو بھی مسیح کے کلام میں تاویل کرنا ضرور ہے کیونکہ لہو پینا اور کفارہ پر ایمان لانا ایک چیز نہیں ہوسکتا پھر ایسی تاویل کو چھوڑ کر جو بالکل حق کے مطابق اور تعلیم کتب سابقہ کے موافق ہی اس تاویل کو اختیار کرنا جو سراسر عقل اور نقل کے مخالف ہے دانشمند کا کام نہین لہذا یہاں سے کفارہ ثابت کرنا محض غلط فہمی ہے۔

ایمان لاتا ہے ہمیشہ کی زندگی اسکی ہے (یوحنا ۳ باب ۳۶)
اُسمیں کفارہ کا ذکر تو درکنار بظاہر حضرت مسیح کے اُوپر
ایمان لانے کا ذکر بھی نہیں ہے۔

ششم جو راستباز ہو دیکھو متی کا ۵ باب ۴۴۔
ہفتم محبت خدا اور شفقت ہمسایہ پر دیکھو لوقا کا ۱۰ باب ۲۷-۲۸ یہاں بھی نہ کفارہ کا ذکر ہے نہ حضرت مسیح
پر ایمان لانے کا۔

ہشتم۔ خدا سے ڈرنے پر زبور ۸۵۔ ورس ۹ میں ہے یقیناً اُسکی نجات اُنسے جو اُس سے ڈرتے ہیں نزدیک ہے
نہم شریعت پر عمل کرنے سے۔ اسکے حوالے اوپر گذر چکے ہیں مگر اور بھی سنیئے اللہ تعالیٰ حضرت حزقیل
سے فرماتا ہے" سو جب کہ بیٹے نے وہ جو شرع میں درست اور روا ہے کیا اور اُسنے میرے حکموں کو
حفظ کیا اور اُنپر عمل کیا سو وہ یقیناً جیئے گا لیکن اگر شریر اپنی ساری خطاؤں سے جو اُسنے کی ہیں
باز آوے اور میرے سارے حکموں کو حفظ کرے اور جو کچھ شرع میں درست و روا ہے کرے تو وہ
یقیناً جیئے گا وہ نہ مریگا اُسکے سارے گناہ جو اُسنے

یہاں پر گرچہ ایمان و عمل کا بظاہر ذکر نہیں ہے مگر حقیقت میں سب کچھ ہے جو خدا سے ڈرتا ہے ممکن نہیں کہ ایمان
نہ لائے اور نیک عمل نکرے۔

چہارم بلاشک جو مومن ہو ظاہر میں اور جو یہودی ہو اور نصاریٰ اور بے دین جو کوئی اللہ پر اور قیامت
کے دن پر ایمان لایا اور نیک کام کیے اُنکے لیے خدا کے پاس بدلہ ہے اور انکو نہ خوف ہے اور نہ وہ
غمگین ہونگے (بقرہ آیۃ ۶۲) حاصل یہ کہ یہود اور نصاریٰ وغیرہ کا ایمان ہرگز لائق اعتبار نہیں
ہے بلکہ جس گروہ کا آدمی مسلمان ہو اسکی نجات ہے خصوصیت کسی فرقہ کی نہیں ہے۔ اس آیت سے
بعض نافہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے یہود و نصاریٰ وغیرہ کی نجات ثابت ہوتی ہے مگر وہ یہ خیال نہیں
کرتے کہ اگر ان گروہوں کا ایمان قابل اعتبار ہوتا تو پھر اُنکو ایمان لانیکا حکم کیوں ہوتا اس آیت
میں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانیکا حکم ہے اس سے مُراد مسلمان ہو جانا ہے چنانچہ قرآن مجید کے دوسرے
مقامات[لہ] اور احادیث سے اسکا ثبوت بخوبی ہوتا ہے

لہ مثلاً سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۲ میں بعد بیان احکام طلاق کے ارشاد ہے ذٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ یعنی یہ نصیحت کیجاتی ہے اسکو جو ایمان لایا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ اس آیت سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ یومن باللہ والیوم الآخر سے مراد خاص مسلمان ہے کیونکہ وہ جزئیات احکام طلاق جسکی طرف اس آیت میں اشارہ ہے انکا حکم خاص مسلمانوں ہی کی نسبت ہو سکتا ہے نہ تمام لوگوں کی نسبت اور حدیث میں آیا ہے کہ لا یدخل

کسے اسکے لیے محسوب نہونگے اپنی راست بازی میں جو اُسنے کی وہ جیئے گا۔ خداوند یہوواہ کہتا ہے کیا مجھے اِس سے کچھ شادمانی ہے کہ شریر مر جاوے اور اسمیں نہیں کہ وہ اپنی راہوں سے باز آوے اور جیئے (خرقیل ۱۸ باب ۱۹-۲۳) پادری صاحب ملاحظہ کریں کہ اُنکے انوکھے کفارہ کی ضرورت ان نصوص صریحہ سے کیسی باطل ہوتی ہے یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ بدی سے باز آنا اور نیک کام کرنا ہی اُسکی بُرائیوں کا کفارہ ہی پھر کیا ممکن ہی کہ خدا تعالے اپنے وعدے اور اپنے ارشاد کو کسی وقت آپ باطل کرکے ایک ایسا کفارہ تجویز کرے جو بالکل عقل کے خلاف ہو ہرگز نہیں۔

اس آیت کا مال یہ ہوا کہ جو ایمان لائے اور نیک کام کرے اُسکی نجات ہی یہی مضمون قرآن مجید اور بیبل میں جابجا کثرت سے ہے اسکا یہ مطلب سمجھنا چاہیے کہ خدا کے فضل کی حاجت نہیں محض ایمان وعمل نجات کیلئے کافی ہوگیا بلکہ ہم کہہ چکے ہیں کہ ایمان وعمل فضل کا باعث ہوتے ہیں اسلیے انکو نجات کا سبب قرار دیا گیا ہی بلکہ ایمان بھی خدا کے فضل پر ہے دیکھو حجرات کی آیت ۷و۸ یہ بھی اُسکا فضل ہے کہ ہمارے ناقص اعمال کو قبول کرلیتا ہی یہ اُسکی کمال رحمت ہے کہ بعد توبہ کے ہمارے گناہوں کو بےحساب معاف کردیتا ہے۔ دیکھو خرقیل باب ۳۳ ورس ۱۴-۱۶ و زبور ۳۲-

یہانتک کتب سماویہ کے اکثر حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مطلق اعمال حسنہ سے نجات ہوگی باقی رہا یہ امر کہ کسی خاص نیک کام سے گناہ بخشا جانا یہ بھی عہد عتیق وجدید سے ثابت ہی چند مثالیں پیش کرتا ہوں اوّل حضرت موسےٰ کی شریعت میں جانوروں کی قربانی سے بعض گناہ معاف ہوتے تھے اس واسطے

ضم الانصار رجل یومن باللہ والیوم الاخر۔ جو کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہی وہ قبیلہ انصار سے دشمنی نہیں رکھتا۔ ظاہر ہے کہ اس سے مُراد مسلمان ہی ہوسکتے ہیں کیونکہ انصار وہ لوگ ہیں جنھوں نے سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کی نہایت نازک وقت میں مدد کی تھی اسلیے کوئی مسلمان اُنسے بغض نہیں رکھ سکتا ہے اور جو یہود و نصارے اُسوقت آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کے دشمن تھے اُنکو تو انصار سے نہایت عداوت ہوگی اُن سے دشمنی کی نفی کسی طرح نہیں ہوسکتی بلکہ اُنکی حالت ایسی تھی کہ انصار سے دشمنی رکھتے پس لامحالہ اس حدیث میں مسلمان ہی اشخاص مُراد ہوسکتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ ایمان باللہ والیوم الاخر کی صفت قرآن وحدیث میں خاص مسلمانوں کی قرار دی ہے۔ ایسے مقام قرآن وحدیث میں بہت ہیں جس سے یہ امر ثابت ہوتا ہے مگر اختصار کیوجہ سے دو حوالوں پر کفایت کی گئی اور اسکی وجہ کہ یہ صفت خاص اہل اسلام کی کیوں قرار دی گئی ہے اختلاف چہارم میں بیان کیجائیگی ۱۲۔

خطا کی قربانی اور تقصیر کی قربانی مقرر تھی جسکا ذکر احبار کے باب ۴ و ۵ و ۶ وغیرہ میں ہی۔ قربانی کی بحث میں پادری صاحب لکھتے ہیں کہ قربانی سے اور گناہوں کی معافی سے کیا نسبت ہی اسکا جواب بھی اُسی بحث میں دیا جائیگا مگر یہاں اسقدر کہتا ہوں کہ خدا تعالی مقامات مذکورہ میں صاف فرماتا ہی کہ وہ کاہن اُسکی خطا کا کفارہ دیوے اور وہ بخشے جائینگے" اب ہمارے مخاطب اس کلام خدا کو سچا جانتے ہیں تو ثابت ہو گیا کہ نیک کام سے گناہ بخشا جا سکتا ہی پھر وہ نسبت کیا دریافت کرتے ہیں اُسنے اپنی رحمت سے جس کام کو چاہا گناہ کا کفارہ قرار دیدیا۔ دوم حضرت مسیح فرماتے ہیں اگر تم آدمیوں کے گناہ بخشو گے تو تمھارا باپ بھی جو آسمان پر ہے تمھیں بھی بخشیگا پر اگر تم آدمیوں کو اُنکے گناہ نہ بخشو گے تو تمھارا باپ بھی تمھارا گناہ نہ بخشیگا" (متی ۶ باب ۱۴ و ۱۵) یہاں سے بھی ثابت ہوا کہ ایک خاص نیک عمل کیوجہ سے بخشش ہوگی کیونکہ کسیکا گناہ اور قصور معاف کرنا نیک کام ہے مگر مخصوص ہے۔

سوم توبہ کی وجہ سے گناہ کا بخشا جانا جسکا ذکر عنقریب آنے والا ہے پھر توبہ بھی ایک نیک کام ہی جب اُسکی وجہ سے گناہ بخشے گئے تو ثابت ہوا کہ نیک کام گناہ کا کفارہ ہو سکتے ہیں۔

چہارم ایک فاحشہ عورت نے جو حضرت مسیح کے پیر دھوئے اور اپنے سر کے بالوں سے پونچھے اُنہیں چوما اُسکی نسبت مسیح فرماتے ہیں کہ اُسکے گناہ معاف ہوئے کیونکہ اُسنے بہت پیار کیا چنانچہ لوقا کے باب ۷ ورس ۳۶ سے ۴۷ تک یہ قصہ مذکور ہے یہاں سے ثابت ہوا کہ محبت میں ایسے فعل کرنیسے جیسے اس عورت نے کیے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

پنجم لوقا ۱۹ باب ۸ و ۹ ورس میں ہے" ذکی نے کھڑے ہو کے خداوند سے کہا دیکھ اے خداوند میں اپنا آدھا مال غریبوں کو دیتا ہوں اور اگر کسیکا مال دغابازی سے لیا ہی اُسکا چوگنا دیتا ہوں تب یسوع نے اُسکے حق میں کہا کہ آج اس گھر میں نجات آئے" دیکھیے یہاں پر خیرات کرنے اور پرایا مال واپس دینے سے حضرت مسیح نجات کا مژدہ دیتے ہیں۔ پس جس طرح ان کتابوں میں نیک اعمال کی وجہ سے گناہ کا بخشا جانا لکھا ہی اسی طرح قرآن مجید میں بھی باقی رہا یہ امر کہ احادیث میں بہت سے نیک اعمال پر کم و بیش گناہ بخشے جانیکا وعدہ کیا گیا ہی حالانکہ بیبل میں کہیں اسکا پتہ نہیں ہے اسکا مختصر جواب یہ ہی

کہ گناہ بخشا جانا حقیقت میں خدا کے فضل پر موقوف ہے جیسا کہ اوپر ثابت کیا گیا اور یہ بھی ثابت ہو گیا
کہ نیک اعمال فضل کا ذریعہ ہو جاتے ہیں لہذا کتب سابقہ اور احادیث مذکورہ میں کوئی مخالفت نہیں ہے
صرف اتنی بات ہے کہ شریعت محمدیہ فضل و رحمت الٰہی کے ذریعے بہت بیان کرتی ہے پھر اسپر پادریصاحب کو
ناخوش ہونا چاہیئے متی کی باب ۲۰ میں تاکستان کے مزدوروں کی تمثیل ملاحظہ کریں حضرت محمد مصطفٰے رحمۃ
للعالمین ہیں اسلیے اُنکی اُمت پر رحمت وسیع کردی گئی ہے آپ تو خود اس رحمت سے بھاگ گئے خود کردہ
را چہ علاج نیک اعمال کے باعث نجات ہونے پر پادری صاحب دو اعتراض کرتے ہیں اوّل یہ کہ جتنے اعمال
نیک انسان کر سکتا ہے سبکی تعمیل اُسپر فرض ہے ایک متنفس اپنے فرائض واجب الادا سے زائد خداوندی
خدمت بجا نہیں لاسکتا ہے۔ پس جبکہ جملہ اعمال صالح جو انسان کر سکتا ہے اُسکے فرض واجب الادا میں
داخل ہیں تو بھلا اپنے بیشمار گناہوں کے عوض میں کیا دیسکتا ہے (صفحہ ۱۳ نیاز نامہ)

جواب اسکا یہ ہے اگر خدائے رحیم اپنی رحمت سے اُنہیں فرائض کو گناہونکا کفارہ بھی کردے تو کیا
پادری صاحب کی حکومت اُسپر چل سکتی ہے۔ واویلا اُسپر جو اپنے خدا سے جھگڑتا ہے (یشعیاہ ۴۵)
کیا پادری صاحب نے یہ سچا شعر نہیں سُنا ؎ رحمت حق بہانہ می جوید ٭ رحمتِ حق بہانئے جوید ٭
ہمارے مخاطب اتنا بھی خیال نہیں کرتے کہ دنیا میں اکثر کریم مزاج مالک اپنے نوکر کو بعض وقت ایک
کام کے بدلے میں مالامال کر دیتے ہیں گرچہ اس نوکر سے بیشتر بہت سی نافرمانیاں ہوئی ہوں مگر اس شفقت
اور عنایت کے جوش میں ہرگز اُنکی طرف وہ مالک خیال بھی نہیں کرتا پھر کیا اُس ارحم الراحمین کا بیپایاں
دریائے رحمت اتنا بھی کام نہیں کرسکتا جتنا اُسکے ایک ادنے مخلوق کی شفقت کرسکتی ہے حالانکہ
یہ شفقت اُسی دریائے بے پایاں کا ایک قطرہ ہے پھر کیسا اندھیر ہے کہ جو کام ایک قطرہ سے نکلتا ہوا
ہم دیکھتے ہیں اُسکا دریائے بے پایاں سے نکلنا غیر ممکن خیال کریں۔ اے عیسائی بھائیو ذرا تو سوچو
خدا کی رحمت کو کسقدر تنگ و ناقص کر کے اُسکی ذات میں دھبا لگاتے ہو وائے بر نافہمی شما۔
زیادہ افسوس تو یہ ہے کہ آپ اُس کتاب کو بھی نہیں دیکھتے جسکو مقدس کتاب کہتے ہیں نیک افعال کیوجہ سے
گناہ بخشا جانا تو آپکی کتاب سے ہم بیان کر چکے ہیں اب اور سنیئے اُسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب ارحم الراحمین

چاہتا ہے تو سئیات کو حسنات سے بدل دیتا ہے کتاب یشعیاہ کا باب اوّل درس ۱۶ سے ۱۸ تک ملاحظہ کیجئے "اپنے تئیں دہوؤ آپ کو پاک کرو اپنے بُرے کاموں کو میری آنکھوں کے سامنے سے دور کرو بدفعلی سے باز آؤ نیکوکاری سیکھو انصاف کے پیرو ہو مظلوموں کی مدد کرو یتیموں کی فریادرسی کرو بیوہ عورتوں کے حامی ہو۔ اب آؤ کہ ہم باہم حجت کریں خداوند کہتا ہے اگرچہ تمہارے گناہ قرمزی ہوویں پر برف کے مانند سفید ہو جاوینگے اور ہرچند وے ارغوانی ہوویں پر اُنکی طرح اُو جلے ہونگے" اس تمام عبارت سے ظاہر ہے کہ جو کوئی نیکوکاری پر مستعد ہو اور بدکاری چھوڑدے اللہ تعالٰے اُسکی سئیات کو حسنات سے بدل دیگا یہی مضمون قرآن مجید میں ہے۔ مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ جسنے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک کام کئے پس بدل دیگا اللہ اُن کی بُرائیوں کو بھلائیوں سے اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ آدمی ہرگز ایسے بے نقص اعمال نہیں کرتا جو خدا کی پاک نظر میں پسندیدہ ہوں بلکہ اسکے نیک اعمال بھی گناہ آمیز ہوتے ہیں پھر ایسے اعمال کو گناہ کا کفارہ کیسے کر سکتا ہے انتہے مخلصاً۔

جواب اے جناب یہ کون کہتا ہے کہ انسان اپنی طاقت سے اپنے اعمال کو گناہوں کا کفارہ کر سکتا ہے نہیں ہرگز نہیں بلکہ وہ ارحم الراحمین اپنی کمال رحمت سے نکو ہیدہ اعمال کو برگزیدہ کرکے کفارہ کر دیتا ہے ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ خدا کی کتابیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں چنانچہ توریت و زبور اور صحیفہ یشعیاہ اور خرقیل وغیرہ سے اُسکے حوالے اُوپر گذرے پھر کیا پادری صاحب اپنے توہمات کی بنیاد پر خدا کی تمام کتابوں کو جھٹلانا چاہتے ہیں۔ اتنا خیال نہیں کرتے کہ اگر انسان کے کل اعمال بیکار ٹھہریں تو اُسکا ایمان بھی بیکار ٹھہریگا کیونکہ وہ بھی ایک عمل قلبی ہے اس صورت میں پادریصاحب کے عقیدے کے بموجب تمام عیسائیوں کی نجات غیر ممکن ہو جائیگی کیونکہ ایمان جو موجب نجات ہو وہی بیکار اور لائق قبول نہیں نکلا پھر نجات کی کیا سبیل ہے اور اگر ایمان کو پادریصاحب خدا کی پاک نظر میں پسندیدہ سمجھتے ہیں تو اسیکو موجب نزول رحمت اور کفارۂ سئیات سمجھیں کسی انسان کو خدا بنانے اور کسی بیگناہ کو صلیب پر چڑہانے اور جہنم میں بھیجنے کی حاجت نہیں ہے۔

اب بیان پادری صاحب کو یہ ہے کہ خدا تعالے اگرچہ رحمت سے معمور ہے تاہم اُسکی پاک نظر میں گناہ نہایت بُری چیز ہے پس اگر وہ اپنی محض رحمت سے گنہگار کو بخشدے تو اُسکی قدوسیت اور عدالت کے خلاف ہی (دیکھو صفحہ ۱۲ و ۱۳) اس شبہ ہم کو پادری صاحب چند طور پر رفع کریں۔ اوّل یہ کہ بیشک گناہ اُسکی پاک نظر میں نہایت بُرا اور باعث قہر اور غضب الٰہی ہے مگر وہ خداوند خدا رحیم اور مہربان قہر میں دھیما اور گناہ بخشنے والا ہے (خروج ۳۴ باب ۶) پس مقتضائی رحمت اور شان غفاری یہی ہے کہ اپنے نکوہیدہ عاجز بندے کو برگزیدہ کرے اور اُسکے گناہوں کو بخشدے اور اگر یہ کام ناپسندیدہ ہوتے تو ظہور صفت مغفرت کے کیا معنی تھے دوم یہ کہ اگر گنہگار کو بخشدینا خلاف قدوسیت اور عدالت ہے تو ضرور ہے کہ بخشش کی صفت اُسکی ذات میں نہوگی کیونکہ جو امر قدوسیت کے خلاف ہے وہ کس طرح اُس قدوس میں ہو سکتا ہے مگر خدا کی سب کتابیں پکار رہی ہیں کہ وہ غفور ہے گناہ اور خطا کا بخشنے والا ہے دیکھو زبور ۱۰۳ درس ۳ "وہ تیری ساری بدکاریوں کو بخشتا ہے" اور صحیفہ نحمیا "تو خدائے غفور اور رحیم و کریم ہے قہر میں دھیما اور مہربانی میں بڑھکر" اور دوسرے مقامات۔ اب پادری صاحب فرمائیں کہ اگر خدا تعالے گنہگار کو بغیر سزا نہیں چھوڑ سکتا تو پھر وہ خطا اور بدکاریوں کا بخشنے والا کیونکر ہو سکتا ہے اور اُسے غفور کیونکر کہہ سکتے ہیں اسمیں شک نہیں کہ اگر پادری صاحب کا قول صحیح ہو تو خدا کی کتابیں غلط ہوئی جاتی ہیں پھر کیا ممکن ہے کہ کسی انسان پُر عصیان کے قول سے خدا کا کلام غلط ہو جائے اور اُس ذات جامع الکمالات کی ایک صفت میں دھبا آئے ہرگز نہیں۔ سوم یہ کہ حضرت مسیح فرماتے ہیں "جیسا تمہارا باپ رحیم ہے تم رحیم ہو۔ اور مجرم نہ ٹھہراؤ تو تم مجرم نہ ٹھہرائے جاؤ گے معاف کرو تم بھی معاف کیے جاؤ گے (لوقا ۶ باب ۳۶ و ۳۷) یہاں حضرت مسیح کا یہ حکم ہے کہ خدا کا سا رحم کرو اب اگر خدا کا رحم یہی ہے کہ بغیر سزا دیئے یا فدیہ لیے خطادار کا گناہ ہرگز معاف نہیں کرتا تو معلوم ہوا کہ انسان کو بھی اسی طرح کا رحم کرنا چاہیے کہ بغیر سزا دیئے کسیکا گناہ معاف نکرے کیونکہ اگر معاف کر دیگا تو خدا کا سا رحم نہوگا غرض کہ اس حکم سے ثابت ہوا کہ گناہ معاف نکرو مگر اُسکے بعد ہی حکم ہوتا ہے کہ معاف کرو تم معاف کیے جاؤ گے۔ اب پادری صاحب فرمائیں کہ اگر خدا میں معاف کرنے کی صفت نہیں ہی بلکہ یہ صفت قدوسیت کے خلاف ہی تو حضرت مسیح کا یہ کلام

صحیح نہیں ہو سکتا بلکہ یہ جملہ کہ معاف کرو تم بھی معاف کیے جاؤ گے خود دلالت کرتا ہے کہ خداوند میں معاف کرنیکی صفت ہے مگر افسوس ہے کہ اسکے برعکس پادری صاحب کہتے ہیں کہ اُسمیں معاف کرنیکی صفت نہیں ہے کیونکہ یہ کہنا کہ گناہ کا معاف کرنا اسکی قدوسیت و عدالت کے خلاف ہے بعینہ یہی کہنا ہے کہ معاف کرنے کی صفت اُسمیں نہیں ہے جسکا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مسیح کا قول غلط ہے۔ اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ قرآن وحدیث انجیل کے مخالف ہے یا عیسائیوں کے عقائد باطلہ۔ چہارم یہ کہ اُس ذات غیر محدود و قادر مطلق کا ایک پنجرہ خاکی میں بند ہو جانا اور سبکے گناہ اپنے ذمہ لینا اور بندوں کے ہاتھ سے ذلیل و خوار ہونا اور ایک بے گناہ کو خطاوار ٹھہرانا اُسکی قدوسیت اور عدالت کے خلاف نہیں ہے اور اپنے خطاوار سے خطا کو معاف کرنا خلاف قدوسیت ہے یہ کیسا اندھیر ہے صاحبو ذرا انصاف کرو کہ جو عقیدہ ہر طرح خداوند کی قدوسیت اور قدرت اور عدالت کے سراسر خلاف ہے اُسکو تو نہایت خوشی سے مانتے ہیں اور قدوسیت اور عدالت کے موافق بتاتے ہیں اور جو صفت اُسکی صفات کمالیہ میں سے ہے اُسے خلاف عدالت و قدوسیت بتاتے ہیں۔ وائے بر بے عقلی ایشان۔ پنجم نامۂ یعقوب کے باب ۲ ورس ۱۳ میں ہے "رحم عدالت پر غالب ہوتا ہے" اب میں کہتا ہوں کہ بالفرض عدالت کا مقتضا یہ ہو کہ گنہگار بعد توبہ کے بھی بغیر سزا کے نہ چھوڑا جائے مگر جب رحم عدالت پر غالب ہے تو پھر رحم کیوجہ سے گنہگار کے نہ بخشے جانے کی کیا وجہ ہے غلبہ کے تو یہی معنی ہیں کہ جب کسی محل پر باہم تعارض ہو تو غالب اپنا کام کر جائے اور مغلوب رہجائے۔ مثلاً گنہگار کی نسبت رحمت کا تقاضا تو یہ ہے کہ بخشدیا جائے اور عدل چاہتا ہے کہ سزا پائے مگر چونکہ رحمت غالب ہے عدل پر اسلیے اُسکا بخشا جانا کچھ بعید امر نہیں ہے جب گنہگار کی بخشش میں رحم کا غلبہ کام نہ آیا تو پھر کس کام آئیگا۔

الغرض تمام کتب مقدسہ اس امر میں قرآن وحدیث کے مطابق ہیں کہ نیک اعمال مغفرت کا ذریعہ ہو سکتے ہیں اور جو شکوک پادری صاحب کے تھے وہ بھی سب دفع ہو گئے۔

سوال یہ ہمنے مانا کہ نیک اعمال بخشش کا ذریعہ ہو سکتے ہیں مگر یہ امر تو نہایت دشوار بلکہ غیر ممکن ہے کہ انسان کامل طور سے احکام خداوندی بجالائے اور جیساکہ چاہیئے اُسکی مرضی پر چلے بلکہ ضرور ہے کہ یہ انسان

جو نفسانی خواہشوں سے بہرا اور سہو و نسیاں سے مالامال ہی کچھ نہ کچھ قصور کرے اور پوری بندگی اس سے نہو سکے پہر اسکی بخشش کی کیا سبیل ہے۔

جواب اے گنہگار و خدا کی رحمت سے ناامید نہو اُس ارحم الراحمین کا فضل کسی گنہگار کو محروم نہیں چھوڑیگا۔ اول تو اس رحیم نے ہمکو اُسی قدر تکلیف دی ہی جسکے ہم متحمل ہو سکتے ہیں وہی احکام ہمپر واجب ولازم کئے گئے ہیں جو ہماری طاقت سے باہر نہیں (دیکھو نامہ اول یوحنا باب ۵ ورس ۳) جو کوئی ایسا کہتا ہے کہ خدا تعالے نے انسان پر ایسے احکام فرض کیے ہیں کہ انکا بجالانا طاقت انسانی سے باہر ہے وہ خدا کو الزام لگاتا ہے اور اُسکی رحمت وسیع کو گھٹاتا ہے کوئی ذی عقل اپنے خادم کو ایسی تکلیف نہیں دیتا کہ اس سے ہو نہ سکے پہر وہ رحیم و کریم کیونکر اپنے بندوں کو ایسی تکلیف دیگا۔

دوسرے یہ کہ اگر باوجود طاقت کے احکام خداوندی کی تعمیل میں اسنے کوتاہی کی تو اُسکی نجات کے لیے بھی اُسنے دو طریقے رکھے ہیں ایک توبہ دوسرے شفاعت مقربین ان دونوں طریقوں کا ثبوت جس طرح قرآن مجید سے ہے اسی طرح صحف سابقہ سے ہے چند مقام نقل کرتا ہوں ملاحظہ کیجیے۔

اول یسعیاہ کے باب ۵۵ ورس ۷ میں ہی جو شریر و فاسق اپنے اندیشوں سے باز آوے اور خدا کی طرف پہرے سو وہ اُسپر رحم کریگا اور کثرت سے عفو کریگا۔

دوم صحیفہ یرمیاہ کے باب ۳ ورس ۱۲ و ۱۳ میں ہی "خداوند فرماتا ہی کہ اے برگشتہ اسرائیل پہر آ میں آگے کو پہر نہ گھڑکونگا کیونکہ خداوند فرماتا ہی میں رحیم ہوں میں سدا تک اپنا غصہ نرکھ چھوڑونگا صرف اپنی بدکاری کا اقرار کر"

سوم ۲ تواریخ کے باب ۷ ورس ۱۴ میں ہی "اگر میرے لوگ جو میرے نام سے کہلاتی جاتی ہیں اپنے تئیں عاجز کریں اور دعا مانگیں اور میرا منہ ڈھونڈہیں اور اپنی بُری راہوں سے پہریں تو میں آسمان پر سے سنونگا اور اُنکی خطائیں بخشونگا"

چہارم زبور ۳۲ ورس ۵ میں ہی "مینے تجھہ پاس اپنے گناہ کا اقرار کیا اور مینے اپنی بدکاری نہیں چھپائی مینے کہا میں خداوند کے آگے اپنے گناہ کا اقرار کرونگا سو تونے میری بدذاتی کے گناہ کو بخشدیا"

پنجم امثال کے باب ۲۸ ورس ۱۳ میں ہی "وہ جو اپنے گناہوں کو چھپاتا ہے کامیاب نہوئیگا پر وہ جو گناہ کا اقرار کرتا ہے اور اُسے چھوڑ دیتا ہے اُسپر رحمت ہووےگی" ان مقامات پر جن امور کیوجہ سے بخشش کا

وعدہ یا بخشندینکی خبر دی ہے اُنہیں کو ہماری اصطلاح میں توبہ کہتے ہیں توبہ کے معنی رجوع کرنے کے ہیں یہی مضمون قرآن مجید میں آیا ہے الحاصل عہد عتیق سے تو بخوبی واضح ہو گیا کہ توبہ سے گناہ بخشے جاتے ہیں اب عہد جدید کے حوالے سنیئے۔

ششم لوقا باب ۱۷ آورس ۳ و ۴ خبردار ہو اگر تیرا بھائی تیرا گناہ کرے اُسے ڈانٹ اگر توبہ کرے اُسے معاف کر اور اگر ایک دن میں سات بار تیرا گناہ کرے اور ایک دن میں سات بار آکے کہے کہ توبہ کرتا ہوں اُسے معاف کر،، اب خیال کرنیکا مقام ہے کہ جب خداتعالے بندہ کو توبہ کی وجہ سے معاف کرنیکا حکم دیتا ہے تو وہ ارحم الراحمین ہو کر خود کیونکر توبہ کرنے والے کے گناہ معاف نکریگا۔

ہفتم حضرت یوحنا خاص گناہونکی معافی کیلئے توبہ کا بپتسمہ دیتے تھے مرقس کا باب آورس ۴ ملاحظہ کیجئے ،، یوحنا بیابان ہی میں بپتسمہ دیتا تھا اور گناہونکی معافی کے لیے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرتا تھا،، اب میں ایک حوالہ اور دیتا ہوں جسمیں حضرت مسیح نے توبہ کی عظمت اور کیفیت کو تمثیلیں دیکر خوب بیان کیا ہے

ہشتم لوقا کے ۱۵ باب میں ہے (۴) تم میں سے کون ہے جسکے پاس سو بھیڑ ہوں اگر اُن میں سے ایک کھو جائے اُن ننانوے کو بیابان میں نچھوڑے اور اُس کھوئی ہوئی کو جب تک نپاوے ڈھونڈھا نکرے (۵) اور پاکے خوشی سے اپنے کاندھے پر اُٹھا نلے (۶) اور گھر میں جاکے دوستوں اور پڑوسیونکو بُلاکے نکہے کہ میرے ساتھ خوشی کرو کیونکہ مینے اپنی کھوئی ہوئی بھیڑ پائی (۷) میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی طور آسمان میں ایک گنہگار کے واسطے جو توبہ کرتا ہے ننانوے راستبازوں سے جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے زیادہ خوشی ہوگی (۸) یا کون عورت ہے جسکے پاس دس درہم ہوں اگر ایک کھو جائے چراغ بال کے گھر کو نجھاڑے اور جب تک نپاوے کوشش سے ڈھونڈھا نکرے (۹) اور جب پاکے دوستوں اور پڑوسیونکو بُلاکے نکہے کہ میرے ساتھ خوشی کرو کہ مینے اپنا کھویا ہوا درہم پایا (۱۰) میں تمھیں کہتا ہوں کہ خدا کے فرشتوں کے آگے ایک گنہگار کیلئے جو توبہ کرتا ہے خوشی ہوتی ہے (۱۱) پھر اُسنے کہا ایک شخص کے دو بیٹے تھے (۱۲) اُنمیں سے چھوٹے نے باپ سے کہا کہ اے باپ مال کا حصہ جو مجھے پہونچتا ہے مجھے دے اُسنے مال اُنہیں بانٹ دیا (۱۳) اور تھوڑے دن بعد چھوٹے بیٹے نے سب کچھ جمع کرکے ایک دور کے ملک کا

سفر کیا اور وہاں اپنا مال بدچالی میں اوڑا یا (۱۴) اُور جب سب خرچ کر چکا اُس ملک میں بڑا کال پڑا اور وہ محتاج ہونے لگا (۱۵) تب اُس ملک کے ایک رئیس کے یہاں جا لگا اُسنے اُسے اپنے کھیتوں میں سور چرانے بھیجا (۱۶) اور اُسے آرزو تھی کہ اُن چھلکوں سے جو سور کہاتے ہیں اپنا پیٹ بھرے کہ کوئی اُسے نہ دیتا تہا (۱۷) تب ہوش میں آکے کہا میرے باپ کے کتنے مزدوروں کو بہت روٹی ہے اور میں بھوکوں مرتا ہوں (۱۸) میں اُٹھکے اپنے باپ پاس جاؤنگا اور اُسے کہوں گا کہ اے باپ میں نے آسمان کا اور تیرے حضور گناہ کیا ہے (۱۹) اور اب اس لائق نہیں کہ پھر تیرا بیٹا کہلاؤں مجھے اپنے مزدوروں میں سے ایک کے مانند بنا (۲۰) تب اُٹھکے اپنے باپ پاس چلا اور وہ ابھی دور تھا کہ اُسکو دیکھ کے اُسکے باپ کو رحم آیا اور دوڑ کے اُسکو گلے لگا لیا اور بہت چوما (۲۱) بیٹے نے اُسکو کہا کہ اے باپ میں نے آسمان کا اور تیرے حضور گناہ کیا اور اب اس قابل نہیں کہ پھر تیرا بیٹا کہلاؤں (۲۲) باپ نے اپنے نوکروں سے کہا کہ اچھی سے اچھی پوشاک نکال لاؤ اور اُسے پہناؤ اور اُسکے ہاتھ میں انگوٹھی اور پانوں میں جوتی (۲۳) اور پلے ہوے بچھڑے کو لاکے ذبح کرو کہ کھائیں اور خوشی منائیں (۲۴) کیونکہ میرا یہ بیٹا موا تھا اب جیا ہے کھو گیا تھا اب ملا ہے تب وہ خوشی کرنے لگے،، سبحان اللہ کیا عمدہ اور سچا بیان حضرت مسیح نے فرمایا واقعی وہ ارحم الراحمین ایسا ہی مہربان ہی جیسا یہاں بیان ہوا پادری صاحب اور اُنکے تمام ہم مشرب اس بابکو بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیں بھلا کہاں یہ مضمون اور کہاں وہ کہ بغیر سزا دیے خدا چھوڑتا ہی نہیں ذرا کچھ تو غور کیجیے کہ جب خدا تعالے صرف بندے کی توبہ سے اسقدر خوش ہوتا ہی تو بھلا فدیہ اور کفارہ کی کیا حاجت ہی توبہ کی وجہ سے خدا تعالے کا خوش ہونا جس طرح حضرت مسیح نے تمثیل میں یہاں بیان کیا ہی اسی طرح حضرت ختم المرسلین نے ارشاد فرمایا ہی چنانچہ حدیث میں آیا ہی کہ مثلاً ایک شخص نے اونٹنی پر سوار ہو کر سفر کیا اور جنگل میں پہونچکر درخت کے نیچے سو گیا اور اونٹنی اُسکے پاس تھی اُوسی پر اُسکا کل سامان کھانے پینے وغیرہ کا رکھا تھا یکبارگی سو کر جو اُٹھا تو دیکھا کہ اونٹنی ندارد ہی متردد پریشان بار بار ٹیلے پر جا کر ادہر اُودہر دیکھا کہیں نشان نہ ملا انجام کار زندگی سے مایوس ہو کر بھوکا پیاسا گر بیٹھ رہا اور اس امر کا یقین اُسے ہو گیا کہ اب موت آئی یکایک کیا دیکھتا ہی کہ اُسکی اونٹنی چلی آتی ہی یہ مسافر

اس حالت میں اپنی اونٹنی کو دیکھکر جس قدر خوش ہوتا ہے خدا تعالےٰ اپنے بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔ الحاصل تمام کتب سابقہ اس امر میں قرآن و حدیث کے مطابق ہیں کہ توبہ کی وجہ سے خدا تعالےٰ بندہ کے گناہ معاف کرتا ہے اور یہی مقتضائے رحمت و عدل ہے کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ اپنے مجرم سے درگذر کرنا اور اپنے قصور وار کی عاجزی اور گڑگڑانے پر رحم کرکے اُسکا قصور معاف کردینا خلاف عدل ہے۔

یہاں تک تو مختصر طور سے توبہ کا ذکر کیا گیا اب شفاعت کا حال سنیئے۔ عیسائیوں نے جو ایک انوکھا طریقہ نجات کا نکالا ہے وہ بالکل خدا کی عظمت اور شان کے مخالف ہے ہمارے نزدیک جس طرح نیک اعمال اور توبہ نزول رحمت آلہی کا ذریعہ ہوتے ہیں اسی طرح شفاعت بھی نزول رحمت کا ایک بہانہ ہوتی ہے جس سے شفاعت کرنے والیکا تقرب ظاہر ہوتا ہے عیسائی کہتے ہیں کہ سوا حضرت مسیح کے کوئی شفاعت نہیں کرسکتا مگر یہ انکا خیال خام انہیں کی کتاب مقدس سے باطل ہوتا ہے چند حوالے میں نقل کرتا ہوں ۱۔ گنتی کے باب ۱۴ ورس ۱۹ و ۲۰ میں ہے" اب تو اپنی رحمت کی فراوانی سے اس اُمت کا گناہ بخشدیجیے جیسا کہ تو مصر سے لیکے یہاں تک انہیں بخشتا رہا ہے خداوند نے فرمایا کہ مینے تیرے کہے سے بخشا"

۲۔ خروج کے باب ۱۰ ورس ۱۶۔ ۱۹ "تب فرعون نے موسےٰ اور ہارون کو جلد بلایا اور کہا کہ میں خداوند تمہارے خدا کا گنہگار ہوں سو اب میں تمہاری منت کرتا ہوں فقط اس مرتبہ میرا گناہ بخشو اور خداوند اپنے خدا سے شفاعت کرو کہ فقط اسی موت کو مجھسے دور کرے چنانچہ وہ فرعون پاس سے نکل گیا اور خداوند سے شفاعت کی اور خدا نے پچھوا آندھی بھیجی جو ٹڈیوں کو لیگئی الخ" اسی طرح باب ۸ و ۹ میں قہر آلہی کے دفع کے لیئے شفاعت حضرت موسیٰ کی مقبول ہوئی ہے۔

۳۔ جب بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی کی اور خدا کا قہر اُنپر بھڑکا اُسوقت حضرت موسیٰ کی شفاعت سے خدا تعالےٰ نے معاف کیا ہے جسکا ذکر خروج کے باب ۳۲ ورس ۱ سے ۱۴ تک ہے۔

۴ حزقیاہ کی سفارش سے بعض بنی اسرائیل کا گناہ معاف کیا گیا چنانچہ تاریخ دوم باب ۳۰ ورس ۱۸ سے ۲۰ تک مرقوم ہے "کیونکہ بہت سے لوگوں نے افرائیم میں سے اور منسی میں سے اور اشکار میں سے

اور زبون لون ہیں سے اپنے کو پاک نہیں کیا تہا اور اُسکے برخلاف جو لکھا ہوا ہی فسح کہایا لیکن حزقیاہ نے اُنکے لیئے دعا مانگی اور کہا اے خداوند کریم تو ہر ایک کو جسنے خدا کو جو اُسکے باپ دادوں کا خداوند خدا ہے ڈہونڈہنے کو دل لگایا ہی معاف کر اگرچہ بیت قدس کی طہارت سے پاک نہوا ہو اور خداوند نے حزقیاہ کی سُنی اور لوگونکو معاف کیا ؛؛ غرضکہ جابجا کتب مقدسہ ہیں شفاعت کے سبب سے گناہ کا بخشا جانا لکھا ہی اور اگر کسیکو یہ وہم ہو کہ یہ دنیاوی شفاعت ہی آخرت ہیں کوئی انسان شفاعت نہیں کرسکتا اُسکا جواب یہ ہی کہ جس طرح گناہوں کا معاف کرانا خدا تعالے سے یہاں ہی وہی وہاں ہوگا جو خدا کے غضب کا ٹالنا یہاں ہی وہی آخرت ہیں ہوگا پھر کیا وجہ ہی کہ یہاں تو انسان شفاعت کرسکے اور آخرت ہیں نکر سکے حضرت مسیح علیہ السلام کو جو شفیع کہا گیا ہے اُسکے بھی یہی معنی ہیں اور حواریئں وغیرہ جو حضرت مسیح کی شہادت سے امت کے گناہوں کی معافی بیان کرتے ہیں یا مثلاً یوحنا حواری یوں کہتے ہیں کہ وہ مسیح کا لہو ہمکو سارے گناہوں سے پاک کرتا ہے ؛؛ اُسکے معنی یہ ہیں کہ جو گروہ مقربان آلہی شفاعت گنہگارونکی کرینگے اُنمیں سے شہید بھی ہیں اس گروہ نے جو اپنی جان خدا کے واسطے دی ہی اور اپنا خون اُسکی راہ ہیں نثار کیا ہے اُسکی وجہ سے اُنہیں شفاعت کا مرتبہ ملیگا حضرت مسیح اگرچہ واقع ہیں شہید نہیں ہوسے مگر دشمنوں نے اُنکی شہادت ہیں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور اپنی دانست ہیں سولی دے ہی دی اب باایں ہمہ خدا کا اُنہیں بچالینا محض اُسکی قدرت کے عجائبات ہیں سے تھا اسکو بچانا نہ شمار کرنا چاہیئے لہذا خدا نے اُنکو شہادت کا مرتبہ عنایت کیا اور اس مرتبہ کی وجہ سے حضرت مسیح اپنی امت کی شفاعت کرائینگے اگرچہ مرتبہ نبوت بھی شفاعت کیلیے کافی تھا مگر مرتبہ شہادت سے اسمیں اور ترقی ہوگئی اسوجہ سے یہ کہنا صحیح ہوا کہ مسیح کا لہو گناہوں کو پاک کرتا ہے کیونکہ وہ شفاعت کرنے کا بڑا ذریعہ ہی یہ وہ شفاعت ہی جو خدا کی کتابوں کے موافق اور عقل کے بالکل مطابق ہی پھر کیا پادری صاحب اور اُنکے مقتداؤں کی خاطر سے خواہ مخواہ شفاعت مسیح کے وہ معنی لیں جو قرآن مجید کے مخالف ہونیکے علاوہ عقل بھی دلائل قطعیہ سے اُسے رد کرتی ہی کیا ایسے معنی سے مخالفت ثابت ہوسکتی ہی ہرگز نہیں مقدمہ اولی کی تحقیق سوم ملاحظہ کیجیئے اس بیان سے یہ امر تو اظہر من الشمس ہوگیا کہ خداوند کریم تین طور پر اپنی رحمت کاملہ کو ظاہر فرماکر اپنے

بندونکو نجات دیگا مگر ایک امر یہاں اور بھی قابل اظہار ہی جس سے دریای رحمت الٰہی کی نہایت طغیانی ثابت ہوتی ہے وہ ارحم الراحمین اپنے گناہگاروں کو بہت کچھ بھروسا دلاتا ہی اور حضرت داؤد کی زبانی یوں ارشاد فرماتا ہی "خداوند رحیم و کریم غصہ ہونے میں دھیما اور شفقت میں بڑھکر ہی اور اُسکا جھنجھلانا دائمی نہیں وہ غصہ کو ابد تک نہیں چھوڑتا" (زبور ۱۰۳ ۸و۹) پادری جوزف اوین اس زبور کی شرح میں لکھتے ہیں کہ "خدا اپنے لوگوں پر اس سببسے مہربانی نہیں کرتا کہ وہ بے عیب اور بے گناہ اور اُسکی مہربانی کے مستحق ہیں کیونکہ وہ گنہگار اور اُسکے محتاج ہیں وہ حلم اور صبر سے اُنپر رحم فرما کر اُنکے گناہونکو معاف کرے" یہاں سے ظاہر ہے کہ خداوند کریم اپنے گنہگار بندوں کو ہمیشہ عذاب میں نہیں چھوڑیگا مگر اور مقامات کے ملانے سے معلوم ہوتا ہی کہ ایمان ہونا چاہیے مثلاً حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ "میں تمسے سچ کہتا ہوں کہ بنی آدم کے سب گناہ اور کفر جو وے بکتے ہیں معاف کیے جائینگے لیکن وہ جو روح کے حق میں کفر بکے اُسکی معافی ہرگز نہیں ہوتی بلکہ وہ ہمیشہ کے عذاب کا سزاوار ہو چکا" (مرقس ۳ ۲۸و۲۹ و متی ۱۲ ۳۱و۳۲) روح سے مُراد یہاں نبی ہی کتب مقدسہ میں یہ محاورہ بہت آیا ہے (دیکھو نامہ اول یوحنا ۴)

الحاصل ان دونوں مقاموںکے ملانے سے ثابت ہوا کہ جو خدا اور رسول پر سچے دل سے یقین لایا ہی وہ گرچہ گنہگار ہی کیوں نہو مگر عذاب ابدی سے نجات پاویگا چنانچہ اُسکا سچا رسول خاتم النبیین اس مطلب کو اس طرح ارشاد کرتا ہے ما من عبد قال لا اله الا الله ثم مات علی ذلك الا دخل الجنة قلتُ وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق قلتُ وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر جو بندہ صدق دل سے کہے کوئی پرستش کے لائق نہیں ہی مگر خدا اور پھر اسی یقین پر مرجاے وہ جنت میں داخل ہوگا (یعنی عذاب ابدی سے نجات پاویگا ابوذر کہتے ہیں کہ) مینے کہا اگرچہ اُسنے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگرچہ زنا کیا ہو یا چوری کی ہو تین مرتبہ ابوذر نے تعجباً اسی طرح سوال کیا اور وہی جواب پایا بلکہ تیسرے مرتبہ یہ فرمایا کہ اوپر خاک آلودہ ہونے ناک ابوذر کے یعنی گرچہ ابی ذر کے خلاف ہو مگر گنہگار نجات پاویگا۔

حاصل اس تمام کلام کا یہ ہوا کہ انسان دو قسم کے ہیں ایک مومن یعنے اللہ کے ماننے والے اور

اُسکے جمیع انبیا کے برحق جاننے والے دوسرے کافر یعنی اللہ یا اُسکے کسی رسول کے نہ ماننے والے دوسری قسم کے لیے کوئی طریقہ نجات نہیں بلکہ اُنکے لیے ابدالآباد جہنم میں رہنا ہے۔ پہلی قسم کو اللہ اپنے فضل سے نجات دیگا اور ہمیشہ کی عیش میں اُنہیں داخل کریگا۔ اگر اُنہوں نے ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بھی کیے اور کامل طور پر خدا کی مرضی پر چلے تو اللہ تعالے انہیں اُسکی جزا عنایت فرمائیگا اور آتش جہنم سے بچائیگا اور اگر کسیقدر اُس سے قصور ہوا اور پھر وہ نادم ہوکر پچتایا اور خداوند کریم کے حضور میں رویا اور گڑگڑایا وہ بھی اسی زمرہ میں داخل ہوا اور بسبب اپنی عاجزی کے گروہ صلحا میں شامل ہوا اور اگر بغیر توبہ کے مرا مگر ایمان ساتھ لیگیا تو بھی اُسکی رحمت دستگیری کریگی اور آتش جہنم سے اُسے نجات دیگی خواہ کسی کی شفاعت وسیلہ ٹھہرے یا محض اُسکی رحمت سے رہائی ملے یا کسی قدر نافرمانی کا مزہ چکھ کر مخلصی پائے غرضکہ یہی طریقہ نجات کا ہے جو خداوند کریم نے اپنے برگزیدہ رسولوں کی زبانی بیان کیا ہے اب کون ہے جو اس طریقہ کو غلط بتاتا ہے اور اسپر انگشت اُٹھاتا ہے کیا ممکن ہے کہ خدا کی مقرر کی ہوئی بات ایسی ناقص ٹھہرے کہ کوئی انسان اپنی غلط فہمی سے دوسری راہ اُس سے افضل معین کرے کیا ہوسکتا ہے کہ وہ خدائے قدوس و رحیم اپنے تمام انبیا کی معرفت اپنی قدوسیت اور وسعت رحمت کا اس قدر اظہار کرے کہ کسی ایماندار کو بغیر وعدۂ نجات نچھوڑے اور ایک وقت وہ اپنی رحمت کو ایسا تنگ اور قلیل ٹھہرائے کہ گنہگار مومن کی نجات محال بتائے اور ایسا طریقہ نجات نکالے جسمیں اُسکی قدوسیت اور عدالت اور غیوری اور اُسکے تمام وعدے غلط اور بیکار ٹھہریں ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ بلکہ یہ سب انسان کی نافہمی اور اُسکی بےعقلی ہے واے برنجیری الیشان۔ اسے طالبان نجات اُخروی واے خواستگاران حیات ابدی دوڑو اور اس نجات کو حاصل کرو اور خوب خبردار رہو ایسا نہو کہ شیطان تمھارا دشمن دہوکا دیکر ہلاکت میں ڈالدے بالیقین جان لو جسنے ایک نبی کا بھی انکار کیا وہ واصل جہنم ہوا خواہ وہ موسیٰؑ ہوں یا عیسےٰؑ یا محمد رسول اللہ خاتم الانبیا پھر کوئی طریقہ نجات نہیں جنھیں تم شفیع جانتے ہو وہ تم سے دور بھاگیں گے اور کہینگے ہم تمھیں نہیں جانتے ہمارے پاس سے دور ہو پھر نہ مسیح کو خدا کہنا کام آئیگا اور نہ کفارے پر ایمان لانا آڑے آئیگا بلکہ اُلٹا جہنم میں لیجائیگا۔ اسے بھائیو اپنی جانوں پر رحم کرکے میری عرض کو سنو اور غور کرو اور سچی نجات کو ہاتھ سے ندو ایسا نہو کہ

کہ وہ دن آجاوے کہ پھر پچھتانا کام نہ آئے۔

چونکہ ہمارے مخاطب نے کفارہ کی ضرورت عقلی طور پر بھی ثابت کرنا چاہی ہے (جسکا بطلان متعدد طورسے اوپر کیا گیا ہے) لہذا ہم معارضۃً اُسکے بطلان میں چند دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

دلیل اوّل عیسائیوں کا یہ انوکھا کفارہ تثلیث اور الوہیت مسیح پر موقوف ہی جسکے بطلان پر عقلی اور نقلی دلیلیں شاہد ہیں پس جب اُسکی بنیاد ہی غلط ہی تو وہ بطریق اولے غلط اور باطل ہوگا۔

دلیل دوم جب پادری صاحب کا یہ عقیدہ ہی کہ تمام بنی آدم علاوہ اپنے گناہوں کے حضرت آدم وحوا کے گناہ کی وجہ سے گنہ گار ہیں اور گنہ گار کا فدیہ گناہگار نہیں ہو سکتا تو اب فرمائیں کہ حضرت مسیح بحیثیت الوہیت کفارہ ہوے یا بحیثیت انسانیت مگر کوئی عاقل خدا کا ماننے والا اسکا اعتقاد نہیں کر سکتا کہ الوہیت کی جہت سے کفارہ ہوے یعنی الوہیت ذلیل و خوار ہوئی اور سولی دی گئی (نعوذ باللہ منہ) کیونکہ الوہیت ایسی شئے نہیں ہی کہ وہ کسی کے قبضہ میں آجاوے اور اُسمیں کوئی شئے اثر کر سکے اسوجہ سے بالضرور یہی کہنا پڑیگا کہ بحیثیت انسانیت کفارہ ہوے اور انسانیت کی جہت سے حضرت مسیح آدم زاد ہیں اسی وجہ سے بہت مقام پر انجیل میں مسیح کو ابن آدم کہا ہوا اور جب آدم زاد ہوے تو مثل اور بنی آدم کے گنہگار ہونگے کیونکہ مسیح انسانیت کی جہت سے آدم کی نسل سے علحدہ نہیں ہو سکتے لہذا ضرور ہی کہ گنہگار ہوں اور علاوہ آبائی گناہ کے حضرت مسیحؑ کے ذاتی گناہ بھی انجیل سے ثابت ہوتے ہیں مثلاً والدہ کی تعظیم نکرنا چنانچہ انجیل یوحنا کے باب ۲ ورس ۴ میں حضرت مسیحؑ کا قول اپنی والدہ کی نسبت یہ ہی ,, اے عورت مجھے تجھسے کیا کام ہے،، مقام غور ہے کہ کیسی تحقیر مسیحؑ نے اس مقام پر اپنی والدہ کی کی ہے مفسرین بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ یہاں پر نہایت تحقیر اور بے عزتی کے الفاظ بولے گئے ہیں حالانکہ تعظیم والدین ایسا تاکیدی حکم ہی کہ خدا تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھکر حضرت موسےٰ کو عنایت کیا تھا اور اُسکے ساتھ نو حکم اور تھے (خروج ۲۰ باب) پھر جو کوئی اِسکے خلاف کریگا وہ بیشک گنہ گار ہوگا۔ الحاصل دونوں جہت سے حضرت مسیح کا گناہ ثابت ہے لہذا اُنکا کفارہ ہونا آپ کے عقیدے کے بموجب باطل ہے۔

دلیل سوم یہ عیسائیوں کا عقیدہ ہی کہ گناہ عذاب ابدی کا باعث ہے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ

حضرت مسیح علیہ السلام عذاب ابدی میں گرفتار رہیں اور پھر بھی خدا کی عدالت پوری نہو کیونکہ عدالت کا مقتضا یہ ہے کہ ہر ایک گنہ گار اپنے گناہ کے سبب سے عذاب ابدی میں گرفتار رہے پھر جو شخص کہ تمام عالم کے گناہوں کا مجموعہ ہو جاوے اُسکا کیا حال ہوگا اگر وہ بھی عذاب ابدی میں مثل ہر ایک گنہ گار کے گرفتار رہا تو بھی عدالت کے خلاف ہوا کیونکہ ادنی مجرم اور اعلے مجرم کی سزا ایک مقرر کی گئی اگر کمیت میں زیادتی نہیں ہوسکتی تو کیفیت میں بحیثیت جرم ترقی ہونا چاہیے اور یہاں تو لطف یہ ہے کہ تمام عالم کے گناہ اپنے ذمے لیے مگر تین دن بھی عذاب میں گرفتار نرہے اب فرمایئے کہ یہ کونسی عدالت کا مقتضا ہے کہ اگر غلام گنہگار ہو تو عذاب ابدی میں گرفتار ہو اور اگر بیٹے کے ذمہ کرُوڑ حصہ اُس غلام سے گناہ زائد ہوں تو بھی عذاب ابدی میں نہ پڑے بلکہ صرف چند پہر گرفتار رہے الحاصل جس عدالت کے قائم کرنے کیلئے کفارہ کی ضرورت عیسائیوں نے ثابت کی تھی وہ ہرگز قائم نہیں رہتی لہذا یہ کفارہ محض فضول اور باطل ٹھہرا

دلیل چہارم یہ ہے کہ حضرت مسیح جو تیسرے روز گناہوں کی سزا بھگت کر چلے آئے اگر از روے عدالت گناہوں کی سزا اسیقدر چاہیے تھی تو خدا کے بیٹے کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت تھی چند پہر ہر ایک شخص سزا بُھگت لیتا اور پھر ابدالآباد چین کرتا اور اگر بیٹے کی رعایت سے کمی کی گئی تو پھر عدالت قائم نرہی اور اس کہنے کی گنجایش ہوئی کہ جب خداوند کریم نے رعایت کر کے سزاے ابدی کی جگہ چند پہر کی سزا قائم رکھی (جو اصل سزا کے مقابل میں کالعدم ہے) تو اگر وہ اس قلیل سزا سے بھی درگذرے تو اُسکی ذات میں کیا نقص لازم آئیگا جو اُس بڑی رعایت میں نہیں آتا ذرا انصاف کر کے کہو۔

دلیل پنجم ۔ اگر خدا تعالے گنہ گار کو بغیر سزا یا کفارہ نہیں چھوڑ سکتا تو لازم آتا ہے کہ قبل مسیح جتنے انبیا مثل حضرت ابراہیمؑ و حضرت موسیٰؑ اور حضرت داوٗدؑ اور تمام مومنین سب کے سب عذاب میں گرفتار ہوں کیونکہ اُسوقت تک مسیح نے اُنکے گناہوں کے عوض سزا نہیں بُھگتی تھی اور عیسائیوں کے نزدیک کل بنی آدم خواہ انبیا ہوں یا نہوں سب گنہ گار ہیں غرضکہ یہ عقیدہ کہہ رہا ہے کہ تمام انبیائے کرام اور مقربان خدا سینکڑوں برس تک مثل فرعون اور دیگر منکروں کے جہنم میں پڑے رہے ہوں اب ناظرین خود ہی انصاف کریں کہ یہ کیسا عقیدہ ہے میرے کہنے کی حاجت نہیں ہے۔

دلیل ششم۔ تمام عقلا اسپر اتفاق کرتے ہیں کہ اپنے مجرم سے درگذر کرنا اور بمقتضائے رحمت اُسکا گناہ عفو کرنا نہایت عمدہ وصف ہی اسی وجہ سے حضرت مسیح نے اس وصف پر بخشش کا وعدہ کیا ہی اگر کوئی حاکم اپنے مجرم کو نہ تو بمقتضائے شفقت چھوڑے اور نہ اُسکے رونے اور گڑگڑانے پر رحم کرے اور نہ کسی مقرب کی سفارش سُنے بلکہ اپنے اکلوتے بیٹے کو جو بالکل معصوم ہے اُسکی عوض سزا دے تو فرمائیے کہ ایسے حاکم کو دانشمند کیا کہینگے کیا اُسے سفیہ اور بیوقوف کا خطاب ندینگے یا یہ خیال نکرینگے کہ یہ حاکم بیٹے سے درپردہ کسی وجہ سے ناخوش تھا اس واسطے اُسکی سزا کا یہ حیلہ کیا ہے بیشک ایسا ہی کہینگے ظاہر ہے کہ مجرم کو چھوڑ دینا اور بے قصور کو اُسکی عوض سزا دینا عاقل اور منصف کا کام نہیں بلکہ سفیہ اور ظالم کا فعل ہی پس اگر ایسے فعل کی نسبت خدائے قدوس کیطرف کیجائے جیسا کہ مسیحی کرتے ہیں تو اُسکا سفیہ اور ظالم ہونا لازم آئیگا اور اُسکی حکمت اور قدوسیت باطل ہوجائیگی یا یہ کہنا پڑیگا کہ خدا تعالی حضرت مسیح سے ناخوش تھا نعوذ باللہ منہ۔ غرضکہ اسی طرح بہت دلیلیں اس کفارہ کے بطلان میں ہوسکتی ہیں منصف کیلئے ایک دلیل بھی کافی ہے مینے تو چھ لکھدیں ہیں حاصل یہ ہی کہ جس طرح تثلیث کا عقیدہ خدا کی توحید کے سراسر خلاف ہی اسی طرح یہ کفارہ خدا کی قدرت اور عدالت اور غیوری اور دانائی اور رحمت وغیرہ صفات کمالیہ کے بالکل مخالف ہی ان دونوں عقیدوں سے خدا کی کئی صفتیں باطل ہوتی ہیں۔

واضح ہو کہ جب پادری صاحب حق الوسع اپنے انوکھے طریقہ نجات کے ثبوت میں خوب زور لگا چکے اور اپنے گمان میں عقلی طور سے اُسی موافق عدالت ٹھہرا چکے تو شاید انہیں یہ خیال آیا کہ یہ وہی پورانی تقریر ہے جو نئے انشا پردازی کے لباس میں ہمنے اُسے ظاہر کیا ہے پھر اُسکی دھجیاں تو اہل اسلام خوب اُڑا چکے ہیں اب اگر کوئی منصف مزاج دیکھیگا تو کیا کہیگا اسلیئے صفحہ ۱۸ میں فرماتے ہیں۔ میں براے مزید احتیاط پھر عرض کرتا ہوں کہ ابھی یہ گفتگو نہیں ہی کہ آیا وہ سبیل نجات جو کتاب مقدس میں مذکور ہی اور خلاصہ اُسکا اوپر ذکر کیا گیا درست ہے یا نادرست مگر جس کتاب کو قرآن و حدیث خدائے برحق کا کلام بتاتے ہیں اُسمیں صاف صاف کہا ہے کہ صرف یہی راہ نجات کی ہے انتہے مختصراً۔

اب میں بھی براے مزید احتیاط پھر عرض کرتا ہوں کہ مینے جو اس قدر درد سری کرکے یہ بات نہایت واضح طور

پر ثابت کر دی کہ توریت و انجیل و صحف انبیا میں وہی طریقہ نجات بیان ہوا ہی جو قرآن و حدیث میں ہے اور وہ انوکھی نجات جسے پادری صاحب مان رہے ہیں عقلاً اور نقلاً باطل ہے اسکی وجہ فقط یہ تھی کہ پادری صاحب اور اُنکے ہم مشرب اپنی غلط فہمی پر متنبہ ہوں ورنہ ہمیں اس قدر کہنا کافی تھا کہ وہ کتاب خدا یعنی قرآن مجید جو تمام کتب انبیا کے مطالب اصلیہ پر مشتمل ہوکر حافظ و نگہبان قرار پائی ہی وہ اس انوکھے طریقہ نجات کو غلط بتاتی ہی اور بزبان حال کہہ رہی ہی کہ توریت و انجیل میں ہرگز یہ طریقہ نجات نہیں ہے

اختلاف چہارم

اس اختلاف کے بیان میں پادری صاحب نے بہت طولانی تقریر کی ہے مگر حاصل اُسکا اسقدر ہی کہ شریعت دو قسم ہی اخلاقی اور رسمی اور شریعت اخلاقی افضل ہے شریعت رسمی سے۔ جو اعمال بذاتہ نیک ہیں یا بد وہ شریعت اخلاقی کہلاتے ہیں اور جو افعال بذاتہ نیک ہیں نہ بد بلکہ محض خدا کے حکم سے وہ حلال یا حرام ہوگئے ہیں اُسے شریعت رسمی کہتے ہیں۔ شریعت رسمی خدا کی پاک ذات کا عکس نہیں اور نہ انسان کی کاملیت کا نشان بلکہ ابتدا میں حضرت موسیٰ کو یہ شریعت اسلئے عنایت ہوئی کہ اُسوقت کے لوگ شریعت اخلاقی کے متحمل نتھے بعدازاں جب اہل زمانہ اس قابل ہوئے تو حضرت مسیح نے وہ شریعت بیان فرمائی اور اب شریعت رسمی کی حاجت نہ ہی۔ مگر قرآن و حدیث اُسکے برعکس پھر شریعت رسمی کی تعلیم کرتے ہیں اور تمام بند و بست الٰہی کو اولٹے دیتے ہیں۔ دیکھو صفحہ ۱۸۔ ۲۱۔

جواب

ماہرین صحف سابقہ بخوبی جان سکتے ہیں کہ پادری صاحب کی تمام تقریر محض خیالی ہی شاید کتب عہد عتیق و جدید کو سرسری طور پر دیکھکر یا محض سنکر نافہمی سے ایسا خیال اُنھوں نے اپنے دماغ میں پکالیا ہی اسکا مختصر جواب یہ ہے کہ قرآن مجید توریت و انجیل کا مصدق ہی نہ آپ کے خیالات کا عبث آپ نے اسقدر طول تقریر کی ہے ہمنے مانا کہ یہ خیالات آپ نے کتب مقدسہ سے مستنبط کیے ہیں مگر کیا آپ نہیں جانتے کہ استنباط بھی انسان کا ایک خیال ہی جسمیں غلطی بھی ہوا کرتی ہی پھر ایسے محتمل اور مشکوک

بات سے کوئی یقینی امر ثابت ہو سکتا ہے ذرا آپ ہی انصاف کیجیے اور یہاں تو آپ کا خیال یقینا غلط ہی
کیونکہ حضرت مسیح نے نہ رسمی شریعت کو بالکل موقوف کیا نہ کوئی شریعت اخلاقی ایسی بیان فرمائی جو
پہلے نتھی اور نہ قرآن و حدیث کتب سابقہ کے مخالف کوئی رسمی شریعت تعلیم کرتے ہیں البتہ تکمیل کرتے
ہیں ان تینوں باتوں کا ثبوت آئینہ اسلام میں بخوبی دیاگیا ہی یہاں مختصر طور سے ذکر کیا جاتا ہی۔ پہلے دعوی
کے ثبوت میں ہمیں اسقدر کہنا کافی ہی کہ حضرت مسیح اگلی شریعت پر خود عمل کرتے تھے چنانچہ شاگردونکے
ہمراہ عید فسح کی تھی جسکا ذکر مرقس کے باب ۱۴ اورس ۱۲ اسے ۱۸ اتک آیا ہے اور پھر اپنے معتقدوں کو
اُسپر عمل کرنیکو بھی کہا ہے چنانچہ متی کے باب ۲۳ ورس ۲ و ۳ میں ہے " فقیہ اور فروسی موسے
کی گدی پر ہیں اسلیئے جو کچھ وے تمھیں ماننے کو کہیں مانو اور عمل میں لاؤ" دیکھئے یہاں صاف صاف
تمام شریعت موسوی کی بجا آوری کی ہدایت ہی اور اسی طرح مسیح نے جب ایک کوڑی چنگا کیا تو اُس سے
کہا " جا کے اپنے تئیں کاہن کو دکھا اور جو نذر موسے نے مقرر کی گذران" (دیکھو متی ۸ و لوقا ۵)
آب ناظرین ملاحظہ کریں کہ جب حضرت مسیح نے خود رسمی شریعت پر عمل کیا اور دوسروں کو اُسکی ہدایت
کی تو پادری صاحب کا اُسے بیکار بتانا کیسا غلط ہوگیا اور معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث مخالف انجیل
کے نہیں ہیں البتہ پادری صاحب کے خیال باطل کے مخالف ہیں۔

رہا دوسرا دعوی یعنی حضرت مسیح نے اخلاقی شریعت ایسی نہیں بیان فرمائی جو پہلے صحیفوں میں نہو اسکا
ثبوت اظہر من الشمس ہی جیسا کہ جی چاہے انجیل کو صحف سابقہ سے ملا کر دیکھ لے چند احکام کا حال یہاں بھی معلوم ہو جائیگا
اب میں تیسرے دعوی کی تحقیق کیلیئے شریعت اخلاقی اور رسمی کو کسیقدر بیان کرنا چاہتا ہوں پادری صاحب
نے تو ان دونوں میں یہ فرق بیان کیا ہی کہ جو اعمال بذاتہ نیک ہیں یا بد اُنکا حکم کرنا یا منع کرنا شریعت
اخلاقی ہے (دیکھو صفحہ ۱۹ و ۲۰) اور جو احکام از خود نیک و بد نہیں ہیں بلکہ محض حکم آلہی کی وجہ سے
اُنکی حلت اور حرمت معین ہوتی ہے (صفحہ ۲۱ سطر ۱۰ - ۱۲) اور اسی صفحہ کی سطر ۲ و ۳ میں یہ بھی کہتے ہیں
کہ " بعضے اعمال بذاتہ نیک ہیں جنسے خدا تعالے معمور ہے اور بعضے از خود بد ہیں جنسے وہ منزہ ہے" اور
صفحہ ۲۲ سطر ۱۳ و ۱۴ میں شریعت اخلاقی کی تمثیل میں یہ بیان کیا ہے کہ محتاجوں بیواوں یتیموں بیکسوں

وغیرہ کی مدد کرنا " میں کہتا ہوں کہ اہل علم اسکو خوب جان سکتے ہیں کہ پادری صاحب کا بیان محض ناقص بلکہ باہم متعارض ہے اس سے کوئی امر تشفی بخش نہیں معلوم ہوتا کیونکہ شریعت اخلاقی اُن افعال کو قرار دینا جو بذاتہ نیک ہیں یا بد اسکے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جو افعال بنظر خاص اپنی ذات کے عمدہ ہیں یا برے ہیں وہ شریعت اخلاقی میں داخل ہو سکتے ہیں اس بنا پر شریعت اخلاقی کی وہ مثالیں غلط ہو جائیگی جو اوپر نقل کی گئیں کیونکہ محتاجوں وغیرہ کی مدد کرنا بیشک نہایت عمدہ فعل ہے مگر اسکی عمدگی بنظر اس فعل کے ذات کے نہیں ہے کیونکہ وہ فعل تو یہ ہے کہ اپنی مشقت اور جانفشانی کی کمائی کو مفت دیدینا یا اپنے ہاتھ پیروں کو تکلیف دینا ہے اسمیں کسی طرح کی خوبی نہیں ہے دیکھو اگر کوئی شخص اپنی کمائی کسی ظالم کو دیدے یا بُرے کام میں صرف کرے تو اُسے کوئی عمدہ نہیں کہہ سکتا حالانکہ وہ فعل یعنی مال کا دیدینا دونوں جگہ ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُس فعل کی ذات میں بھلائی اور بُرائی کچھ نہیں ہے ہاں دوسری جہت سے اُسمیں بھلائی یا بُرائی آجاتی ہے یعنی جس وقت مدد کرنے سے ایک مخلوق خدا قابل رحم کی حاجت برآتی ہے اور فائدہ پہونچتا ہے اُسوقت وہ فعل عمدہ اور نیک کہلاتا ہے اور جب اُس سے ظلم کی اعانت ہوتی ہے اور خلقت کو مضرت پہونچتی تو وہی فعل بد کہلاتا ہے اسی طرح قتل کا حال ہے جسکو پادری صاحب نے صفحہ ۲۳ میں بذاتہ اعمال بد میں داخل کیا ہے کیونکہ اس فعل کی بھی دو حالتیں ہیں ایک تو یہ کہ کوئی ناحق کسیکو مار ڈالے دوسرے یہ کہ قصاص میں مارے پہلا قتل بُرا ہے اور دوسرا عمدہ ہے حالانکہ قتل میں دونوں برابر ہیں۔ حاصل یہ کہ یا تو جن افعال کو پادری صاحب شریعت اخلاقی میں داخل سمجھتے ہیں وہ انکے بیان سے شریعت اخلاقی میں داخل نہیں ہو سکتے یا وہ بیان انکا غلط ہے۔ دوسرے معنی یہ کہ اُن افعال میں بھلائی یا بُرائی پائی جائے خواہ اُنکی خاص ذات میں یہ امر ہو یا کسی وجہ سے آگیا ہو اس تقدیر پر کوئی رسمی شریعت نہیں ہو سکتی کل احکام الٰہی اخلاقی شریعت ہیں کیونکہ وہ حکیم مطلق جس فعل کے کرنیکا حکم کریگا ضرور ہے کہ اُسمیں کسی طرح کی خوبی ہوگی اور جس سے منع کرے گا بالضرور اُسمیں کچھ نہ کچھ بُرائی ہوگی۔

اور صفحہ ۱۲ میں نیک اعمال اُنہیں قرار دیا ہے جنسے خدا تعالےٰ مسرور ہے اور بد افعال اُنہیں ٹھہرایا ہے جنسے وہ

منزہ ہے اس سے لازم آتا ہے کہ غرور اور تکبر اور مار ڈالنا انسان کے لیے عمدہ فعل ہوں کیونکہ اس خداوند
کبریا کی ذات اِن صفات سے معمور ہے زندہ کرنا اور مارنا اسیکا فعل ہے تکبر اور غرور اسی کو زیبا ہے
اسی طرح عجز و انکسار کو برا ہونا چاہیے کیونکہ وہ قادر توانا اس سے منزہ ہے اسکا حاصل یہ ہوا کہ بعض
وہ افعال جو انسان کے لیے بڑے ہیں پادری صاحب کے بیان سے عمدہ ٹھہرینگے اور بعض عمدہ
افعال بری ہو جائینگے اس بیان سے ثابت ہو گیا کہ شریعت اخلاقی کا بیان جو پادری صاحب نے کیا ہے
وہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ اب شریعت رسمی کا حال سنیے وہ بھی غلط ہے کیونکہ بموجب اُنکی تحریر کے
جب شریعت رسمی وہ افعال ٹھہرے جو از خود نیک و بد نہوں بلکہ محض حکم آلہی کیوجہ سے حلال یا حرام
ہو گئے ہوں تو اُس پر وہی اعتراض ہوگا جو خود اُنہوں نے صفحہ ۲۰ کی سطر ۱ سے ۲ تک لکھا ہے یعنی اُنکو خواہ مخواہ
نیک و بد قرار دیکر بے وجہ آدمیوں کو تنگ کرنا ٹھہرا صفحہ ۲۴ میں پادری صاحب نے احکام رسمی کے
مشروع ہونیکی وجہ بیان کرنا چاہی تھی مگر نہیں ہو سکی صرف ایک مثال پر کفایت کی ہے لکھتے ہیں کہ
وہ دیکھیے کہ دال بھات یا روٹی وغیرہ آدمی کی خوراک ہے اور وہ از خود اچھی ہے مگر جب حکیم کسی مریض کو
اُسکا کھانا منع کرتا ہے تو اس باعث سے نہیں کہ وہ بذاتہ بُری ہے بلکہ کسی خاص مصلحت سے اور جب وہ غرض
پوری ہو جاتی ہے تو پھر اجازت دیتا ہے،، یہ بیان بھی کئی وجہ سے مخدوش ہے اوّل یہ کہ رسمی احکام
تو اُنہیں قرار دیا ہے جو از خود نیک ہیں نہ بد اور دال بھات وغیرہ یا اُنکا کھانا پادری صاحب کے نزدیک
از خود اچھا ہے پھر دال بھات شریعت رسمی کی مثال کیونکر ہو سکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ شریعت سابقہ
کے کل حرام چیزیں مثل دال بھات کے تھیں اسپر کیا دلیل ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ بعض چیزیں مثل
دال بھات کے تھیں اور بعض مثل زہر کے جو دال بھات کے مانند تھیں وہ بعد کو شریعت عیسوی
یا شریعت محمدی میں حلال ہو گئیں مثلاً اونٹ وغیرہ کا گوشت اور جو زہر کے مانند تھیں وہ
حرام رہیں جیسے سُور کا گوشت وغیرہ۔
تیسرے یہ کہ اِس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ رسمی احکام وہ نہیں ہیں جو محض حکم آلہی کے باعث حلال
یا حرام ہو گئے ہیں بلکہ قطع نظر حکم کے بنفسہٖ اُنکی ضرورت تھی کیونکہ مریض کو بعض چیزوں سے پرہیز کرنا

ضروری ہوتا ہی اوراُن اشیا کا استعمال بنفسہ اُسے مضر ہوتا ہے کچھ حکیم کے کہنے پر موقوف نہیں ہی البتہ اکثر اوقات اسکی مضرت کا مریض کو علم نہیں ہوتا واقعی اور سچی بات بھی یہی ہی جو اس مثل سے سمجھی جاتی ہے - چوتھے یہ کہ یہ مثال تو ہمارے مفید مدعا ہی نہ پادری صاحب کے کیونکہ کھانے کی چیزوں کی مختلف حالتیں ہیں کسی مریض کو تو صحت کے بعد مطلق اجازت دیجاتی ہی کسیکو قطعًا کہدیا جاتا ہے کہ تم فلاں شئے نکھانا بعض وقت حکیم کسی اشیا کے استعمال کا حکم دیتا ہی اور بعض وقت کسی کا یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ طبیب نے جن اشیا کے استعمال کا پہلے حکم دیا تھا اُنکا استعمال پھر کبھی نکراسکے گو کیسی ہی ضرورت کیوں نہو یا جن چیزوں کو منع کیا تھا اونھیں پھر منع نکر سکے یا اُنکی جگہ دوسری اشیا کا استعمال یا پرہیز نہ بتاسکے بلکہ ہر عاقل یہی کہیگا کہ مریض کے حال کے مطابق ہر طرح کا تغیر ہوسکتا ہے اسمیں کوئی شک نہیں ہی کہ جس طرح ایک مریض کا حال متغیر ہوتا ہے اور حسب حالت اُسکے دوا و غذا دیجاتی ہے اسی طرح مزاج عالم کے تغیر کا حال ہی وہ حکیم مطلق اُسکے حسب حال احکام فرماتا ہے جنکی وجہ سے امراض روحانی سے انسان نجات پاتا ہی اسی وجہ سے شریعت موسوی کے بعض احکام شریعت عیسوی میں متغیر ہوے اور بعض شریعت محمدی میں اور بعض کو شریعت عیسوی نے بدلا تھا مگر شریعت محمدیہ نے بحال کیا جیسا کہ ختنے اور سور کی حرمت ہے کہ توریت میں جس طرح ان دونوں چیزونکو حرام بتایا تھا قرآن و حدیث میں بھی اُنہیں حرام بتا یا گیا۔

الحاصل پادریصاحب نے جسقدر بیان شریعت اخلاقی اور رسمی میں کیا ہے وہ اول سے آخر تک غلط اور باہم متعارض ہے میں کہاں تک بیان کروں جب وہ شریعت اخلاقی اور رسمی کے معنی ہی نہیں بیان کرسکتے اور اُسکے مطلب ہی کو نہیں سمجھے پھر اُنکا اعتراض بجز نافہمی کے اور کیا ہوسکتا ہی جس بنیاد پر وہ اعتراض کرنا چاہتے ہیں وہی درہم و برہم ہے - اس بات پر تو تمام عقلا کا اتفاق ہے کہ اُس حکیم مطلق علام الغیوب اور کریم و رحیم کے احکام مصلحت اور خوبی سے خالی نہیں ہوسکتے جس شئے کا وہ حکم کریگا بلاشک اسکی بجاآوری میں بندے کے لیے نفع ہے اور جس امر سے وہ منع کریگا بالضرور اسمیں کچھ نہ کچھ نقصان ہے البتہ احکام آلہی دو طرح

کے ہوتے ہیں ایک وہ جنکا نفع وضرر عقل سے معلوم ہو جاتا ہے دوسرے وہ جنکا نفع ونقصان معلوم نہیں ہوتا پہلی قسم کا نام احکام عقلی اور دوسری قسم کا نام احکام تعبدی ہے کتب اہل اسلام میں ان دونوں قسموں کی مثالیں بعض مقام پر ایسی دی ہیں جسکی وجہ سے علماء مسیحیہ پہلی قسم کو شریعت اخلاقی سمجھے اور دوسری کو رسمی اول تو انسے یہی غلطی ہوئی کیونکہ احکام تعبدی اور عیسائیوں کی مصطلحہ شریعت رسمی ہرگز ایک نہیں ہوسکتی ورنہ تثلیث پرستی کو شریعت رسمی کہنا پڑیگا دوسرے یہ کہ بعض نافہم عیسائیوں نے کچھ اُسپر اور بھی اضافہ کیا اور غلطی میں اور غلطی بڑہائی مثلاً ہر ایک شے کی علت حرمت کو رسمی شریعت میں داخل کردیا اور اصلی مدعا کو نہ سمجھا علمائے اہل اسلام نے اس امر میں بھی گفتگو کی ہے کہ احکام معقولی اور تعبدی میں سے کون احکام افضل اور اعلی ہیں اور کون ادنی ہیں اکثر کی راے یہ قرار پائی ہے کہ احکام تعبدی سے احکام معقولی افضل ہیں مگر اسکی یہ وجہ نہیں ہے کہ احکام تعبدی میں بذاتہ کوئی خوبی نہیں ہے جیساکہ پادری صاحب شریعت رسمی میں بیان کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک جتنے احکام الٰہی ہیں خواہ عقلی ہوں یا تعبدی سب میں کسی طرحکی خوبی ضرور ہے یہ بات جدی ہے کہ اُسکی خوبی ہمیں معلوم نہو۔ جسوقت حکیم نسخہ تجویز کرتا ہے تو ہوشیار مریض بہت سی دواؤں کے نفع ونقصان کو جان لیتا ہے اور بعض کو نہیں جانتا مگر اُسکے نجاننے سے یہ نہیں ہوسکتا کہ اُس دوا میں بنفسہ کوئی نفع ونقصان نہو یہ دو قسمیں احکام آلہی کی جو بیان کی گئیں اِن میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہوسکتی ہیں یعنی احکام معقولی میں بعض ایسے ہوں جنکا نفع ونقصان دائمی ہو اور بعض ایسے ہوں جنکا دائمی نہو بلکہ ایک وقت میں ہو دوسرے وقت میں نہو اور اسی طرح احکام تعبدی کی دو قسمیں ہوسکتی ہیں مگر ظاہر ہے کہ جب خود نفع ونقصان کا معلوم کرنا بعض وقت بہت دشوار ہوتا ہے تو اس امر کا دریافت ہونا کہ اسکا نفع یا ضرر دائمی ہے یا غیر دائمی نہایت دشوار ہوگا۔ جن احکام کا نفع وضرر فی نفسہ دائمی نہیں ہے اُنھیں احکام میں ہمارے نزدیک نسخ ہوتا ہے۔

توریت کے بہت سے قیودات اسی قبیل کے تھے جنکو شریعت عیسوی اور محمدی نے اُٹھا دیا یعنی یہ بات ظاہر کردی کہ اُن احکام کا نفع وضرر دائمی نہ تھا اب جبتک پادری صاحب یہ ثابت نکردیں

کہ قرآن و حدیث میں وہ احکام تعلیم کیے گئے جو نفع سے خالی ہیں اُسوقت تک یہ کہنا کہ قرآن و حدیث بند و بست آلہی کو اُلٹے دیتے ہیں سراسر اُنکی اُلٹی سمجھ کا ثمرہ ہے مگر میں نہایت سچائی اور بڑے استحکام سے کہتا ہوں کہ اسکا ثبوت غیر ممکن ہے پادری صاحب نے نیاز نامہ میں چند احکام کو رسمی قرار دیکر ناکارہ بتایا ہے آئینہ اسلام میں اُسکا جواب دیا گیا اور اسمیں بھی اپنے موقع پر دیا جائیگا اس قدر تحریر سے اہل انصاف پر ظاہر ہوگیا کہ پادریصاحب کا اعتراض بالکل بے بنیاد ہے بجز نافہمی اور وہوکا دہی کے اور کوئی منشا اسکا نہیں ہے - اب میں چاہتا ہوں کہ تعلیم قرآن و حدیث کا کتب سابقہ سے مقابلہ کرکے طالبان حق پر ظاہر کر دوں کہ شریعت محمدیہ بند و بست الہی کے بالکل مطابق اور اُسکی تکمیل ہی اور پادری صاحب کا یہ کہنا کہ قرآن و حدیث بند و بست آلہی کو اُلٹے دیتے ہیں محض غلط ہے **تعلیم اول** خدا تعالے خالق عالم کو ماننا اس تعلیم میں تمام کتب آسمانی متفق ہیں علاوہ اسکے یہ امر کچھ ایسا فطرتی ہی کہ ہرایک انسان انصاف کی نظر سے اپنے دل میں اسکی تصدیق پاتا ہی مگر ماننا وہی قابل اعتبار ہی جو اسکی عظمت و شان کے موافق ہو یعنی جتنی اُسکی صفتیں ہیں اُنکو بھی علی وجہ الکمال مانتا ہو اور اگر ماننا صرف زبانی ہی اور دل میں ایسے عقیدے بھی رکھتا ہی جو اسکی شان کے مخالف ہیں تو وہ ایمان کسی شمار میں نہیں ہوسکتا مثلاً خدا تعالی کی اعلے صفات میں سے یکتائی بھی ہے یعنی وہ ذات ایسی ہی کہ اُسکا کوئی نظیر نہیں ہوسکتا اب اگر کوئی خدا کو یکتا نجانے یا صرف زبان سے یکتا کہے اور عقیدہ ایسا رکھے جو اُسکے مخالف ہو مثلاً عیسائیوں کی طرح تثلیث کو ماننے اور حضرت مسیح اور روح القدس کو خدا کے مانند جانے وہ ہرگز خدا کو نہیں مانتا کیونکہ جسے وہ مان رہا ہے وہ یکتا و بینظیر نہیں ہے اور خدا کی ذات یکتا و بینظیر ہے پس جسے وہ مانتا ہے وہ خدا کی ذات نہیں ہی اسوجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عیسائی حقیقی خدا پر ایمان نہیں لائے کیونکہ تثلیث پر اُنکا ایمان ہے ایک چھوڑ دو دو کو خدا کا مانند جانتے ہیں اس سے خدا کی یکتائی بالکل باطل ہوتی ہے اسی طرح اُسکی صفات سے غفاری اور غیوری اور قدوسی وغیرہ ہے اِن صفات کا بھی عیسائی صرف زبانی اقرار کرتے ہیں اختلاف رسوم ہیں جو کفارہ کا عقیدہ بیان ہوا ہے وہ بالکل ان صفات کے مخالف ہے -

ظاہر ہی کہ جب خدا تعالی نے بغیر سزا یا کفارے کے گنہ گار کو چھوڑا تو وہ کسی طرح غفار نہیں ہو سکتا اور جب وہ دنیا میں آکر اپنے عاجز بندوں کے ہاتھ سے ذلیل و خوار ہوا تو وہ کسی طرح غیور نہیں کہلا سکتا اور جب اُسنے تمام لوازمات انسانی اختیار کئے تو قدوسیت اُسکی باطل ہو گئی۔ الغرض عیسائیوں کے عقیدے سے خداے وحدہ لاشریک کی صرف توحید ہی باطل نہیں ہوتی بلکہ بہت سے صفات عُلیا میسٹ ہوتے جاتے ہیں افسوس صد افسوس کہ پہر بھی عیسائی اپنے تئیں ایماندار سمجھتے ہیں مگر عقل و انصاف یہی کہتا ہی کہ ایسا ایمان کسی شمار میں نہیں ہو سکتا کیونکہ جس ذات میں صفات مذکورہ نہیں ہیں وہ خدا ہی نہیں ہی پہر اُسکو ماننا خدا کا ماننا نہیں ہی اسیواسطے خدا تعالی نے اپنے کلام پاک میں حضرت سرور عالم کی زبانی اہل کتاب کی نسبت صاف فرمادیا ہے کہ وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے چنانچہ سورہ توبہ کی آیۃ ۲۹ میں ہی کہ " لڑو اُن لوگوں سے جو ایمان نہیں رکھتے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں جو اللہ و رسول نے حرام کیا ہے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو یعنی وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی ہے۔"

اور سورہ بقرہ کی آیۃ ۶۲ میں ایمان لانے کی ترغیب اس طرح دی گئی ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ الخ بیشک جو ظاہری مسلمان ہیں اور یہودی اور نصاری اور صابئین (انمیں سے) جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور نیک کام کرے اُنکے لیے بدلہ ہے اُنکے پروردگار کے پاس اور نہ انکو کچھ خوف ہے اور نہ وہ غم کھاویں گے۔

پہلی آیت میں تو اہل کتاب سے صاف صاف ایمان کی نفی کی گئی تھی اس آیت میں ضمناً نفی ہی کیونکہ جب اُنکو ایمان لانیکا حکم ہوا تو اُنکا پہلا ایمان کالعدم شمار کیا گیا اور چار فرقوں کو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانیکا حکم ہوا اور یہ بشارت دی گئی کہ جو کوئی سچے طور پر ایمان لائے اور نیک کام کرے اُسکی نجات ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ یہ چاروں فرقے اللہ کو اور قیامت کے دن کو جیسا کہ وہ ہے نہیں مانتے منافقین اگر اللہ کو اور قیامت کے دن کو مانتے تو بخوف جزا و سزا نفاق نکرتے۔ یہود کو جا بجا عہد جدید میں بھی بے ایمان کہا ہے۔ غرضکہ یہود کا ایمان بھی قابل اعتبار

نہیں قیامت کا ذکر توریت میں بالکل ندارد ہی اسی وجہ سے بعض فرقے یہود کے قیامت کے بالکل
منکر ہیں اور دوسرے صحیفوں میں قیامت کا کچھ ذکر ہے مگر بہت مجمل طور پر اس وجہ سے کوئی یہودی
قیامت پر پورا پورا ایمان جیساکہ چاہیے نہیں رکھتا اور عیسائی تو نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ قیامت کو
خدا کے نہ ماننے کا ذکر تو اوپر کیا گیا اور قیامت کا نہ ماننا بھی اسو جہ سے ہے کہ جس طور پر اوس کا
وقوع ہوگا اسطور پر نہیں مانتے اسو جہ سے جسقدر کہ مانتے ہیں وہ مثل نہ ماننے کے ہی رہے صابی یہ لوگ
تو ستارہ پرست تھے اُنکا نہ ماننا ظاہر ہے الحاصل کسی فرقے کے یہ دونوں عقیدے ٹھیک نہیں ہیں
اور اسکی بڑی وجہ تو انکی غلط فہمی ہی مگر کسی قدر اُنکی کتابوں میں بھی بیان قاصر ہی جسکی وجہ سے وہ ایسے
امر اہم میں مغالطے میں پڑگئے۔ علاوہ اسکے جب عیسائیوں کے نزدیک تثلیث وکفارہ کا عقیدہ خود اُنکی
کتاب سے صاف صاف ثابت ہے تو بموجب اُنکے اقرار کے اُنکی کتاب ناقص اور مورد اعتراض ہے
قرآن ہی خدا کی وہ سچی کتاب ہے جسنے ہمکو اس مغالطے سے نکالا اور اپنا سیدھا راستہ بتایا اسمیں شک
نہیں کہ قرآن مجید میں جس صفائی اور عمدگی اور تفصیل سے خداوند تعالے کی ذات اور جمیع صفات کا
بیان ہے کسی اور کتاب میں نہیں پایا جاتا اور یہی حال قیامت کا ہی کہ جابجا کس کس دردناک طور سے
اُسکا ذکر کرکے اپنے بندونکو متنبہ کیا ہے اور کس کس عمدگی سے اسکی حالت کی تفصیل کی ہی جس سے
بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ بیشک یہ خدا کی کامل کتاب ہے جسنے خدا کی اگلی کتابوں کو پورا کردیا اسیوجہ سے
قرآن ہی کے ماننے والے یعنی مسلمان خدا کے اور قیامت کے سچے ماننے والے ہوسکتے ہیں اسی
گروہ نے خدا کو اس عظمت اور شان کے ساتھ مانا ہی جیسا کہ چاہیے اور قیامت کو اُس حالت کے
ساتھ تسلیم کیا ہے جو واقع میں ہی اسیواسطے قرآن مجید اور احادیث میں یہ صفت خاص مسلمانوں کی
قرار دی ہے (دیکھو آیت ۲۳۲ سورۂ بقرہ اور آیت ۱۸ و ۱۹ و ۴۴ سورۂ توبہ اور صحیح مسلم کی کتاب
الایمان وغیرہ) یہاں سے اُن صاحبونکی خوش فہمی قابل ملاحظہ ہی جو آیت مذکور سے یہود ونصارے
کی نجات ثابت کرتے ہیں حالانکہ اس آیت میں تو اُنکا ایمان ہی کالعدم شمار کیا گیا ہے اور اُن کو
ایمان لانے کا حکم ہوا ہے۔

تعلیم دوم وسوم خدا سے محبت رکھنا اور کثرت سے اُسکی یاد کرنا یہ دونوں باتیں باہم ایک دوسرے کو لازم ہیں کثرت سے یاد اُوسی شے کی ہوتی ہے جسکی محبت دل میں سما جاتی ہے۔ اور زیادہ یاد کرنا جس طرح محبت دلی پر شہادت دیتا ہے اسی طرح محبت دلی کو بڑہاتا بھی ہے تجربہ اس پر شاہد ہے۔ اِن دونوں باتوں کی تعلیم قرآن وحدیث میں اس تفصیل اور تاکید وعمدگی سے ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گویا یہ مقدس کتاب خاص اسی کی تعلیم کے لیے نازل ہوئی ہے۔ توریت میں بھی خدا سے محبت رکھنے کا حکم ہے مگر اسمیں اُن باتوں کا نشان بھی نہیں ملتا جو قرآن وحدیث میں ہیں اور انجیل میں بعینہ توریت کا مقولہ نقل کردیا ہے کسیطرح کی تکمیل نہیں کی ناظرین ملاحظہ کریں

عہد عتیق وجدید	قرآن مجید وحدیث
تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے جی اور اپنے سارے زور سے خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ (استثنا ۶) اے خداوند کے سارے مقدس لوگو اُس سے محبت رکھو (زبور ۳۱) الیسوع نے اُس سے کہا خداوند کو جو تیرا خدا ہے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری سمجھ سے پیار کر۔ پہلا اور بڑا حکم یہی ہے (متی ۲۲ باب ۳۷ و ۳۸) (لوقا کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم خود حضرت مسیح نے بیان نہیں کیا بلکہ ایک یہودی شریعت کے ماہر نے بیان کیا چنانچہ لوقا کے باب ۱۰ ورس ۲۵ میں ہے) اور دیکھو ایک شریعت سکھلانے والا اُٹھا اور یہ کہکے اُسکی آزمایش	اگر تمھارے باپ دادے اور تمھاری اولاد اور بھائی بند اور تمھاری جوروین اور تمام برادری اور تمھاری کمائی اور سوداگری جسکے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنھیں پسند کرتے ہو تمکو زیادہ محبوب ہیں اللہ سے اور اُسکے رسول سے اور اُسکی راہ میں سعی کرنے سے تو منتظر رہو کہ خدا اپنا عذاب لادے (توبہ آیت ۲۴) تین باتیں جسمیں پائی جائیں اُسنے ایمان کا مزہ پالیا (۱) اللہ اور اُسکا رسول زیادہ محبوب ہوں اُسے کل چیزوں سے (۲) جس کسی کو دوست رکھے اُسے اللہ کے واسطے رکھے (۳) کفر میں لوٹ آنے کو ایسا ہی ناپسند کرے جیسا آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے (بخاری ومسلم) پھر حصول
۱؎ اس سے مقصود یہ ہے کہ متی اور لوقا کے بیان میں مخالفت ہے	

عہد عتیق و جدید	قرآن مجید و حدیث
کی کہ اے اُستاد میں کیا کروں کہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوؤں (۲۶) اُسنے اُسے کہا کہ شریعت میں کیا لکھا ہے تو کس طرح پڑھتا ہے (۲۷) اُسنے جواب میں کہا تو خداوند کو جو تیرا خدا ہے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنے سارے زور اور اپنی ساری سمجھ سے پیار کر اور جیسا آپ کو ویسا ہی اپنے پڑوسی کو۔	محبت کے لیے دعا تعلیم ہوئی ہے[۱] اللّٰھم انی اسئلك حبك الخ اے اللہ میں تیری محبت اور جو تجھے دوست رکھے اُسکی محبت اور جو کام مجھے تیری محبت تک پہونچاوے تجھسے چاہتا ہوں۔ اے اللہ تو اپنی محبت مجھے اپنی جان سے اور اپنے گھر کے لوگوں سے زیادہ عزیز کر دے اور پیاسے کو ٹھنڈے پانی کی چاہ سے بھی زیادہ تو اپنی محبت کی چاہ دیدے یعنی پیاسے کو جسقدر ٹھنڈا پانی محبوب ہوتا ہے اُس سے بھی زیادہ تیری محبت مجھے محبوب ہو جائے (ترمذی وغیرہ)[۲]

اس آیت اور حدیث میں جس تفصیل و تاکید سے خدا کی محبت رکھنے کا بیان ہوا ہے بیبل میں ہرگز نہیں ہے آیت میں اُن تمام چیزوں کا ذکر کر کے جنسے انسان کو زیادہ تعلق اور محبت ہوا کرتی ہے ظاہر کر دیا کہ اِن سب سے زیادہ اللہ اور رسول کی محبت ہونا چاہیے۔

حدیث میں اس تفصیل کو صرف ایک لفظ مما سواہ میں ختم کر دیا جیسا کہ قسطلانی اسی لفظ کی شرح میں لکھتے ہیں مِمَّا سِوَاهُمَا ای من نفسٍ وولدٍ ووالدٍ واھلٍ ومالٍ وکل شیءٍ یعنے ایمان کا مزہ اُسنے پایا جسنے اپنے جان اور اولاد اور باپ دادے اور اہل و عیال اور مال اور کل شے سے اللہ اور رسول کو زیادہ دوست رکھا۔ اس حدیث کا دوسرا امر بھی محبت خدا کے کمال کو بتاتا ہے کیونکہ اُسکا مطلب یہ ہے کہ کسی انسان سے محبت نہونا چاہیے مگر اللہ ہی کے واسطے یہ بات جبھی

[۱] پوری دعا اس طرح ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ اِلَی الْعَطْشَانِ ۱۲

[۲] اس پر مضمون اور پیاری دعا میں غور کرنا چاہیے کہ کس عمدگی سے ایک وجدانی حالت کی تمثیل دیکر خدا کی محبت کا اندازہ بیان کیا ہے اسمیں شک نہیں کہ یہ وہ اندازہ ہے جس سے بڑھکر محبت نہیں ہو سکتی بیبل میں کسی مقام پر ایسی دعا کا نشان نہیں ملتا

ہوسکتی ہی کہ محبت آلہی میں کمال ہو جائے اور بجز اُسکی محبت کے کوئی خیال دل میں نرہے یہ امر بھی لحاظ کرنا ضرور ہے کہ قرآن مجید میں صرف محبت آلہی کے حکم پر اکتفا نہیں کی بلکہ سچی اور جھوٹی محبت میں تمیز کرنے کے لیے امتحان کا طریقہ بھی بتایا ہی چنانچہ اپنے کلام مقدس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ کہدے (اے محمد) اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ ہر عاقل اس بات کو تسلیم کریگا کہ سچی محبت کی عمدہ نشانی یہ ہی کہ محبوب کا ایلچی جو پیغام پہونچائے اُسے بسر و چشم قبول کرکے نہایت دل سے اُسکی تعمیل میں سعی کرے اور اگر کوئی شخص محبت کا دعوی کرکے محبوب کے پیغام رساں کی بات نہ سُنے وہ اپنے دعوی میں محض جھوٹا ہے ہرگز اُسے محبت نہیں ہے۔

ٹھاکر داس صاحب اس آیت سے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اسمیں خدا سے محبت رکھنا انقیادی امر سے مقید کیا ہے یہ محض اُنکی غلط فہمی ہی اس آیت میں محبت آلہی کی صرف کسوٹی بیان کی گئی ہی جسکے بغیر محبت کا حکم مفید نہیں ہوسکتا۔ الحاصل کئی طور پر قرآن و حدیث کو کتب سابقہ پر اس تعلیم میں ترجیح ہے اوّل تو کتب سابقہ میں یہ تفصیل نہیں ہے جو قرآن و حدیث میں ہے۔ دوسرے توریت وغیرہ میں یہ تہدید نہیں ہی جس سے نہایت مرتبہ کی تاکید اس حکم میں سمجھی جاتی ہی اسکی مثال ایسی ہے کہ ایک حاکم تو کسی کام کا صرف حکم کرے اور دوسرا حاکم یہ بھی کہدے کہ اگر تم اس کام کو نکروگے تو تمھارا مال و اسباب ضبط کرکے تمھیں دائم الحبس کردیا جائیگا۔ ان دونوں حکموں میں فرق ہے اُسی قدر قرآن مجید اور کتب سابقہ میں سمجھنا چاہیے تیسرے یہ کہ قرآن مجید میں کہاگیا کہ رسول خدا سے بھی وہ محبت ہو کہ دوسرے سے نہو اور اسی طرح راہ خدا میں سعی کرنا بھی اُسسے زیادہ محبوب ہو اس سے معلوم ہوتا ہی کہ خدا سے نہایت اعلے مرتبہ کی محبت رکھنے کا حکم ہے کیونکہ جب یہ حکم ہوا کہ اُسکے رسول کی محبت اسقدر ہو کہ دنیا میں کسی سے نہو تو خود اسکی محبت کا کیا حال ہوگا جسکا یہ رسول ہی **مصرعہ** قیاس کن زگلستان من بہار مرا + اسی طرح جان و مال سے اُسکی راہ میں حاضر ہونا بھی اسوقت ہوسکتا ہی کہ جان و دل سے اُسپر فدا ہو + چوتھے یہ کہ قرآن و حدیث نے محبت کی کسوٹی بھی بیان کردی

پھر ایک طور سے نہیں کئی طور سے ایک کا تو ذکر اوپر گذرا اور بعض کا بیان عنقریب کیا جائیگا۔ ظاہر ہی
کہ بغیر امتحان سچی اور جھوٹی محبت میں تمیز نہیں ہو سکتی اکثر اوقات انسان کو اپنے نفس کا بھی
حال کماحقہ دریافت نہیں ہوتا اسی وجہ سے بہت سے کم علم اور نافہم اپنے آپ کو بڑا عالم اور فہیم سمجھا
کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی جھوٹی محبت کو سچی خیال کرے تو اُسکے لیے محبت کا حکم کیا کام کرے گا
اس نظر سے کسوٹی کا ہونا ضرور ہے تاکہ ہر ایک شخص اپنے دل میں انصاف کرکے سچی اور جھوٹی محبت
کو جان سکے اور سچی محبت کے پیدا کرنے میں کوشش کرے مگر اس ضروری امر کو صرف قرآن مجید ہی
نے بیان کیا ہی بیبل اس بیان سے خالی ہی اور تیسرا حکم یعنی خدا کو یاد کرنا یہ حکم حقیقت میں دوسرے
حکم کا تکملہ ہی قرآن مجید میں جا بجا مختلف طور سے اسکی تاکید آئی ہی مثلاً کہیں تو اس طرح فرمایا ہے کہ
خدا کی یاد کثرت سے کرو کہیں نہایت پیاری ترغیب سے یوں ارشاد ہوا ہی فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ
تم میری یاد کرو میں تمھاری یاد کرونگا۔ کہیں پر یوں فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا
أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اے ایمان والو تمھارے مال اور تمھاری اولاد تمھیں خدا کی یاد سے غافل نکردیں
دیکھیے یہاں بھی محبت الٰہی کی کمال تاکید اور اُسکی کسوٹی مذکور ہوئی ہے کیونکہ باوجود مال اور
اولاد کے اللہ سے غافل نرہنا کمال محبت الٰہی کا ثمرہ ہی جو شخص مال و اولاد میں پڑکر اللہ کی یاد سے
غافل ہوجائے وہ جان لے کہ مجھے محبت الٰہی نہیں ہی یہ بھی محبت کی شناخت کی عمدہ کسوٹی ہی کہیں پر
اقسام اور اوقات بیان کرنے کے ساتھ یاد کا حکم ہوا چنانچہ سورہ اعراف کی آیہ ۲۰۵ میں ہے
وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ
مِنَ الْغَافِلِينَ ۝ یاد کر اپنے پروردگار کی دل میں گڑگڑاکر اور ڈرکر اور یاد کر اپنے پروردگار کی پست
آواز سے صبح وشام اور غافل نہو۔ اس آیت میں پہلے تو دو طور یاد کرنے کے ارشاد ہوئے ایک یہ کہ
عاجزی اور ڈر سے دل میں خدا کی یاد کرو۔ دوسرے یہ کہ دھیمی آواز سے یاد کرو آواز سے یاد کرنے میں
دوسروں کو ترغیب ہوتی ہی اسوجہ سے بعض وقت آواز سے یاد کرنے کا بھی حکم ہوا۔ پھر صبح وشام کا وقت
بھی بتایا اگرچہ خدا کی یاد ہر وقت چاہیے مگر یہ اوقات خاص طور کی یاد کے لیے ہیں۔

اس قدر خدا کی یاد کی تاکید اس غرض سے ہی کہ خدا کی محبت میں کمال پیدا ہو جائے اور جب بےتکلف یاد ہونے لگی تو معلوم ہوا کہ محبت نے دل میں پوری جگہ کرلی کیونکہ بغیر محبت کے یاد نہیں ہوسکتی اسقدر خدا کی یاد کرنے پر اصرار و تاکید بیبل میں نہیں پائی جاتی جب اس حکم کے بیان میں بیبل قاصر ہی تو بلا شبہہ محبت الٰہی کے بیان میں بھی قاصر ٹھہرے گی کیونکہ یہ حکم اُسکا تکملہ ہو۔

اِس بیان سے بخوبی واضح ہو گیا کہ یہ عمدہ اور اعلیٰ رکن شریعت اخلاقی کا یعنی محبت خدا جسے حضرت مسیح بھی سب سے بڑا حکم بتاتے ہیں شریعت عیسوی میں بلا تکمیل توریت سے نقل کر دیا گیا اور شریعت محمدی میں اُسکی تکمیل ہوئی۔ چونکہ شریعت محمدی میں اس حکم کو نہایت تکمیل و تفصیل سے بیان کیا ہو اور سچی اور کامل محبت کے جانچنے کیلئے مسلمانوں کو متعدد کسوٹیاں بھی بتادی ہیں اس وجہ سے مسلمانوں نے محبت الٰہی میں وہ مرتبہ حاصل کیا کہ خود خدا تعالیٰ اپنی کتاب مقدس میں اُنکا مداح ہوا چنانچہ فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا اَشَدُّ الخ اور بعضے آدمی اللہ کے برابر دوسروں کو پکڑتے ہیں اور اُنکو ایسا دوست رکھتے ہیں جیسا اللہ کو رکھنا چاہیئے اور ایمان والوں کو اُس سے زیادہ اللہ کی محبت ہی (البقرہ آیہ ۱۶۵) اور دوسرے مقام پر بعض مسلمانوں کی تعریف میں فرمایا ہی کہ اُنکو تجارت اور لین دین اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتا دیکھیئے یہ مرتبہ مسلمانوں کو اسی کامل تعلیم کیوجہ سے ہوا اب ذرا انجیل کو بھی ملاحظہ کیجیئے کہ اُس میں اس تعلیم کا اثر کیا بیان ہوا ہے سب سے زیادہ کامل الایمان حضرت مسیحؑ کے حواری ہوسکتے ہیں مگر اُن کی نسبت خود حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ اے کم اعتقادو تم اپنے دل میں کیوں سوچتے ہو (متی ۱۶/۸) میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تمھیں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوتا تو اگر تم اِس پہاڑ سے کہتے کہ یہاں سے وہاں چلا جا تو وہ چلا جاتا (متی ۱۷/۲۰) اور پطرس حواری کی شان میں ارشاد ہوتا ہی اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ انسان کی باتوں کا خیال رکھتا ہی (متی ۱۶/۲۳) اب جب حواریوں پر اُس تعلیم کا اثر نہ ہوا تو اور عوام کس شمار میں ہیں۔ اب ذرا پادری بھاکر داس صاحب آنکھیں کھول کر ملاحظہ فرماویں (اللہ اُنھیں آنکھیں عنایت کرے) کہ محبت

الٰہی کا بیان کامل طور پر بیبل میں ہے یا قرآن مجید میں افسوس اُن کی لاعلمی پر کہ باایں ہمہ عدم ضرورت قرآن کے صفحہ ۲۲ میں لکھتے ہیں کہ قرآنمجید میں خدا سے محبت رکھنے کی تعلیم نہیں ہے

تعلیم چہارم تعظیم والدین۔ احکام شریعت میں یہ بھی اعلیٰ مرتبہ کا حکم ہے پولوس بھی اسے پہلا حکم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے احکام عشرہ میں یہ حکم حضرت موسیٰؑ کو دیا تھا حضرت مسیحؑ نے اس حکم کی کسی طرح پر تکمیل نہیں کی بلکہ کسی قدر اس کی بے وقعتی کردی البتہ قرآن مجید نے اس حکم کو نہایت موکد اور تفصیل کرکے بیان کیا ہے جس سے توریت کے حکم کی تکمیل ہوتی ہے۔

قرآن مجید

تمھارے پروردگار نے قطعی حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کیساتھ بھلائی کرنا (اے مخاطب) اگر والدین میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو اُنکے آگے ہوں بھی کرنا اور نہ انکو جھڑکنا اور اُنسے ادب سے بات کرنا اور محبت سے خاکساری کا پہلو اُنکے آگے جھکائے رکھنا اور (اُنکے حق میں) دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار جس طرح اُنھوں نے مجھے چھوٹے سے پالا ہے اسی طرح تو بھی ان پر رحم کیجیو۔ (بنی اسرائیل آیہ ۲۳ و ۲۴)

بیبل

تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تاکہ تیری عمر اُس زمین پہ جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہووے (خروج ۲۰/۱۲ و احبار ۱۹/۳) تم میں سے ہر ایک اپنی ماں اور اپنے باپ سے ڈرتا رہے جو اپنے ماں باپ پہ لعنت کرے مار ڈالا جائے (خروج ۲۱/۱۷) اے فرزندو تم خدا کے لئے اپنے ماں باپ کے تابع رہو کیونکہ یہ واجب ہے تو اپنے ماں باپ کی عزت کر کہ یہ پہلا حکم ہے جسکے ساتھ وعدہ ہے (افسیون ۶/۱ و ۲)

ناظرین ملاحظہ کریں کہ قرآن مجید کے صرف ایک مقام پر اس ضروری حکم کی کس عمدگی سے تاکید اور تفصیل کی ہے بیبل کے تمام حوالے ملکر بھی اس بیان کے برابر نہیں ہیں پھر جب وہ سب مقامات قرآن مجید کے ملائے جائیں جن میں والدین کے ساتھ احسان کرنے کی تاکید ہے تو کس قدر زائد اس حکم کی تکمیل ثابت ہوگی اور جب اس پر نظر کی جائے کہ احادیث میں کسقدر اس حکم کی تعمیل کے لئے ترغیب اور نافرمان کے لئے ترہیب ہے تو یہ کہنا کچھ مبالغہ نہوگا کہ بیبل اس حکم کے بیان میں بالکل قاصر ہے اور قرآن وحدیث کے مقابلے میں اُسکا بیان کالعدم ہے بعض وہ ترغیبیں جو احادیث

میں اس حکم کے لیے آئی ہیں وہ سنئے حضرت عبداللہ بن مسعود نے آنحضرت سے دریافت کیا سب سے عمدہ
کون کام ہے آپنے فرمایا کہ وقت کے اوپر نماز پڑھنا پھر انھوں نے دریافت کیا کہ اسکے بعد کون
عمدہ ہے فرمایا کہ والدین کے ساتھ نکوئی کرنا ایک مرتبہ یہ ارشاد ہوا کہ باپ عمدہ دروازہ جنت
کا ہے بعض وقت یوں فرمایا باپ کی خوشنودی میں اللہ کی خوشنودی ہے اور اُسکی ناراضی
میں اللہ کی ناراضی ہے اِس بیان نے باپ کی وقعت کی انتہا کردی اس سے زیادہ اور کیا ترغیب
والدین کے راضی رکھنے کے لیے ہو سکتی ہے پھر ان باتوں کا نشان بیبل میں کوئی دے سکتا ہے ہرگز
نہیں کوئی انصاف پسند اِسکا انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن و حدیث نے جسطرح اُس منعم حقیقی اور خالق
اصلی خداوند تعالےٰ کی ذات و صفات کو عمدہ عمدہ دلائل او عجیب عجیب اسلوب سے بیان کرکے
اُسکی پرستش کی تاکید اور اُسکے حقوق کی تفصیل فرمائی ہے بلا مبالغہ جسکا دسواں حصہ بھی انجیل میں نہیں ہے،
اسی طرح ان منعم مجازی اور خالق ظاہری یعنی والدین کی تعظیم اور اُنکے حقوق کے لحاظ رکھنے کی تعلیم دی
ہے اور اُن کی نافرمانی کو سخت گناہ قرار دیا ہے اور جب آنحضرت نے بہت بڑے گناہوں کو
بیان کیا اُسوقت دوسرے نمبر میں اُسکو رکھا یعنی اوّل بڑے گناہوں میں خدا کے ساتھ شریک
کرنا اُسکے بعد والدین کی نافرمانی کرنا۔ انجیل سے بجائے اِن تاکیدوں کے اِس عظیم الشان حکم کی
بیوقعتی ظاہر ہوتی ہے مثلاً ایک مقام پر حضرت مسیحؑ مکان میں اپنے معتقدین کے پاس بیٹھے تھے اور اُنکی
والدہ آکر باہر کھڑی ہوئیں اور کچھ بات کرنا چاہتی تھیں ایک شخص نے مسیح سے آکر کہا کہ دیکھ تیری ماں اور
تیرے بھائی تجھسے بات کرنا چاہتے ہیں اُسنے کہا کہ کون ہے میری ماں اور میرے بھائی میرے بھائی بہن اور ماں
وہی ہیں جو خدا کی مرضی پر چلیں (متی ۱۲ - ۴۶ - ۵۰) اس بیان سے اظہر من الشمس ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ
اپنی والدہ کو نہایت بیوقعتی سے رکھتے تھے کیونکہ اوّل تو اُنھیں مکان کے اندر مجال نہوئی کہ خود
آکر کہیں کہ ہمیں کچھ کہنا ہے دوسرے شخص نے اطلاع دی اُسوقت بھی آپ نے ایسی بے توجہی کا
جواب دیا کہ کوئی ادنےٰ ذلیل شخص کو بھی نہیں دیتا ہو دی اِس جواب سے ثابت کرتے ہیں کہ حضرت
مسیحؑ کی والدہ اور بھائی مسیحؑ پر ایمان نہیں لائے تھے اس سے زیادہ اور سنیئے ایک مرتبہ مسیحؑ نے

اپنی والدہ کو یہ الفاظ فرمائے کہ "اے عورت مجھے تجھسے کیا کام ہے" (یوحنا ۲ باب ۴) ناظرین ملاحظہ کریں کہ اس جملے سے کتنی بے توقیری والدہ کی ثابت ہوتی ہے پس جب بانی شریعت نے ایک شئے کی بے توقیری مکر اپنے فعل سے ثابت کردی تو اُسکی شریعت سے کیونکر اُس شی کی توقیر ثابت ہوگی اور پولوس کا قول ان اقوال کے سامنے کیا کام کریگا اور اگر پولوس کے قول کو مقدم کیا جائے تو حضرت مسیح پر سخت الزام آئیگا۔ اب اہل انصاف فرمائیں کہ احکام اخلاقی کی تکمیل قرآن وحدیث نے کی ہے یا انجیل نے اور قرآن وحدیث بندوبست الہی کو اُلٹے دیتے ہیں یا کامل کرتے ہیں۔

یہاں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ شریعت محمدیہ میں والدین کی تعظیم پر نہایت اصرار اور اُنکی بے توقیری کو سخت گناہ قرار دیا ہے مگر نافرمان یا بُرا کہنے والے کو قتل کا حکم نہیں دیا جیسا کہ توریت میں ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ شریعت محمدیہ جان کا خوف دیکر جبراً احکام منوانا نہیں چاہتی اسلئے اس حکم کی جگہ صرف یہ کہا گیا کہ والدین کی نافرمانی اکبر الکبائر یعنی بہت بڑا سخت گناہ ہے۔

تعلیم پنجم۔ مخلوق کے ساتھ احسان وسلوک کرنا۔ یہ تعلیم بھی کتب سابقہ اور شریعت محمدیہ سب میں ہے مگر جسوقت اسکی تفصیل اور حفظ مراتب پر بنظر انصاف لحاظ کیا جائے تو بے تامل ہر منصف یہی کہیگا کہ شریعت محمدیہ نے اسکی تکمیل کی اس کی تفصیل کے لئے تو بہت طول چاہیئے مگر مجمل طور سے کچھ لکھتا ہوں سورۂ نساء کی آیت ۳۶ یہ ہے وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا الآیہ عبادت کرو اللہ کی اور کسی کو اُسکا شریک نہ بناؤ اور احسان کرو ماں باپ کے ساتھ اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور پڑوسی قریب اور پڑوسی اجنبی اور ساتھی اور مسافر اور جن کے تم مالک ہوئے ہو ان سب کے ساتھ سلوک کرو اللہ دوست نہیں رکھتا اترانے والے اور شیخی کرنیوالے کو۔

بیبل میں کوئی آیت ایسی جامع نہیں ہے جس میں اسقدر حقوق کا ایک جگہ بیان کیا گیا ہو اب میں چاہتا ہوں کہ جسقدر احکام اس آیت میں ذکر کئے گئے ہیں اُن میں سے بعض کا کتب سابقہ سے مقابلہ کروں تاکہ ظاہر ہو جائے کہ طوریت کا مکمل انجیل ہے یا قرآن وحدیث اس آیت میں چند حکم ہیں

۱۔ خدا کی عبادت کرنا۔ اس حکم کی نسبت قرآنمجید کے دو جملے لایق ملاحظہ ہیں پہلا یہ کہ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ

وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ میں نے جن اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا ہی کہ میری بندگی کریں۔
اور دوسرا یہ کہ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ اور اُنکو یہی حکم ہوا کہ اللہ ہی کی خالص بندگی کریں ان دونوں جملوں سے عبادت الٰہی کی جسقدر تاکید اور ضرورت ثابت ہوتی ہی اُسکو ہر سمجھدار جان سکتا ہے۔ اسکے مقابل کا کوئی جملہ بیبل میں نظر نہیں آتا باقی رہی تفصیل عبادت کی جو ارکان اسلام کے ضمن میں بیان کی گئی ہی تو وہ صاف صاف شریعت محمدیہ ہی سے خاص ہے کچھ بیان کی حاجت نہیں۔

۲- خدا کا شریک کسی کو نہ کرنا۔ اس حکم کو تو شریعت محمدیہ نے اس تصریح اور تاکید سے بیان کیا جسکی کچھ انتہا نہیں اس کا کوئی منکر نہیں ہی اور کتب سابقہ کا حال اسکی نسبت اختلاف اول و دوم میں ذکر کیا گیا

۳- ماں باپ کے ساتھ سلوک کرنا۔ اس کا بیان تعلیم چہارم میں گزرا۔

۴- قرابت والوں کے ساتھ سلوک کرنا۔ یہ حکم سب کتابوں میں ہی مگر عیسائیوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم میں قرابت والے اور غیر قرابت والے سب برابر ہیں اور قرآن و حدیث سے قرابت والوں کی ایک خصوصیت ثابت ہوتی ہے جا بجا قرابتی کے حق کی تاکید آئی ہی اور جہاں عام احسان کا حکم ہوا ہے وہاں بالتخصیص قرابت والوں کو علیحدہ بیان کیا ہے چنانچہ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی بیشک اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور سلوک کرنے کا اور قرابت والوں کو دینے کا عام طور پر سلوک کرنے میں قرابت والوں کو دینا بھی آ گیا تھا مگر بعد اسکے پھر قرابت والوں کو بالتخصیص دینے کا حکم ہوا اس سے ظاہر ہے کہ انکو ایک خصوصیت ہی تخصیص اور تقدم نہایت ضروری اور واجبی امر ہے کوئی عاقل منصف مزاج اسکا انکار نہیں کر سکتا فطرتِ الٰہی اس امر کی کامل شہادت دیتی ہی کہ قرابت والوں کو ترجیح اور تخصیص ہو اس میں شک نہیں کہ مطلق افراد انسانی میں ایک طور کا ناتا اور احتیاج ہی جسکی وجہ سے ہمدردی باہمی اور احسان سلوک واجب ہے مگر جن اشخاص کو قرابتی کہا جاتا ہی اُنمیں تو اُس ناتے کے علاوہ ایک ایسا رشتہ اور زیادہ ہو جاتا ہی جسکی وجہ سے وہ ایک کنبہ یا ایک قبیلہ یا ایک قوم کہلائی جاتی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے

کہ قرابت والوں کے ساتھ رشتہ اتحاد اُس سے زیادہ ہوگیا جو مطلق افرادِ انسانی میں تھا یا یوں کہئیے کہ اُس ناتے کو نہایت اعلےٰ مرتبہ کا استحکام اور مضبوطی ہوگئی اِس لحاظ سے بے تامل عقل یہ کہتی ہے کہ قرابتی کو بلا شبہہ غیر پر تقدم ہے۔

اِس واجبی حق کو جس تاکید اور تفصیل سے قرآن مجید و حدیث میں بیان کیا ہی توریت و انجیل میں نہیں ہی

۵۔ یتیموں سے سلوک کرنا۔ شریعت محمدیہ میں جس خوبی سے اسکی ترغیبیں دی گئی ہیں کسی میں نہیں ہیں۔

۶۔ غریبوں سے سلوک کرنا۔ میں ایسا گمان کرتا ہوں کہ یہ حکم شرائع سابقہ اور شریعت محمدیہ میں یکساں ہی۔

۷۔ پڑوسی قریب سے اور پڑوسی اجنبی سے سلوک کرنا۔

یہ حکم بھی توریت کے احکام عشرہ میں داخل ہی مگر انجیل میں تاکید زائد معلوم ہوتی ہی اسلیئے میں مجموعہ عہد جدید اور قرآن مجید و حدیث میں جو کچھ پڑوسی کے حق میں لکھا ہی نقل کرتا ہوں۔

قرآن مجید و حدیث	عہد جدید
احسان کرو پڑوسی قریب کے ساتھ اور پڑوسی اجنبی کے ساتھ (آیۃ مذکورہ) جو کوئی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہی وہ اپنے پڑوسی کو ایذا نہ دے اور اپنے پڑوسی کی تعظیم کرے۔	تو اللہ کو جو تیرا خدا ہی اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری جان سے اور اپنی ساری عقل سے اور اپنے سارے زور سے پیار کر بڑا حکم یہی ہے، دوسرا اُسکے مانند یہ ہی جیسا آپ کو ویسا اپنے پڑوسی کو پیار کر ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں ہے (مرقس باب ۱۲ ورس ۳۰ و ۳۱)
جنت میں نہ جائیگا وہ شخص جسکی تکلیفوں سے اُسکا پڑوسی بے خوف نہو (آنحضرتؐ فرماتے ہیں) کہ پڑوسی کے حق میں جبرئیلؑ نے مجھے اسقدر وصیت کی کہ مجھے گمان ہوا کہ پڑوسی کو وارث قرار دینگے (پھر آنحضرتؐ فرماتے ہیں) قسم ہی اُس ذات پاک کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہی کوئی بندہ مسلمان نہوگا جبتک وہ اپنے ہمسایہ کیلیئے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنی ذات کیلیئے پسند کرتا ہی (بخاری مسلم)	ساری شریعت اِسی ایک بات پر پوری ہوتی ہی کہ تو اپنے پڑوسی کو ایسا پیار کر جیسا آپکو (گلاتیوں ۵ ۱۴) کیونکہ یہ حکم جو ہیں کہ تو زنا نہ کر قتل نہ کر جھوٹی گواہی نہ دے لالچ نہ کر اور اگر اور کوئی حکم ہے سب کا خلاصہ اِس بات میں ہے کہ تو جیسا آپ کو ویسا پڑوسی کو پیار کر (رومیوں کا باب ۱۳ ورس ۹)

واضح ہو کہ عہد جدید کی یہ تعلیم بھی کوئی نیا امر نہیں ہے بلکہ توریت سے ماخوذ ہے ناظرین خروج کے باب ۲۲ ورس ۲۱ و ۲۲ اور احبار باب ۱۹ ورس ۱۳ و ۱۸ و ۳۳ و ۳۴ وغیرہ مقامات کو ملاحظہ کریں صرف اتنا فرق ہی کہ احبار کے باب ۱۹ ورس ۱۸ میں اسطرح ہی کہ تو اپنے بھائی کو اپنے مانند پیار کر اور ورس ۳۴ میں مسافر کے لئے لکھا ہی تو اُسے ایسا پیار کر جیسا آپ کو کرتا ہی اور عہد جدید میں بھائی اور مسافر کی جگہ پڑوسی کر دیا گیا ہے۔ الغرض اصل تعلیم توریت سے لی گئی ہی البتہ عنوان بیان سے ایک طور کی تاکید سمجھی جاتی ہی مگر قرآن و حدیث میں جس طرح اس حکم کو بیان کیا ہی اُس سے بھی اُسیقدر تاکید سمجھی جاتی ہی جسقدر عہد جدید سے اور کسی طرح اس سے کم نہیں البتہ وہ مبالغہ نہیں ہی جس سے کوئی نا فہم بہک سکے مثلاً پولوس کا یہ کہدینا کہ ساری شریعت اسی ایک بات پر پوری ہوتی ہے کہ تو اپنے پڑوسی کو ایسا پیار کر جیسا آپ کو۔ اس بیان سے عوام یہی سمجھینگے کہ اور ساری شریعت پر عمل کرنا فضول ہے۔

۷۔ مسافر سے سلوک کرنا۔ ۸۔ اپنے مملوک کے ساتھ احسان کرنا خواہ وہ انسان ہو یا حیوان مملوک کے ساتھ سلوک کرنیکی تاکید اور تفصیل جسقدر شریعت محمدیہ میں ہی شریعت موسوی اور عیسوی میں ہرگز نہیں ہی کچھ مختصر بیان کرتا ہوں۔ ناظرین ملاحظہ کریں کہ کئی طور پر غلام اور لونڈی کیساتھ سلوک کرنیکا ارشاد کیا ہی اول تو نہایت ترغیبانہ طور سے اُن کے آزاد کرنیکو بیان کیا ہی مثلاً فرمایا ہی کہ جو کوئی لونڈی یا غلام کو آزاد کرے اللہ تعالے اُسکے ہر عضو کے بدلے آزاد کرنیوالے کے عضو کو جہنم کی آگ سے بچالیگا (بخاری و مسلم) ایک مرتبہ آنحضرتؐ کے پاس ایک دیہاتی نے آکر کہا کہ آپ مجھے ایسی بات تعلیم کیجیے جس کی وجہہ سے میں جنت میں داخل ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تو نے اگرچہ کلام مختصر کیا مگر بڑی بات پوچھی پھر اُسے تعلیم کیا کہ لونڈی یا غلام کو آزاد کر اور گردن خلاص کر اُس شخص نے کہا یہ دونوں باتیں تو ایک ہی ہیں حضرتؐ نے فرمایا کہ ایک نہیں ہیں غلام و لونڈی کے آزاد کرنے سے یہ مراد ہی کہ تو اپنے مملوک غلام یا لونڈی کو آزاد کر دے اور گردن آزاد کرنیکی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی غلام کی آزادی میں تو مدد کرے دوسرے یہ کہ کسی محتاج کو دودھار بکری وغیرہ دیدے تاکہ وہ اُسکے دودھ سے منتفع ہو تیسرے یہ کہ جو رشتہ دار تجھپر ظلم کرتا ہو اُسکے ساتھ

احسان کر اور اگر یہ نہو سکے تو بھوکے کو کھلا اور پیاسے کو پلا اور نیک کام کا حکم کر اور بُرے کام سے منع کر اور اگر تو یہ بھی نہ کرسکے تو اپنی زبان کو بند کرلے۔ بجز بھلائی کے اور کچھ منہ سے مت نکال (بیہقی) غلام کے آزاد کرنے کے لئے اس سے زیادہ اور کیا ترغیب ہوسکتی ہے انھیں ترغیبوں کی وجہ سے اہل اسلام نے اسقدر غلام و لونڈیاں آزاد کی ہیں جنکی انتہا نہیں ہے چنانچہ صرف عبدالرحمٰن صحابی رضؓ نے ۳۰ ہزار غلام آزاد کئے دوسرے یہ کہ مذہبی طور پر اُنکا آزاد کرنا بعض صورتوں میں ضرور کردیا گیا مثلاً (۱) کفّارہ صوم (۲) کفّارۂ ظہار (۳) کفّارۂ قتل (۴) کفّارہ ایلا (۵) کفّارۂ یمین ہیں یعنی جو کوئی مسلمان ماہ رمضان میں روزہ کی نیّت کرکے بلا عذر توڑ ڈالے تو ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے اسی طرح اگر اپنی بیوی کو ماں بہن سے تشبیہ دے تو اب وہ شخص اُسکے پاس نہیں جاسکتا بغیر اسکے کہ ایک بردہ آزاد کرے اسی طرح اگر کسی مسلمان کو دھوکے سے مار ڈالے تو علاوہ خون بہا دینے کے ایک غلام بھی آزاد کرے اور اسی طرح اگر کسی نے قسم کھالی کہ چار مہینے تک اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤنگا اور پھر اُس نے قسم توڑدی تو غلام یا لونڈی آزاد کرے اور یہی حکم مطلق قسم توڑنے کا ہے اور اگر کسی شخص کا عزیز و قریب غلام ہو اور وہ شخص اُسے خریدلے تو اُسیوقت وہ آزاد ہوجائیگا۔ غلاموں کے آزاد کرنے کی یہ سب صورتیں صرف شریعت محمدؐی میں بیان کی گئی ہیں شریعت موسوی میں صرف اسقدر ہے کہ اگر کوئی اپنے بھائی کو خریدلے تو وہ یوبیل کے سال آزاد ہوجائیگا (احبار باب ۲۵ ورس ۴۰ وغیرہ) اور خروج ۲۱ باب میں ہے کہ عبرانی غلام اگر مول لے تو چھ برس خدمت کرکے آزاد ہوجائیگا۔ اور اگر وہ آزادی نچاہے تو ہمیشہ کے لئے غلام رہیگا اور غلامی کی علامت کیلئے اُسکا کان چھید دیا جائیگا مگر شریعت محمدیہ نے ایک دن کی بھی قید نہیں لگائی بلکہ اپنی کمال رحیمی سے اُسیوقت آزادی کا حکم دیتی ہے تیسرے یہ کہ اگر غلام و لونڈی مکاتب ہونے کی درخواست کریں یعنی مالک سے اس مضمون کا نوشتہ کرائیں کہ اگر ہم اسقدر مال دیدیں تو آزاد ہوجائینگے تو مالک کو اس نوشتہ کے لکھدینے کا حکم ہے (دیکھو سورۂ نور آیت ۳۳) چھٹے یہ کہ اُن کے ساتھ نہایت نرمی کرنے کا حکم ہے اور اُنکی دلدہی کے لئے یہ فرمایا ہے کہ اپنے کھانے میں سے کھلاؤ اور اگر کوئی مشقت کا کام اُنسے کرانا چاہو تو خود بھی اُنکے شریک ہوکر اُنکی مدد کرو غرضکہ اس

قسم کے احکام بہت سے ہیں اگر سب بیان کئے جائیں تو بہت طول ہو جائے اسلئے قلم انداز کئے جاتے ہیں توریت وانجیل میں ان باتوں کا کہیں پتہ نہیں ملتا اگر کہیں ہوں تو دکھایا جائے ورنہ یہ اقرار کرنا ضرور ہے کہ شریعت محمدیہ اگلی شریعتوں کی مکمل ہے۔

تعلیم ششم۔ بدلہ نہ لینا اور معاف کرنا۔ یہ تعلیم وہ ہے جس پر عیسائیوں کو فخر ہے اور سمجھتے ہیں کہ مذہب عیسوی سے خاص ہے مگر یہ خیال انکا غلط ہے پہلے صحیفوں میں بھی یہ تعلیم موجود ہے اور قرآن وحدیث نے اسکو اس عمدگی سے بیان کیا ہے جس پر ہر عاقل صاد کرتا ہے ناظرین مقابلہ کرکے انصاف فرمائیں

بائیبل	قرآن مجید
تو مت کہہ کہ میں بدی کا بدلہ لونگا پھر خدا کا انتظار کر وہ تجھے بچائیگا (امثال ۲۰/۲۲) جیسا تمہارا باپ رحیم ہے رحیم ہو اور مجرم نہ ٹھہراؤ تو تم مجرم نہ ٹھہرائے جاؤگے معاف کرو تو تم بھی معاف کئے جاؤگے (لوقا باب ۶ ورس ۳۶ و ۳۷) میں تمھیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے[۱] دہنے گال پر طپانچہ مارے دوسرا بھی اسکی طرف پھیر دے (متی باب ۵ ورس ۳۹) میں اپنی پیٹھ مارنے والوں کو دیتا اور اپنے گال اُن کو جو بال کو نوچتے (یشعیاه ۵۰/۶) وہ اپنا گال اُس کو دیوے جو اُسے طمانچہ مارتا ہے (نوحہ یرمیاه ۳/۳۰) اگر تیرا بھائی تیرا گناہ کرے اُسے ڈانٹ اگر توبہ کرے اُسے معاف کر اگر ایک دن میں	(۱) عادت کر معاف کرنیکی اور حکم کر نیک کام کا اور کنارہ کر نادان لوگوں سے (اعراف آیت ۱۹۹) (۲) تمھیں چاہیئے کہ معاف کرو اور درگزر کرو کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمھارے گناہ بخشے (نور آیت ۲۲) یعنی اگر تم لوگوں کی خطائیں معاف کردوگے تو خدا تمھارا گناہ معاف کریگا (یہاں تو معاف کرنیکا حکم ہے اور بعض مقام پر اس کی ترغیب دی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ (۳) جنت اُن کے لئے بنائی گئی ہے جو فراخی اور تنگی میں خدا کے لئے صرف کرتے ہیں اور غصہ کو دبلتے ہیں اور لوگوں کے گناہ معاف کرتے ہیں (آل عمران آیت ۱۳۴)

[۱] اِس حکم کو اُس حکم کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیئے جو اس کے بعد منقول ہوا ہے اگر تیرا بھائی تیرا گناہ کرے اُسے ڈانٹ کہاں دوسرا گال اسکی طرف پھیر دینا اور کہاں اُسے سرزنش کرنا ۱۲

قرآن مجید	بائیبل
(۴) جس نے معاف کیا اور اصلاح کی اُسکا بدلہ اللہ پر ہی بیشک اللہ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو (شوری آیت ۴۰) (۵) البتہ جسنے صبر کیا اور بخشدیا بیشک یہ ہمت کے کام ہیں (شوری آیت ۴۳) (۶) زبردست اور پہلوان وہ شخص نہیں ہی جو لوگوں کو پچھاڑے پہلوان حقیقت میں وہ ہی جو غصے کی حالت میں اپنے نفس پر قادر ہو (بخاری و مسلم)	سات بار تیرا گناہ کرے اور سات بار کہے کہ توبہ کرتا ہوں اُسے معاف کر (لوقا باب ۱۷ ورس ۳ و ۴) جو غصہ کرنے میں دھیما ہی پہلوان سے بہتر ہی اور وہ جو اپنی روح پر ضابط ہی اُس سے جو شہر کو لے لیتا ہی (امثال باب ۱۶ ورس ۳۲)

تعلیم ہفتم ۔ بُرائی کے بدلے میں بھلائی کرنا ۔ اس تعلیم کو بھی چھٹی تعلیم کا ضمیمہ سمجھنا چاہیے اسپر بھی عیسائیوں کو فخر ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہمارے ہی مذہب سے خاص ہی مگر یہ بھی محض اُنکا خیال خام ہی اس قسم کی تعلیمات کچھ اہل کتاب ہی سے خاص نہیں بلکہ حکما اور بت پرستوں میں بھی حضرت مسیح سے پیشتر رائج تھیں اسی وجہ سے اکسیہومو اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ جسقدر عمدہ اخلاق کی باتیں انجیل میں پائی جاتی ہیں اور جن پر عیسائی فخر کرتے ہیں وہ لفظ بلفظ کنفیوشس کی کتاب اخلاق سے نقل کی گئی ہیں یہ شخص چھ سو برس پیشتر حضرت مسیح سے ہوا ہے یہ تعلیم اُس کتاب کے خلق ۱۵ و ۵۳ وغیرہما سے لی گئی ہے ۔ اب قطع نظر اسکے قرآن و حدیث سے عہد عتیق و جدید کا مقابلہ کرکے دکھاتا ہوں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ یہ تعلیم عہد جدید سے خاص نہیں ہی ۔

قرآن مجید و حدیث	عہد عتیق و جدید
بُرائی کے بدلے میں وہ کر جو بہتر ہی (یعنی بُرائی کے بدلے میں بھلائی کر) (مومنون آیت ۹۶) بھلائی اور بُرائی برابر نہیں ہی بُرائی کو بھلائی سے دفع کر یعنی بدی کے بدلے میں نیکی کر) پھر تو دیکھیگا کہ تجھ میں	اگر تو اپنے دشمن کے بیل یا گدھے کو بیراہ جاتے دیکھے تو ضرور اُسے اُس کنے پہنچائیو اگر تو اُسکے گدھے کو جو تیرا کینہ رکھتا ہی دیکھے کہ بوجھ کے نیچے بیٹھ گیا اور تو اُسکی مدد کرتا نچاہے تو البتہ اُسکی کمک کر

قرآن مجید وحدیث

اور جس میں کہ دشمنی تھی گویا وہ رشتہ دار دوست ہی
یہ بات انھیں کو ملتی ہی جو صبر کرتے ہیں اور اُسی کو
نصیب ہوتی ہی جسکی بڑی قسمت ہی[لہ] (پ ۲۴ ع ۱۹)
وہ لوگ دوہرا حق پائینگے اس سبب سے کہ انھوں نے
صبر کیا اور برائی کے بدلے میں بھلائی کرتے ہیں
(قصص آیت ۵۴) لوگوں کی محض پیروی نہ کرو اور
نہ کہو کہ اگر لوگوں نے احسان کیا تو ہم بھی احسان کرینگے
اور اگر انھوں نے ظلم کیا تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے
(یعنی اسکا بدلہ لینگے بلکہ اپنے نفسوں کو عادی کرو
(اس بات کا) کہ اگر لوگ احسان کریں تو احسان کرو
اور اگر برائی کریں تو زیادتی نہ کرو یعنی بدلہ نہ لو (ترمذی)

عہد عتیق وجدید

(خروج باب ۲۳ ورس ۴ و ۵)
جب تیرا دشمن بھوکا ہو تو اُسے روٹی کھلا اور جب
پیاسا ہو تو پانی پلا (امثال ۲۵/۲۱) اپنے دشمنوں
کو پیار کرو اور جو تم سے دشمنی رکھیں اُنکے ساتھ نیکی کرو
جو تمکو بد دعا[لہ] کریں اُنکو نیک دعا کرو اور اُنکے لئے
جو تمھیں دکھ دیں دعا مانگو (لوقا باب ۶ ورس ۲۷ و ۲۸)
ایسا مت کہہ کہ میں اُس سے یوں کرونگا جس طرح اُسنے
مجھسے کیا میں اُس آدمی سے اُسکے کام کے موافق
سلوک کرونگا (امثال ۲۴/۲۹) دیکھو کوئی کسی سے بدی کے
عوض بدی نہ کرے بلکہ تم ہر وقت ایک دوسرے سے اور
سب سے خوش سلوکی کرو (تسلونیقیون ۵/۱۵)

یہاں کئی امر قابل بیان ہیں اول یہ کہ ان دونوں حکموں کے مقابلہ سے ظاہر ہے کہ بدلہ نہ لینا او

لہ اصل آیت قرآن مجید کی یہ ہے وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۝
(حم السجدہ آیت ۳۴ و ۳۵) عبد اللہ بن عباس صحابی اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ برائی کو بھلائی سے دفع کرنے کے یہ معنی ہیں کہ غصہ کے وقت ضبط کرنا اور برائی کے وقت معاف کرنا چاہیے۔ جب اس پر لوگ عمل کریں گے تو اللہ انھیں آفتوں سے بچا لیگا اور دشمن اُنکا ایسا نرم ہو جائیگا کہ گویا دوست رشتہ دار ہی (بخاری)

لہ دشمنوں کے لئے نیک دعا کرنا بیشک عمدہ اور بزرگی کی بات ہی اسی وجہ سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص اُسوقت میں کہ دشمن لڑائی کر رہے تھے اور حضرت کے چہرۂ مبارک سے خون جاری تھا اور فرماتے تھے ای اللہ میری قوم کو ہدایت کر وہ جانتے نہیں ہیں مگر اسکے لئے بھی ایک حد ہونا چاہیے کیونکہ بیبل سے بخوبی ثابت ہی کہ اکثر انبیا نے اپنے دشمنوں کے لئے سخت سخت بد دعا کی ہی دیکھو حضرت داؤد کی بد دعا زبور ۳۵ میں یہ کل زبور ایسی ہی اور زبور ۵۹ و ۶۹ وغیرہ میں اور حضرت یرمیاہ کی بد دعا یرمیاہ کے ۱۸/۲۱-۲۳ میں اور پولوس کی بد دعا سکندر ٹھٹھیرے کو دیکھو نامہ ططاؤس دوم ۴/۱۴ سکندر ٹھٹھیرے نے مجھسے بہت بدی کی خداوند اُسکے کاموں کے موافق اُسے بدلہ دے۔ بالکل یا تو یہ کہنا پڑیگا کہ لوقا کا قول دوسرے مقامات کے مخالف ہی یا دعا کیلئے کوئی حد یا وقت معین کرنا پڑیگا۔

اور اپنے دشمن سے سلوک کرنا خاص حضرت مسیح کی تعلیم نہیں ہی بلکہ پہلی کتابوں میں بھی ہے۔
دوسرے یہ کہ قرآن مجید وحدیث میں ان دونوں حکموں کو نہایت تاکید اور عمدہ طور سے بیان کیا ہی قرآن مجید میں صرف معاف کرنے کا حکم ہی نہیں ہی بلکہ اُسکی عادت کر لینے کا ارشاد ہوا جس سے اُسکی تاکید اور ہمیشہ معاف کرنیکا حکم ثابت ہوا اور برائی کے بدلے میں بھلائی کرنے کی بھی عمدہ طور سے ترغیب دی ہی مگر چونکہ یہ امر نہایت ظاہر ہے کہ بعض وقت ظالم سے مقابلہ کرنے کی بھی ضرورت ہوتی ہی اِس وجہ سے قرآن مجید میں بدلہ لینے کی بھی اجازت دی گئی چنانچہ ٹھاکر داس صاحب نے عدم ضرورت قرآن کے صفحہ ۴۴ و ۷۵ میں ان آیتوں کا ترجمہ لکھا ہی مگر یہ اُنکے ایمان کا تقاضا ہے کہ بیبل کی تو وہ آیتیں نقل کی ہیں جن سے بدلہ لینا ثابت ہوتا ہے اور قرآن مجید سے وہ آیات جن میں بدلہ لینے کی اجازت دی گئی ہے تاکہ عوام کی نظروں میں تعلیم انجیل کی نرمی اور تعلیم قرآن کی سختی ظاہر ہو وائے پر ایمانداری ایشاں میں نہیں سمجھتا کہ اس دھوکا دہی سے اُنکی کیا غرض ہے اگر یہ مطلب ہے کہ بیبل میں مطلق بدلہ نہ لینے کا حکم ہی تو قطع نظر غلط ہونے کے دانشمند اہل انصاف بے تامل یہ کہیں گے کہ ایسا حکم ہرگز منجانب اللہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر بدلہ لینا مطلقاً منع ہو تو ظلم کے انسداد کی کوئی سبیل نہیں ہی اور مخلوق خدا ظالموں کے ہاتھ سے کسیطرح نہیں بچ سکتی پھر ایسا حکم جس سے عالم میں امن و امان قایم نہ رہے خدا کیطرف سے کیونکر ہو سکتا ہی اور اگر کچھ اور پنہانی غرض ہی تو بیان کرنا چاہیے۔ تیسرے یہ کہ جسے تعلیم میں اِس حکم کو "جو تیرے داہنے گال پر طپانچہ مارے دوسرا بھی اُسکی طرف پھیر دے" نادان بڑی عمدہ تعلیم سمجھتے ہیں مگر دانشمند اس کو خوب جان سکتے ہیں کہ یہ صرف زبانی کہدینے کی بات ہی کیا عیسائی کسی قوم یا کسی شخص کو دکھا سکتے ہیں جسنے اس پر عمل کیا ہو پھر کیا کوئی دعوے کر سکتا ہی کہ ہم اسپر عمل کر سکتے ہیں ہرگز نہیں پھر کیا خدا کے احکام صرف زبانی کہنے کے لئے ہوتے ہیں خواہ کوئی اُسپر عمل کر سکے یا نہ کر سکے یہ سب خام خیالیاں ہیں عوام عیسائی جو ان الفاظ کے ظاہری معنی پر نظر کر کے فخر کرتے ہیں وہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتے البتہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ مبالغہ کے طور پر بیان کیا ہے مراد اس سے وہی صبر و تحمل ہی تو بیشک درست ہی مجبور ہو کر مفسرین بیبل کو بھی یہ ماننا پڑا ہے (دیکھو تفسیر اسکاٹ رومن ورس مذکور کی شرح) پھر یہ مضمون قرآن مجید و حدیث

وغیرہ میں بخوبی مذکور ہے عہد جدید کو اس امر میں بھی کسی طرح کی فوقیت نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ ساتویں تعلیم میں مسیح کا یہ قول کہ اپنے دشمنوں کو پیار کرو کسی عہد عتیق کی کتابوں میں نہیں پایا جاتا اس سے بھی عوام کی نظروں میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ دین مسیحی میں نہایت محبت باہمی کی تاکید ہے مگر دانشمند اسکا یقین کر سکتے ہیں کہ اس حکم کی تعمیل تو چھٹے حکم سے بھی زیادہ دشوار ہے کیونکہ دشمن کو پیار کرنا غیر ممکن امر ہے اسکاٹ صاحب تفسیر متی کے صفحہ ۴۸۵ میں صاف اقرار کرتے ہیں کہ "دشمن کو دلی محبت سے پیار کرنا ناممکن ہے"۔ پھر کیا انھیں احکام پر فخر کیا جاتا ہے جسکی تعمیل غیر ممکن ہے کیا خدائے رحیم کی طرف سے ایسے احکام ہو سکتے ہیں کیا اُس ارحم الراحمین کی نزول احکام سے یہ غرض ہو سکتی ہے کہ اپنے بندوں کو خواہ مخواہ عاجز اور تنگ کرے استغفر اللہ ہرگز نہیں اور اگر اس سے مراد حقیقت میں دشمن سے پیار کرنا اور محبت کرنا نہیں ہے۔ تو ٹھاکر داس صاحب نے کس لئے باہمی محبت میں اس ورس کو نقل کر کے فخر کیا ہے اور لکھا ہے کہ قرآن میں ندارد ہے (دیکھو عدم ضرورت قرآن صفحہ ۲۴) بیشک قرآن مجید ایسے احکام سے مبرا ہے جنکی تعمیل انسان سے نہو سکے وہ خدائے رحیم کا کلام ہے اُسمیں مکرر یہ ارشاد ہوا ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا یعنی اللہ کسی کو ایسی تکلیف نہیں دیتا جو اُس کی طاقت سے باہر ہو اگر اِس ورس کا حاصل صرف اسقدر ہے کہ بُرائی کے عوض بھلائی کرے اور جہانتک ہو سکے مخالف سے سلوک کرے تو بیشک صحیح ہے اور قرآن مجید میں صاف صاف یہ حکم مذکور ہے جیسا کہ نقل کیا گیا پھر پادری صاحب ندارد کس چیز کو بتاتے ہیں جس امر کا ہونا چاہیے یعنی عام طور پر حتی الوسع ہر ایک شخص سے سلوک کرنا معاف کرنا بُرائی کے بدلے میں بھلائی کرنا یہ سب کچھ قرآن مجید میں عمدہ طور سے مذکور ہے اگر حضرت موسیٰ نے فرمایا ہے کہ "تو اپنے بھائی کو اپنے مانند پیار کر" تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا ہے لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ یحب لنفسہ کوئی تم میں سے مسلمان نہوگا جبتک کہ اپنے بھائی کیلئے وہی بات نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے اور بعض مرتبہ یوں فرمایا احب للناس ما تحب لنفسک تکن مسلما تمام لوگوں کے لئے وہ بات پسند کر جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اُس وقت تو مسلمان ہوگا۔ پھر خیر خواہی اور محبت باہمی کا حکم اِس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ ذرا ناظرین بہ نظر انصاف ملاحظہ فرمائیں

اور بڑا کر واس صاحب کی ناحق کوشی اور ابلہ فریبی غور کریں۔

پھر پادری صاحب نے وہ آیت نقل کی ہی جسمیں منکروں سے محبت نہ کرنیکا حکم ہی گرچہ وہ منکرین اُسکے کنبے ہی کے کیوں نہوں اسکا جواب تحقیقی اور الزامی ملاحظہ کریں۔

جواب تحقیقی جب توریت وانجیل میں صاف صاف یہ حکم دیا گیا کہ تو خدا کو اپنے سارے زور اور اپنے سارے دل سے پیار کر تو کس طرح ممکن ہی کہ انسان کو خدا کے منکروں سے محبت کرنیکی بھی اجازت ہو کیونکہ جب تمام زور محبت خدا میں صرف کرنیکا حکم ہوا اور سارے دل میں اُسی کی محبت رکھنے کا ارشاد ہوا تو پھر دشمن خدا سے محبت رکھنے کے لئے کہاں سے زور اور کس کا دل لائیگا جو برتن کہ پانی سے لبریز ہی اُس میں آگ کے انگارے نہیں سما سکتے اسی طرح جو دل محبت خدا سے لبالب ہی اُسمیں دشمن خدا کی محبت کبھی نہیں آسکتی اس امر کو ہم بخوبی مشاہدہ کرتے ہیں کہ جب کسی انسان سے کمال محبت ہو جاتی ہی تو خواہ مخواہ اُسکے دشمنوں سے کشیدگی اور دوستوں سے قلب کو میلان ہوتا ہی البتہ اگر کامل محبت نہیں ہے سرسری اور ظاہری اُنس ہے تو اُسوقت اُسکے دوست اور دشمن برابر ہو سکتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ جسے منکرین خدا سے محبت ہوگی اُسے خدا سے محبت نہیں ہوسکتی اور اگر ہوگی تو ناقص ہوگی اسلئے اللہ تعالے ایمانداروں کو ایسی محبت سے منع فرماتا ہی جس سے خدا کی محبت میں خلل آوے مگر اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ عام طور سے عمدہ برتاؤ کرنا اور احسان وسلوک کرنا بھی جائز نہو کیونکہ محبت اور شئے ہی اور عمدہ برتاؤ اور احسان وسلوک اور چیز ہی شریعت محمدیہ میں عمدہ برتاؤ کرنیکا تو عام طور پر حکم ہے اسکے لئے کوئی تخصیص نہیں ہے مگر محبت کیلئے تخصیص ہے اور ایسا ہی ہونا چاہئے۔ عیسائیوں کی عقل پر افسوس ہی کہ انجیل میں دو حکم متعارض ثابت کرکے اُسپر فخر کرتے ہیں۔

جواب الزامی عہد جدید و عہد عتیق کی تمام کتابوں میں کثرت سے اسکا ذکر ہی کہ بے ایمانوں اور منکروں اور بدکاروں سے نہ ملو اور اُن سے عہد وپیمان نکرو اور اُنکے ساتھ کھانا تک نہ کھاؤ مگر افسوس ہی کہ یہ ناحق کوش مشنری عوام کے فریب دینے کو ایسے مقامات سے انجان بنجاتے ہیں اب میں چند حوالے عہد عتیق وجدید سے نقل کرتا ہوں ناظرین ملاحظہ کریں۔

اوّل استثنا کے باب ۷ میں ہے " (۲) اور جبکہ خداوند تیرا خدا اُنھیں تیرے حوالے کردے تو تو اُنھیں ماریو اور حرم کیجیو نہ تو اُن سے کوئی عہد کریو اور نہ اُنپر رحم کریو (۳) نہ اُنسے بیاہ کرنا اُسکے بیٹے کو اپنی بیٹی نہ دینا نہ اپنے بیٹے کے لئے اُسکی کوئی بیٹی لینا (۴) کیونکہ وے تیرے بیٹے کو میری پیروی سے پھرا دینگے تاکہ وے اور معبودوں کی عبادت کریں اور خداوند کا غصہ تجھپر بھڑکیگا اور وہ تجھے ایکا ایک ہلاک کردیگا"

دوم یشوع کے باب ۲۳ میں ہے " (۱۲) اگر تم کسی طرحسے برگشتہ اور اُن گروہوں کے بقیہ سے لپٹو جو تمھارے درمیان باقی ہیں اور اُنکے ساتھ نسبتیں کرو اور اُن سے ملو اور وے تمسے ملیں (۱۳) تو یقین جانو کہ خداوند تمھارا خدا پھر اُن گروہوں کو تمھارے سامنے سے دفع نہ کریگا بلکہ وے تمھارے لئے پھندے اور دام اور تمھاری بغلوں کے لئے کوڑے اور تمھاری آنکھوں میں کانٹے ہونگے یہانتک کہ تم اچھی سرزمین سے جو خداوند تمھارے خدا نے تمھیں عنایت کی ہے نابود ہو جاؤ گے "

سوم اوّل سلاطین کے باب ۱۱ ورس ۲ میں ہے " اُن قوموں کے جنکی بابت خداوند نے بنی اسرائیل کو حکم کیا کہ تم اُنکے پاس اندر نہ جاؤ اور وے تمھارے پاس اندر نہ آویں کہ وے یقیناً تمھارے دلونکو اپنے معبودوں کی طرف مائل کرائینگے سولیمان اُنھیں سے عاشق ہوکے لپٹا " پھر صرف میل جول سے منع ہی نہیں کیا گیا بلکہ جن لوگوں نے مخالفوں سے میل کرکے اُنکے یہاں نکاح کیا تھا اور لڑکے بالے بھی ہو گئے تھے وہ سختی کے ساتھ علیحدہ کردئے گئے اور ایک مدت کی رشتہ داری اور چھوٹے چھوٹے لڑکوں کا بھی کچھ خیال نہیں کیا گیا (دیکھو کتاب عزرا باب ۹ و ۱۰) الغرض ان حوالونسے بخوبی ثابت ہوا کہ جو گروہ حضرت موسےٰ و دیگر انبیاء کے مخالف تھے اُنسے میل جول کی قطعاً ممانعت تھی جب میل جول کرنا منع ٹھہرا تو محبت کا کیا ذکر ہے پھر یہ ممانعت کچھ عہد عتیق ہی سے خاص نہیں ہے بلکہ عہد جدید میں بھی ہے ملاحظہ کیجیے۔

چہارم اوّل قرنتیوں کا باب ۵ " (۹) میں نے خط میں تمکو یہ لکھا کہ تم حرامکاروں میں مت ملے رہو (۱۰) لیکن نہ یہ کہ بالکل دنیا کے حرامکاروں یا لالچیوں یا لٹیروں یا بت پرستوں سے نہ ملو نہیں تو تمھیں دنیا سے نکلنا ضرور ہوتا (یعنی دنیا کے مطلب نکالنے کیلئے اُن سے ملنا منع نہیں ہے)

(۱۱) پر میں نے اب تمھیں یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی بھائی کہلا کے حرامکار یا لالچی یا بت پرست یا گالی دینے والا یا شرابی یا لٹیرا ہو تو اُس سے صحبت نہ رکھنا بلکہ ایسے کے ساتھ کھانا تک نہ کھانا (۱۲) کیونکہ مجھے کیا کام ہے کہ باہر والوں پر حکم کروں (۱۳) اُن پر جو باہر ہیں خدا حکم کرتا ہے غرضکہ تم اُس بُرے آدمی کو اپنے درمیان سے نکال دو۔

پنجم ۲ قرنتیون کا باب ۶ "(۱۴) اور تم بے ایمانوں کے ساتھ نالائق جوئے میں مت جُتے جاؤ کہ راستی اور ناراستی میں کونسا ساجھا ہے اور روشنی کو تاریکی سے کونسا میل ہے (۱۵) اور مسیح کو بلعال کیساتھ کونسی موافقت ہے ایماندار کا بے ایمان کے ساتھ کیا حصہ ہے (۱۶) خدا کی ہیکل کو بتوں سے کونسی موافقت ہے کہ تم تو زندہ خدا کی ہیکل ہو الخ (۱۷) اسواسطے خداوند یہ کہتا ہے کہ تم اُن کے درمیان سے نکل آؤ اور جدا ہو اور ناپاک کو مت چھوؤ" ان حوالوں سے صرف اتنی ہی بات ثابت نہیں ہوتی کہ بدکاروں اور منکروں سے محبت کرنا نہ چاہیئے بلکہ اُنسے میل جول کرنا اور اُنکے ساتھ کھانا اور پینا اور اُن میں رہنا سب ممنوع ٹھہرتا ہے البتہ صرف ضرورت رفع کرنے کے لئے غیر قوموں سے ملنا جائز ہے پھر پولوس مقدس یہ حکم ہی نہیں بیان کرتے بلکہ اُسکی وجہہ بھی ۲ قرنتیون کے باب ۶ میں بیان کرتے ہیں۔ اب پادری ٹھاکر داس صاحب کدھر ہیں ذرا عینک لگا کر ملاحظہ کریں کیا محبت باہمی اسی کا نام ہے کہ اُن سے میل جول کرنے کی قطعاً ممانعت کردی گئی اگر یہی محبت باہمی ہے تو بیشک قرآن میں ندارد ہے کیونکہ قرآن مجید میں کہیں نہیں کہا گیا کہ مخالفوں کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ بلکہ یہ فرمایا کہ وَطَعَامُ الَّذِينَ اُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ یعنے اہل کتاب کا کھانا تمھیں درست ہے اور اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنے کو بھی منع نہیں کیا۔ قرآن مجید میں یہ بھی صاف فرما دیا ہے کہ منکروں اور مخالفوں کے ساتھ نکوئی اور سلوک کرنا درست ہے چنانچہ سورہ ممتحنہ کی آیت ۸ میں اسکی تصریح موجود ہے۔

تعلیم ہشتم زنا سے بچنا۔ اس فعل کی بُرائی بھی ایسی ظاہر ہے کہ ہر ایک ملت والا اپنی کتاب کی رو سے اسے بُرا جانتا ہے مگر یہ امر دیکھنا چاہیئے کہ کس کتاب میں اسکی روک زیادہ ہے اور کس میں ایسی بندشیں لگی ہیں جس کے سبب سے اسکا وقوع کم ہو جس کتاب میں اسکی روک کے اسباب زیادہ بیان کئے گئے ہیں وہی

کتاب کامل ہے۔ اب میں قرآن مجید وحدیث اور بیبل کا مقابلہ کر کے دکھاتا ہوں۔
عہد عتیق میں تو صرف اسقدر ہے کہ تو زنا نہ کر (استثنا ۵؍۱۸) اور عہد جدید میں اسطرح ہے "تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا کہ تو زنا نہ کر پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی شہوت سے کسی عورت پر نگاہ کرے وہ اپنے دل میں اُسکے ساتھ زنا کر چکا (متی ۵؍۲۸) اب قرآن مجید وحدیث کو ملاحظہ کرنا چاہئے کہ وہ کس طرح اور کیا کیا حکم اس مقدمہ میں نافذ کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔
زنا کے قریب مت جا کیونکہ وہ بیحیائی ہے اور برا طریقہ ہے (بنی اسرائیل آیت ۳۲) "آنکھوں کا زنا غیر محرم کو شہوت سے نظر کرنا اور کانوں کا زنا شہوت سے باتیں سننا اور زبان کا زنا شہوت آمیز باتیں کرنا اور ہاتھ کا زنا شہوت سے چھونا اور پیر کا زنا اس برے کام کیلئے چلنا اور دل کا زنا اسکی تمنا اور خواہش کرنا ہے" یہ تو اس فعل بد کی نہی کی صورت تھی اور اسکی روک اور بندش کے لئے بھی قرآن مجید میں احکام مذکور ہیں مثلاً "کہدے ایمان والوں کو اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہیں روکے رہیں اسمیں انکے لئے خوب ستھرائی ہے۔ بیشک اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہیں اور کہدے ایمان والیوں کو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو روکے رہیں اور اپنا سنگار کسی کو نہ دکھاویں مگر جو اسمیں سے کھلا ہے اور اپنے گریبان پر اوڑھنی ڈالیں اور بجز اپنے خاوند یا اپنے باپ یا اپنے سسر یا اپنے سگے بیٹے یا سوتیلے بیٹے یا اپنے بھائی یا بھتیجے یا بھانجے یا اپنی عورتوں یا اپنی لونڈی غلام یا وہ کمیرے جو شہوت نہیں رکھتے یا چھوٹے بچے جو عورتوں کی باتوں سے واقف نہیں ہیں کسی کے سامنے اپنے بناؤ سنگار کو ظاہر نہ کریں اور زمین پر دھمک کر نہ چلیں[۱] تاکہ انکا چھپا سنگار معلوم ہو اے ایمان والو سب ملکر اللہ کے آگے توبہ کرو (نور آیت ۳۱) اس تعلیم میں بھی ناظرین شریعت محمدیہ کا کمال ملاحظہ کریں توریت میں کہا گیا کہ زنا نہ کر قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ زنا کے نزدیک مت جا انجیل میں صرف شہوت سے دیکھنے ہی کو منع کیا گیا اور حدیث میں آنکھ اور کان اور زبان اور پاؤں اور دل سب کو اس فعل سے روک دیا پھر قرآن مجید میں اس سے بچنے اور احتیاط کے لئے نگاہوں کو نیچی رکھنے کا حکم ہوا اور عورتوں کو تاکید کی گئی کہ غیر مردوں پر اپنا بناؤ

[۱] یعنی اس طرح نہ چلیں کہ جو زیور پیروں میں پہنے ہیں اسکی آواز غیر محرم کے کانوں تک پہنچے اور فتنہ کا باعث ہو۔

سنگار ظاہر نہ کریں ان باتوں کا پتہ توریت و انجیل میں نہیں ہے یہ امر بھی لحاظ کے لائق ہے کہ توریت میں زانی کے لئے سخت سزا مقرر تھی (دیکھو استثنا ۲۲ وغیرہ) اور حضرت مسیح نے اُسے منسوخ کر دیا (دیکھو یوحنا ۸ ب ۱۱) مگر قرآن مجید اُسکے لئے سزا کا حکم دیتا ہے اور مصلحت نظمی اور نسل انسان کی بہبودی کا بھی مقتضا یہی ہے کیونکہ اس فعل شنیع کی وجہ سے ہزاروں جانیں تلف ہوتی ہیں اس زمانے میں کہ اہل یورپ تہذیب تہذیب پکار رہے ہیں اور غیر ولایت والوں کو مثل وحشیوں کے سمجھتے ہیں مگر اس فعل شنیع کی وجہ سے اُنھیں کے ملک میں مثل لندن وغیرہ کے ہزاروں[1] بے گناہ بچے مرے اور سسکتے راستوں میں ملنے کی تعداد سالانہ رپورٹ میں درج ہوتی ہے اور بہت سے غیرت مند شوہروں نے اپنی بیوی کو اس بلا میں گرفتار دیکھکر اپنی جانیں دے دی ہیں اور مارا اور مر گئے ہیں۔

غرضکہ جس فعل کی وجہ سے اسقدر جانیں تلف ہوتی ہیں اُسکے لئے دنیاوی تعزیر بھی ضرور ہے تاکہ یہ ہزاروں خون نہ ہونے پائیں انجیل میں اس ضروری امر پر نظر نہیں کی گئی اور توریت کے حکم کو منسوخ کر دیا مگر قرآن مجید اور حضرت سرور عالم چونکہ رحمۃ للعالمین ہیں اس لئے نسل آدم پر رحم کرکے اُس قدیم حکم خداوندی کو جاری کرتے ہیں۔

[1] چنانچہ آئرش ٹیمس مورخہ ۱۲ اگست سنہ ۱۸۸۱ء مطبوعہ ڈبلن سے دریافت ہوا کہ انگلنڈ خاص میں حساب تین ہزار سالانہ بچے بے گناہ قتل ہوتے ہیں کیونکہ دس برس میں تیس ہزار معصوم قتل ہوے تکیے چھوٹی چھوٹی قبروں سے بھرے ہیں مگر تین ہزار اُن میں سے بے کفن دفن پھینکے گئے بعضے گرجا گھروں یا بعضے اصطبلوں میں بعضے مکانوں کی چھتوں پر بعضے خالی قبرستانوں میں بعضے کاغذات کے صندوقوں میں بعضے نالوں میں گھر کا کوڑا پھینکنے کے مکانوں میں۔ گھوروں پر۔ گڑھوں خندقوں تالابوں میں۔ مکانوں کی نیو میں۔ ریل گاڑی میں نشستگاہوں کے تلے ریلوے گھر میں جہاں اسباب رکھا جاتا ہے وہاں پوٹلی میں بندھے ہوئے کاغذ میں لپٹے ہوئے اور راہوں اور خندقوں میں ننھی ننھی لاشیں پاخانوں میں ٹکڑے کئے ہوے نابدانوں میں ملتے ہیں معلوم نہیں کہ کتنے بے گناہ مقتول بچے ندیوں اور دریاؤں میں ڈبوئے گئے کہ جن کا نشان بھی نہیں ۱۸ سال گذشتہ میں لندن جو پایہ تخت انگلینڈ ہے فقط اسکے کوچوں میں چار سو اکاسی لاشیں ننھے ننھے بچوں کی پڑی ملیں الخ فقط ۱۲

(از اودھ اخبار نمبر ۲۶۶ جلد ۱۴ مطبوعہ ۱۷ نومبر ۱۸۸۱ء)

اب اہل انصاف ملاحظہ کریں کہ قرآن وحدیث ہنود وسنت الٰہی کو کامل کرتے ہیں یا اُلٹے دیتے ہیں پادری ٹھاکرداس صاحب کی ایمانداری کو ملاحظہ کرنا چاہیئے کہ اُنھوں نے اِس حکم میں مقابلہ کیا ہی مگر یہ آیتیں نقل نہیں کیں جن سے ظاہر ہوتا ہی کہ قرآن وحدیث نے توریت وانجیل دونوں کی تکمیل کی ہی (دیکھو عدم ضرورت قرآن صفحہ ۲۴)

تعلیم نہم۔ خدا کی راہ میں اپنا مال صرف کرنا۔ اِس کی نسبت توریت میں معین اور غیر معین دونوں طور سے حکم کیا گیا ہے مثلاً زمین کی پیداوار اور چوپایوں میں سے دسواں حصہ دینے کا حکم ہی (دیکھو احبار ۲۷ باب ۳۰ و ۳۲) اور نیم مثقال ہر امیر وغریب کو دینا فرض ہے جو بیس برس کا ہو جیسا کہ خروج کے باب ۳۰ درس ۱۴ و ۱۵ تک مصرح ہے اور غیر معین طور پر بھی دینے کا حکم ہے چنانچہ استثنا کے باب ۱۴ و ۱۵ میں ہے انجیل میں تعین تو نہ دارد کر دی گئی ہے اگر ہے تو یہ ہے کہ کل مال صرف کر دو مثل جانوروں کے کل کی کچھ فکر نہ رکھو چنانچہ متی کے باب ۶ درس ۲۵ سے آخر تک یہی مضمون ہی اور متی کے باب ۱۹ درس ۲۱-۲۴ میں ایک سائل کے جواب میں حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں اگر تو کامل ہوا چاہے تو جا کے سب کچھ جو تیرا ہی بیچ ڈال اور محتاجوں کو دے کہ تجھے آسمان پر خزانہ ملیگا تب آ کے پیچھے میرے ہولے وہ جوان یہ سنکر غمگین چلا گیا کیونکہ بڑا مالدار تھا تب یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا کہیں تمسے سچ کہتا ہوں کہ دولتمند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرجانا اُس سے آسان ہے کہ ایک دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو" اب میں کہتا ہوں کہ دنیا کے دولتمند عیسائی بتائیں کہ اُنھوں نے اپنی نجات کی کیا سبیل نکالی ہی حضرت مسیحؑ تو اُنکی نجات کو محال بتا چکے جو تحقیق وانصاف کے پابند ہیں وہ بے تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ مال کے صرف کرنے میں کسقدر تعیین نہایت انسب بلکہ ضروری ہے اور کچھ تعیین نہ کرنا اور کل مال کے صرف کر دینے کو عمدہ قرار دینا بالکل نظام عالم کے خلاف ہے بعضے ناعاقبت اندیش یہ خیال کرتے ہیں کہ عبادت میں پابندی خوب نہیں آزادی چاہیئے تاکہ وہ فعل رضا ورغبت سے ہو مگر اس قسم کی آزادی تو خود حضرت مسیحؑ کے قول مذکور سے باطل ہوتی ہی اگر آزاد چھوڑ دینا بہتر ہوتا تو حضرت مسیحؑ اُس امیر کو کیوں غمگین کرتے اصل امر یہ ہی کہ ہر طرح کی آزادی کی خواہش کرنا نفس سرکش کی حیلہ جوئی ہے نہایت ظاہر ہے کہ جب

ایک کام کے لئے ایک وقت یا مقدار مناسب معین کر لی جاتی ہی تو اُسکا ہونا بہت آسان ہوتا ہی اور مستعد اور پابند شخص سے وہ کام ترک نہیں ہوتا اور جس کام کے لئے تعیین وقت اور مقدار نہیں کی جاتی وہ اکثر اوقات بڑے بڑے پابندوں سے ترک ہو جایا کرتا ہے اس نظر سے قانون شریعت کی عمدگی یہی ہے کہ اُسکے احکام میں بھی ایک مناسب تعیین ہونا چاہیے تاکہ مطلب اصلی فوت نہ ہو جائے مثلاً خدا تعالےٰ نے خیرات وصدقہ دینے کا حکم کیا اس سے مقصود اس عالم اسباب میں مسکینوں اور غریبوں کی پرورش اور حاجت روائی ہے اور وہ علاوہ حکم الٰہی ہونے کے ہر ایک بنی نوع انسان کا بسبب اتحاد جنسیت کے فرض منصبی ہے پس جب تعیین مقدار اس ادائے فرض کے معاون اور محافظ ہے تو بیشک اُس کا ہونا ضروری امر ہے تاکہ غریبوں کی حاجت روائی اور اُسکے ادائے فرض میں خلل نہ واقع ہو اسی وجہ سے شریعت محمدیہ میں شریعت موسوی کی نفس تعیین قایم رکھی گئی البتہ کسی قدر تکمیل اُس تعیین میں کی گئی یعنی زمین کی پیداوار میں دسواں حصہ تو بدستور قایم رکھا مگر چوپایوں میں دوسری تفصیل کی گئی ہے جس سے اُس حکم کے ادا میں نہایت تخفیف ہو گئی اُس سب کا ذکر کرنا موجب طوالت ہی ہمارے علمانے بہت سے اُردو کے رسالوں میں بھی اُسکا ذکر کیا ہی ناظرین ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ اور فی کس نیم مثقال کو بھی بدل دیا اور یہ حکم دیا کہ ہر سال جس قدر مال تمھارے حوائج ضروریہ سے بچ رہے اُس میں سے چالیسواں حصہ دیا کرو یہ ایک ایسی مقدار ہے کہ آدمی بلا ناگواری ادا کر سکتا ہی اور غیر حجبی مساوات امیر وغریب میں جو شریعت موسوی میں ہے وہ بھی اس میں نہیں ہے شریعت عیسوی کی اُس سخت حکم کی بجٰبہ کہ کل مال غریبوں کو دے دے شریعت محمدیہ نے یہ حکم نافذ کیا کہ نہ تو اپنا ہاتھ بالکل سمیٹ لے (کہ مقام ضرورت میں صرف نہ کرے) اور نہ بالکل پھیلا دے (کہ کل مال صرف کر دے) اور انجام کار نادم وپشیمان اور لوگوں کی نظروں میں ذلیل وخوار ہو اس حکم کی خوبی کو اہل انصاف خود سمجھ سکتے ہیں میرے بیان کرنے کی حاجت نہیں اور کسی قدر تفصیل تکمیل الادیان میں کی گئی ہے۔ اور کسی کو یہ خیال نہو کہ شریعت محمدیہ میں صرف اسی قدر مال صرف کرنیکا حکم ہے جسکا اوپر ذکر کیا گیا نہیں بلکہ یہ مقدار تو معین کر دیگئی ہے کہ کیسا ہی بخیل شخص کیوں نہو مگر وہ بھی اس قدر مال مسکینوں اور غریبوں کو تو دے ہی دے

اور اس کے علاوہ بھی دینے کی ترغیب بار بار دی ہے چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہی لَن تَنَالُوا البِرَّ حَتّٰی تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ہرگز نہ پہنچو گے نیکی کی حد کو جب تک کہ کسی قدر اُس میں سے نہ دو جسے چاہتے ہو یعنی دینے کا ثواب اور نکوئی اُسوقت ملیگی کہ جو شے دل کی مرغوب اور محبوب ہے اُسے اللہ کی راہ میں دو مگر اُس ارحم الراحمین کی یہ رحمت ہی کہ کل شے محبوب کے دینے کا حکم نہیں کرتا ہے بلکہ فرماتا ہی کہ تمھیں سے کسی قدر دینا چاہئے یہ وہ عمدہ حکم ہے کہ ایمان کا امتحان بھی ہو جاتا ہی اور وہ مضرت بھی نہیں ہوتی جو حضرت مسیحؑ کے حکم میں تھی ذرا اہل انصاف شریعت محمدیہ کے اس حکم اور حضرت مسیحؑ کے اُس حکم کو کہ کل مال بیچکر دے ڈال مقابلہ کر کے دیکھیں کہ کس میں دنیا و دین کی بہبودی ہے اور کس کی تعمیل ممکن ہے اور کس کی غیر ممکن جس وقت اُن احادیث پر نظر کی جاتی ہے جن میں خیرات دینے کی ترغیب وتحریص آئی ہے تو انصاف دلی بے تامل کہہ اُٹھتا ہی کہ جس خوبی اور تاکید سے شریعت محمدیہ میں خیرات دینے کا بیان ہے شریعت موسوی اور عیسوی میں ہرگز نہیں ہی جسکا جی چاہے علاوہ اور کتب احادیث کے مشکوٰۃ کے باب الانفاق کو دیکھ لے اُس کا ترجمہ اُردو میں بھی موجود ہے مثلاً ایک حدیث میں ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو عادتیں مسلمان میں جمع نہیں ہوتیں۔ ایک بخیلی۔ دوسرے بد خلقی۔ دیکھئے کس تاکید سے سخاوت کی ترغیب اس حدیث سے مفہوم ہوتی ہے۔ پولوس نے بھی اپنے خطوں میں کسی قدر ترغیب دی ہے جیسا کہ اوّل قرنتیون کے باب ۱۶۔ اور ۲ قرنتیون کے باب ۸ و ۹ میں ہے مگر ناظرین اُن مقامات کو دیکھکر خود کہہ سکتے ہیں کہ پولوس کی ترغیبیں بعینہ اسی طور کی ہیں جیسی اسوقت بھی بعضے اشخاص کسی غرض سے چندہ وصول کرنے کے لئے ترغیبیں دیتے ہیں مثلاً فی زمانا دیانند سرستی تھا پھر بھلا ان بیانوں کو احادیث کے مضامین سے کیا نسبت ہی اس امر میں میرے بیان کی حاجت نہیں ہے اہل انصاف مقابلہ کر کے خود امتیاز کر سکتے ہیں۔

افسوس پادری ٹھاکر داس ان امور پر نظر نہیں کرتے کہ اِن ضرورتوں کی وجہ سے قرآن مجید نازل ہوا اور وہ جو اُنھوں نے صفحہ ۳۷ عدم ضرورت قرآن میں اس امر میں مقابلہ کیا ہی کہ کس طرح پر دینا چاہئے اور چند مقامات قرآن مجید سے اور چند حوالے بیبل سے نقل کر کے لکھا ہی کہ "اِن مقامات

ہیں (یعنی قرآن مجید کے حوالوں میں اصل حوالجات مذکورہ بیبل کے تفصیل نہیں ہے "

یہ اُن کا کہنا بددیانتی سے خالی نہیں ہے اب میں قرآن مجید اور بیبل کے مقامات کا حکم مذکور میں مقابلہ کر کے ناظرین کو دکھاتا ہوں مگر اس امر کا لحاظ ضرور ہے کہ اِس مقام پر تین باتیں ہیں ایک تو خدا کی راہ میں دینا جس کا ذکر اوپر کیا گیا دوسرے اُس دینے کا طور تیسرے اُسمیں ریاکاری سے منع ہونا انصاف و تحقیق کا مقتضا یہ ہے کہ ان تینوں امر میں علیحدہ علیحدہ مقابلہ کیا جائے مگر پادری صاحب کو اتنی حق جوئی یا مادہ کہاں تھا کہ تینوں امروں کو جدا جدا سمجھکر ہر ایک میں مقابلہ کرتے انھوں نے تو خلط ملط کر کے ایک طعن کر دیا اب وہ آنکھیں کھولکر ملاحظہ کریں نفس دینے کا ذکر تو اوپر کیا گیا اُس میں تو انجیل کا حکم ناقص ثابت ہوا اگر اب میں تینوں امر کو علی سبیل المقابلہ نقل کرتا ہوں۔

خدا کی راہ میں دینا

بائیبل	قرآن مجید
اور لادے اس لئے کہ اُس کا کوئی حصہ اور میراث تیرے ساتھ نہیں اور مسافر اور یتیم اور بیوہ جو تیرے پھاٹک کے اندر آویں اور کھاویں اور سیر ہوں تاکہ خدا تیرے ہاتھ کے سب کاموں میں جو تو کرتا ہی تجھے برکت بخشے (استثنا ۱۴ / ۲۹)	دے مال کو اُس کی محبت پر ناتے والوں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں یعنی غلام کے آزاد کرنے میں (بقرہ آیت ۷۷)
اگر تمھارے بھائیوں میں سے تیرے پھاٹک کے اندر کوئی مفلس ہووے تو اُس سے سخت دلی مت کیجیو اور اپنے مفلس بھائی کی طرف سے اپنا ہاتھ بند مت کیجیو بلکہ کشادہ رکھیو اور کسی کام میں جو وہ چاہے بقدر اُسکی احتیاج کے اُسکو	جو لوگ اللہ کی راہ میں دیتے ہیں اُنکی مثال ایسی ہی جیسے ایک دانہ اُس سے سات بالیاں اُگیں اور ہر بالی میں سو سو دانے لگے اور اللہ جسکے لئے چاہے بڑھاتا ہی جو اللہ کی راہ میں اپنا مال دیتے ہیں اور پھر دینے کے بعد نہ تو احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں اُنھیں کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس اس کا بدلہ ہی (بقرہ آیت ۲۶۱ و ۲۶۲ مع حذف)

قرآن مجید

اے ایمان والو دو اپنی پاک کمائی میں سے اور جو ہم نے زمین سے تمھیں نکال دیا ہے اور گندی اور ردی چیز دینے کی نیت نہ رکھو جسے تم خود لینا پسند نہیں کرتے (بقرہ آیت ۲۶۷)

نیکی کی حد کو ہرگز نہ پہنچو گے جب تک اُس چیز میں سے نہ دو جسے تم دوست رکھتے ہو (آل عمران آیت ۹۲)

بائیبل

ضرور قرض دیجیو خبردار تیرے دل میں اندیشہ نہ گذرے مسکین زمین پر سے جاتے نہ رہینگے اس لئے یہ کہکے میں تجھے حکم کرتا ہوں کہ تو اپنے بھائی کے واسطے اور اپنے مسکین کے لئے اور اپنے محتاج کے واسطے جو تیری زمین پر ہے اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو (استثنا باب ۱۵ ورس ۷ - ۱۱ مختصراً -)

دینے میں ریا وغیرہ نہ کرنا

قرآن مجید

اے ایمان والو اپنے دینے کو ضائع نہ کرو احسان رکھکر اور ستا کر مثل اُس شخص کے کہ اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کو دیتا ہے اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتا سو اُسکی مثال جیسے صاف پتھر اور اُسپر مٹی پڑی پھر اُسپر زور کا مینہ برسا اور وہ صاف ہو کر رہ گیا اسی طرح ریاکاروں کو اُن کی کمائی کچھ اُن کے ہاتھ نہیں لگے گی اور مثال اُن کی جو اپنے دلی اعتقاد سے اللہ کی خوشنودی کیلئے اپنا مال صرف کرتے ہیں ایسی ہے جیسے بلندی پر ایک باغ اُسپر مینہ برسا تو وہ اپنا پھل دونا لایا اور اگر مینہ نہ برسا تو اوس ہی اُسکو کفایت کرتی ہے

(بقرہ آیت ۲۶۴ و ۲۶۵)

بائیبل

خبردار رہو کہ تم اپنے نیک کاموں کو لوگوں کے سامنے دکھلانے کے لئے نہ کرو نہیں تو تمھارا باپ جو آسمان پر ہے اجر نہ دیگا اسلئے جب تو خیرات کرے اپنے سامنے تُرہی مت بجا جیسا ریاکار عبادتخانوں اور راستوں میں کرتے ہیں تاکہ لوگ اُنکی تعریف کریں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وے اپنا اجر پا چکے (متی ۶/۱ و ۲)

جو خیرات بانٹتا ہے صاف دلی سے بانٹے (رومیوں ۱۲/۸)

ہر ایک جس طرح اپنے دل میں ٹھہراتا ہے دیوے نہ کہ دریغ سے یا لاچاری سے کیونکہ خدا اُسی کو جو خوشی سے دیتا ہے پیار کرتا ہے۔

(۲ قرنتیون ۹/۷)

خدا کی راہ میں کس طرح دینا چاہیے

قرآن مجید

اگر کھلے خیرات دو تو بھی اچھا ہے اور اگر چھپا کر فقیروں کو تو بھی تمھارے لئے بہتر ہے اور یہ دینا کسی قدر تمھارے گناہ مٹاتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے آگاہ ہے (بقرہ آیت ۲۷۱)

جو لوگ اپنا مال رات و دن چھپے اور کھلے دیتے ہیں اُن کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس بدلہ ہے اور نہ اُنھیں کچھ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے (بقرہ آیت ۲۷۴)

جنھوں نے ہمارے دیے میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ اور بُرائی کے بدلے میں بھلائی کرتے ہیں اُنھیں کے لئے آخرت میں جزا ہے۔ (رعد آیت ۲۲)

بائیبل

جب تو خیرات کرے تو چاہیے کہ تیرا بایاں[1] ہاتھ نجانے جو تیرا دہنا ہاتھ کرتا ہے تاکہ تیری خیرات پوشیدہ ہے (متی ۶ باب ۳ و ۴) اُنکی خوشی فراوانی اور اُنکے افلاس کامل نے اُنکی سخاوت کی کثرت کو زیادہ ظاہر کیا کیونکہ میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اُنھوں نے تا مقدور بلکہ مقدور سے زیادہ از خود خیرات کی (۲ قرنتیون ۸ باب ۲ و ۳) پر اُس خدمت کی بابت جو مقدس لوگوں کے واسطے ہے میرا لکھنا تمکو زائد ہے کیونکہ میں تمھاری ہمت کو جانتا ہوں اور یہی باعث ہے جو میں مقدونیوں کے آگے تمھارے سبب سے یہ فخر کرتا ہوں کہ ملک آخایہ ایک برس کے آگے خیرات دینے پر تیار تھا اور تمھاری سرگرمی نے بہتوں کو تحریص کیا (ایضاً ۹ باب ۱ و ۲)

اِس مقابلہ سے ظاہر ہوگیا کہ نفس دینے کا حکم تو جس طرح بیبل میں ہے اُسی طرح قرآن مجید میں ہے بلکہ قرآن میں تمثیلیں دیکر خوب ترغیب دی ہے ریاکاری سے دینے کو بھی دونوں جگہ منع کیا ہے مگر چند امور میں فرق ہے۔ اوّل یہ کہ قرآن مجید میں عمدہ اور پسندیدہ چیز دینے کا حکم ہے یعنی خیرات کے دینے کی عمدگی یہ ہے کہ پسندیدہ چیز دی جائے ایسا نہ کرنا چاہیے کہ بمقتضائے مثل مشہور موئی بچھیا باہمن کے نام نکمی اور ردی چیز خیرات کرے یہ حکم بیبل میں نہیں دیکھا گیا سو دوسرے یہ کہ قرآن مجید گرچہ ریا اور دکھاوے کو

[1] یہ مضمون حدیث میں نہایت عمدہ طرز سے بیان کیا گیا ہے جس سے پوشیدہ دینے کی نہایت عمدگی اور تاکید معلوم ہوتی ہے (دیکھو مشکوٰۃ باب الانفاق) اصل امر یہ ہے کہ اگر ظاہر دینے کی ضرورت نہو تو پوشیدہ دینا بہتر ہے ۱۲

سخت منع کرتا ہے مگر دینے کے باب میں ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح دینے کا حکم کرتا ہے کیونکہ بعض وقت ظاہر ہی دینے کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً اوروں کو ترغیب دینا منظور ہے اس وجہ سے خاص پوشیدہ طور سے دینے کا حکم کرنا کامل حکم نہیں ہو سکتا ہے تیسرے یہ کہ حضرت مسیح نے کاملیت کے لئے کل مال صرف کرنے اور قلندر ہو جانے کا حکم کیا اور قرآن مجید میں اسکی جگہ موقع سے صرف کرنا اور محبوب اور مرغوب شے دینے کا حکم دیا اور بالکل قلندر ہو جانے سے منع کیا۔ چوتھے یہ کہ شریعت محمدیہ نے دینے میں ایک مناسب طور پر تعیین بھی کر دی ہے تاکہ ہر ایک کو اسکے ادا میں آسانی ہو اور مسکینوں کا حق رہ نہ جائے انجیل میں یہ بات نہیں ہے البتہ توریت میں ہے مگر اُس میں بھی کسی قدر تکمیل کی گئی۔

تعلیم دہم۔ شراب اور جوئے کا حرام ہونا۔ شراب کی برائی اگرچہ توریت کے بہت[۵۱] سے مقامات سے نکلتی ہے مگر اُس کی حرمت عام طور پر معلوم نہیں ہوتی بلکہ مخصوص لوگوں کیلئے اور خاص وقتوں میں ہے مثلاً جب کاہن جماعت کے خیمہ گاہ میں داخل ہو تو کل نشہ کی چیز اُسے ممنوع ہے (اخبار ۱۰/۹) یا جو کوئی شخص منت مانکر اپنے آپ کو خدا کا نذر ٹھہراوے تو اُسے حکم ہے کہ اپنی منت کے دنوں میں کل نشہ کی چیزوں سے پرہیز کرے (گنتی ۶/۳) انجیل نے اس حکم میں ترمیم نہیں کی بلکہ اسکی اشاعت میں کسی قدر تائید کی مثلاً حضرت مسیح نے لوگوں کے پینے کے لئے معجزہ سے پانی کو شراب کر دیا (دیکھو یوحنا ۲/۱-۱۱) اور پولوس نے قوت کے لئے طمطاؤس کو پینے کا حکم کیا (دیکھو اول طمطاؤس ۵/۲۳) یہ امور بلاشک اُس کی اشاعت کے مؤید ہیں البتہ کلیسیا کے نگہبان یا خادم الدین کو شراب پینے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے (دیکھو اول طمطاؤس ۳/۳) الغرض کہ شراب کی حرمت کا ذکر تو کسی قدر پہلی کتابوں میں ملتا ہے مگر جوئے کی حرمت کا پتہ نہیں لگتا شریعت محمدیہ نے ان دونوں چیزوں کو قطعاً حرام ٹھہرایا ہے شراب کی حرمت وہاں خاص لوگوں کے لئے تھی یہاں خاص و عام سب کے لئے ہے اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس حکم میں شریعت محمدیہ نے اگلی شریعت کی مخالفت کی ہرگز نہیں بلکہ

---

[۵۱] دیکھو ہوسیع ۴/۱۱ امثال ۲۰/۱ و ۲۳/۲۹-۳۵ اور خاص لوگوں کو اور خاص اوقات میں اس کا حرام ہونا خود اس امر کی دلیل ہے کہ یہ خدا کی نظر میں بُری چیز ہے ۱۲۔

تکمیل کی یا یوں سمجھیے کہ امت محمدیہ کے عوام خدا کے نزدیک امت موسوی اور عیسوی کے خواص کے مانند ہیں اور خواص کا تو کیا ذکر ہے اسلئے کل امت پر حرام کردی گئی اس تقدیر پر سب شریعتوں کا مقصود ایک ہے قرآن مجید کا وہ مقام جس سے ان دونوں چیزونکی حرمت ثابت ہوتی ہے یہ ہے اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ (مائدہ آیت ۹۳ و ۹۴) اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے گندے کام ہیں شیطان کے ان سے بچتے رہو تاکہ تمھارا بھلا ہو شیطان کا یہی مقصد ہے کہ شراب اور جوئے کی وجہ سے تمھارے درمیان میں عداوت اور دشمنی ڈالے اور اللہ کی یاد اور نماز سے تمھیں باز رکھے پھر اب تو تم باز آوٴگے یعنی جب اسمیں دنیا و دین کی مضرت ہے تو اس سے باز رہنا ضرور ہے یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ اسوقت دنیا کے عقلا کا انکی برائی پر اتفاق ہے شراب کی مضرت میں حکمائے یورپ نے کتابیں تصنیف کی ہیں اور اس کے انسداد کے لئے شور مچا رہے ہیں جسکے دماغ میں ذرا بھی انصاف کی بو ہو گی وہ بے تامل کہدیگا کہ بانی شریعت محمدیہ بیشک علام الغیوب ہے کیونکہ تیرہ سو برس پیشتر اس ظلمت کے وقت میں کہ عام طور پر لوگ جہالت کے نشہ میں سرشار ہو رہے تھے اور بجز خاص امور کے علوم و فنون اور تہذیب کی ہوا بھی انھیں نہیں لگی تھی ایسے تہذیبی اور مہلک امور کو قطعاً حرام کر دیا۔ کیا یہ تہذیب اور شائستگی اور زندگی بخش احکام جہلائے عرب سے سیکھے ہرگز نہیں وہ تو سب کے سب اس بلا میں گرفتار تھے چنانچہ گاڈفری ہیگنس اپنی کتاب اپالوجی کے دفعہ ۱۶ میں لکھتا ہے "مورخوں نے بیان کیا ہے کہ محمدؐ کے زمانے کے پیشتر اہل عرب مے خواری اور قماربازی کے نہایت عادی تھے مگر ان کے دو حکموں کی وجہ سے شراب اور قماربازی کا رواج قطعاً موقوف ہو گیا گو انکو ذریعہ شہوت رانی انکے رفقا کا الزام لگایا گیا ہے چنانچہ اوپر مذکور ہوا (مگر آپکی تعلیم میں) تقوی اور پرہیزگاری برائے نام ہی نہیں معلوم ہوتی بلکہ مے نوشی اور قمار ایسے کبائر جرم قرار دئے گئے جو معافی کے لایق نہیں اور جس کی بیخ کنی ایکدم سے کر دی گئی" اہل عرب اسقدر شرابخواری کے عادی ہو رہے تھے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس عادت و رواج کے مٹانے کیلئے اس امر کی ضرورت پڑی کہ جن مخصوص برتنوں میں نشہ کی چیزیں استعمال کیجاتی تھیں اُن کا برتنا ابتدا میں قطعاً

موقوف کر دیا گیا پھر بھلا اُن عرب سے ایسی تعلیم سیکھنے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ پھر کیا عیسائیوں سے سیکھے ہرگز نہیں عیسائیوں کے یہاں تو پانسو برس پیشتر اِسکے جواز کا فتوےٰ ہو چکا تھا چنانچہ اوپر مذکور ہوا۔ گاڈفری ہیگنس اپنی کتاب کی دفعہ ۱۶ میں کس حسرت سے لکھتا ہے کہ "فی الحقیقت میرے قیاس میں انگلستان کی کیا خوش قسمتی ہوتی اگر بموجب حکم الٰہی دین عیسوی میں بھی اس کی ممانعت ہو جاتی" پھر دفعہ ۶۲ میں لکھا ہے "میری رائے ناقص اور خیالات محدود کے بموجب اگر شراب اور قمار بازی وغیرہ کی ممانعت انجیلوں میں پائی جاتی تو انسان کی خوشی کچھ کم نہ ہو جاتی اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام اپنے علم غیب سے جو بزعم لوگوں کے اُن کو حاصل تھا اور جس کا محمدؐ کو دعوےٰ نہ تھا نشے کی چیزوں کی ممانعت کر دیتے بجز اُن صورتوں کے جنمیں وہ دوا کے طور پر ضروری ہوں تو اس سے کچھ برائی زیادہ نہ ہو جاتی" پھر اگر یہ کہا جائے کہ توریت سے سیکھے تو یہ بھی خیال میں نہیں آتا کیونکہ یہ احکام نہ توریت میں ہیں اور نہ توریت آنحضرتؐ پڑھے تھے اور یہود سے سیکھنے کا احتمال نہیں ہو سکتا کیونکہ اُنکی کتاب جب ان احکام سے خالی ہے تو وہ کیونکر ایسی تعلیم دے سکتے تھے اور قمار بازی کی حرمت تو وہاں بالکل ہی نہیں ہے۔ دیکھو گاڈفری ہیگنس دفعہ ۱۶ میں لکھتا ہے "محمد کے قانون کی رُو سے قمار بازی کی صاف ممانعت ہے اس قانون کی مراد مفید سے یقیناً کوئی منکر نہ ہوگا۔ آپکے اخلاق کی خوبی سے انکار ہے کیونکہ کہتے ہیں کہ آپنے صرف اُسکو انجیل سے نقل کیا ہے میں نے اِس برائی کی ممانعت کو نہ احکام عشرہ میں دیکھا نہ انجیلوں میں" اِس محقق عیسائی کے قول سے ایک امر تو ثابت ہو گیا۔ اب رہا شراب کا حرام ہونا وہ بھی اس طور پر نہ تھا جس طرح شریعت محمدیہ میں ہے کہ تھوڑی بہت عام و خاص کسی کو اجازت نہیں۔

اب ازروئے انصاف دیکھنا چاہیے کہ جس وقت نفس کی خواہش کو دیکھا جاتا ہے تو سو آرزو سے اِسکے جواز کا حکم دیتی ہے اور اگر اُسوقت کے رواج پر خیال کیا جاتا ہے تو وہ بھی اسمیں سرشار رہنے کی اجازت دیتا ہے اور جب اگلی شریعت پر نظر ڈالی جاتی ہے تو وہ بھی اباحت کا فتویٰ دیتی ہے پھر ان سب کو چھوڑکر شریعت محمدی نے نفس کے مخالف وہ مفید اور عمدہ حکم دیا جسکی خوبی سیکڑوں برس بعد ظاہر ہوئی پھر یہ قوت الہامیہ کا کام نہیں تو کس کا ہے جو مشتری بندۂ درہم و دینار اُس سرور انبیاء پر نفس پروری کی تہمت

لگاتے ہیں وہ آنکھیں کھولکر دیکھیں (اگر اُنکے آنکھیں ہوں) کہ اگر نفس پروری کا اُس جناب میں شائبہ بھی ہوتا تو ایسی خوش آیند چیز کو آپ قطعاً حرام کیوں کردیتے جس پر تمام حظوظ نفسانی کا گویا مدار ہے آپ کو تو رواج اور شریعت دونوں اجازت دیتے تھے پھر کس کا خوف تھا کہ آپنے ایسی چیز سے پرہیز کرنیکا قطعی حکم دیدیا پھر صرف ممانعت ہی نہیں بلکہ یہ حکم کیا کہ جس کسی کا پینا ثابت ہو اُس پر اتنی کوڑے لگائے جائیں۔

تعلیم یازدہم۔ خون نہ کرنا۔ پادری صاحب صفحہ ۹۰ ۲ میں لکھتے ہیں کہ "توریت میں قتل کی ممانعت تھی انجیل میں تشریحاً ارشاد ہوا کہ خدا تعالےٰ کے حضور نہ صرف قاتل سزا کے لایق ہے بلکہ وہ شخص بھی جو دوسرے پر بے سبب غصہ کرے یا اُس سے بد زبانی کرتا ہے وہ بھی سزا پانیکا مستحق ہوگا" پادری صاحب نے انجیل متی کے باب ۵ ورس ۲۱ و ۲۲ کا مضمون بیان کیا ہے اُسے میں نقل کرتا ہوں "(۲۱) تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا کہ تو خون مت کر اور جو کوئی خون کرے عدالت میں سزا کے لایق ہوگا (۲۲) پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر بے سبب غصہ ہو عدالت میں سزا کے قابل ہوگا اور جو کوئی اپنے بھائی کو راکا (یعنی واہی یا بیوقوف) کہے صدر مجلس میں سزا کے لایق ہوگا اور جو اُسکو مورہ (یعنی احمق یا باغی) کہے جہنم کی آگ کا سزاوار ہوگا (۲۳) پس اگر تو قربان گاہ میں اپنی نذر لیجائے اور وہاں تجھے یاد آوے کہ تیرا بھائی تجھسے کچھ مخالفت رکھتا ہے (۲۴) تو وہاں اپنی نذر قربان گاہ کے سامنے چھوڑ کے چلا جا پہلے اپنے بھائی سے میل کر تب آکے اپنی نذر گذران"

ان ورسوں کی تشریح کے لئے لفظوں کے معنی معلوم ہونا چاہئے اول یہ کہ اپنے بھائی سے کون لوگ مراد ہیں دوسرے یہ کہ بے سبب غصہ ہونے سے کیا مقصود ہے جبوقت بائیبل کے محاورات اور خاص ۲۳ و ۲۴ ورس پر محققانہ طور پر نظر کیجائے تو بالیقین معلوم ہوتا ہے کہ اپنے بھائی سے مقصود خاص وہی لوگ ہیں جو مذہب کے شریک اور نیکوکار ہیں کیونکہ قطع نظر محاورہ کے دو وجہوں سے یہ امر ثابت ہوتا ہے اول یہ کہ ۲۴ ورس میں اُن سے میل کرنے کی تاکید ہے اور تعلیم ہفتم میں توریت و انجیل دونوں سے ثابت ہوچکا ہے کہ بدکاروں سے ملنے کی قطعاً ممانعت ہے اور اُنسے صحبت رکھنا اور اُنکے ساتھ خورونوش کرنا

بالکل ممنوع ہی کیونکہ پولوس کہتے ہیں پر میں نے اب تجھیں یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی بھائی کہلا کے حرامکار یالالچی یا بت پرست یا گالی دینے والا یا شرابی یا لٹیرا ہو تو اُس سے صحبت نہ رکھنا بلکہ ایسے کے ساتھ کھانا تک نہ کھانا" (نامۂ اول قرنتیون ۵ باب ۱۱) پولوس کے قول سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ بھائی کا اطلاق مذہب کے شریک پر آتا ہو نہ غیروں پر۔ دوسرے یہ کہ حضرت مسیح نے فقیہوں اور فریسیوں کو اکثر اوقات سخت کلمات کہے ہیں مثلاً ریاکار۔ حرامکار۔ بدکار۔ اندھا۔ سانپ۔ اور سانپ کا بچہ یہ سب الفاظ حضرت مسیح نے غیروں کو کہے ہیں (دیکھو متی کا باب ۱۲ ورس ۲۹ و باب ۲۳ ورس ۱۳-۳۳) اور ظاہر ہے کہ یہ الفاظ بیوقوف اور احمق کہنے سے زیادہ سخت ہیں پس جب حضرت مسیح نے احمق کہنے سے منع کیا اور غیر لوگوں کو اُس سے زیادہ سخت الفاظ کہے تو معلوم ہوا کہ اُنکو یہ سخت الفاظ کہنا منع نہیں ہیں ورنہ وہ نقص عائد ہوگا جو حضرت مسیح فقیہوں اور فریسیوں پر عائد کر رہے ہیں کہ وے کہتے ہیں پر کرتے نہیں (دیکھو متی ۲۳ باب ۳) الغرض ثابت ہوا کہ نیکو کار مسیحی بھائی سے بدزبانی کرنا منع ہے نہ غیر لوگوں سے پھر جب اسپر نظر کیجائے کہ بے سبب کی بھی قید لگی ہے تو معلوم ہوگا کہ اگر کوئی سبب ہو تو اپنے دینی بھائی کو بھی سخت الفاظ کہنا اور غصہ ہونا منع نہیں ہے اب رہا یہ امر کہ وہ سبب کیا ہے اور کس درجہ کا اُس سبب کو ہونا چاہیے اس مقام سے اسکا پتہ نہیں لگتا البتہ جس مقام پر حضرت مسیح علیہ السلام نے اعظم الحوارین پطرس کو شیطان کہا ہے اُس جگہ سے اس سبب کا اندازہ کسیقدر ہو سکتا ہے وہ قصہ متی حواری نے اپنی انجیل کے باب ۱۶ میں اس طرح نقل کیا ہے (۲۱) اُس وقت سے یسوع اپنے شاگردوں کو خبر دینے لگا کہ ضرور ہے کہ میں یروشلم کو جاؤں اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں سے بہت دکھ اُٹھاؤں اور مارا جاؤں اور تیسرے دن جی اُٹھوں (۲۲) تب پطرس اُسے کنارے لیگیا اور جھنجلا کر کہنے لگا کہ اے خداوند تیری سلامتی ہو یہ تجھپر کبھی نہو گا (۲۳) پر اُسنے پھر کے پطرس سے کہا کہ اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو الخ" اب ناظرین اس کلام میں غور کر کے اُس سبب کے اندازہ کو دریافت کریں جسکی وجہ سے دوسرے بھائی کو سخت الفاظ کہنا انجیل کی رو سے درست ہو جاتا ہے میری دانست میں یہاں کوئی وجہ اس سخت لفظ کہنے کی نہیں معلوم ہوتی بجز اسکے کہ اُس نے ایک وحشتناک خبر کو سنکر

جو اُسکی دلی تمنا کے خلاف تھی یا ورنہ کرسکا اور مستبعد سمجھا اور دعا دیکر کہنے لگا کہ تیری سلامتی ہو یہ تجھپر کبھی نہو گا یہاں اسقدر کہہ سکتے ہیں کہ مقتضائے کمال ادب یہ تھا کہ اپنی دلی حالت کو ضبط کر کے حضرت مسیح کے روبرو دم نہ مارتے اب غور کرنا چاہئے کہ جب ایسی خفیف وجہ سے نیکو کار دینی بھائی کو اسقدر سخت الفاظ کہنا درست ہوا تو اس حکم پر کیا معتد بہ ثمرہ مرتب ہو سکتا ہی جس کو پہلے حکم موسوی کی تکمیل یا تشریح کہی جائے کیونکہ کوئی عاقل ایسا نہیں ہی کہ بغیر خفیف وجہ کے بھی کسیکو سخت الفاظ کہے بوجہ سخت کلامی کو تو ہر ذی عقل بُرا جانتا ہے توریت میں صاف لکھا ہی کہ تو اپنے بھائی کو اپنے مانند پیار کر۔ پھر کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ تو اپنے بھائی سے بد زبانی نہ کر اگر ثابت ہوتا ہی اور بیشک ہوتا ہی تو فرمائیے کہ کس امر کی تکمیل ہوئی اور اگر اس حکم کو حکم موسوی کی تشریح کہی جائے تو شریعت محمدیہ نے نہایت عمدہ اور کامل طور سے اسکی تکمیل کی ہی کیونکہ قرآن مجید اور احادیث میں صاف صاف ارشاد ہوا کہ خدا تعالے کے حضور صرف قاتل یا بد زبان ہی نہیں سزا کے لایق ہی بلکہ وہ بھی جو کسی پر بدگمانی کرے یا پوشیدہ حالات کو ٹٹولے یا اپنے بھائی سے دل میں رنجش رکھے سزا کے لایق ہوگا۔ سرور انبیا فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ رنجش کی وجہ سے اپنے بھائی سے نہ ملے اور جو ایسا کریگا اور اُسی حال میں مر جائیگا تو جہنم کا سزاوار ہوگا جسنے بنظر غور انجیل اور قرآن و حدیث کو دیکھا ہی وہ بالیقین کہہ سکتا ہی کہ جسقدر زبان کی بندش شریعت محمدیہ میں کی گئی ہی شریعت عیسوی میں ہرگز نہیں ہے۔ الغرض شریعت عیسوی نے پہلی شریعت کی اگر تکمیل کی تھی تو فی الجملہ کی تھی مگر شریعت محمدیہ نے کامل طور پر اُسکی تکمیل کردی اس مسئلہ کو ناظرین تکمیل الادیان میں بھی ملاحظہ کریں جہان کسیقدر اُسکی تفصیل کی گئی ہی۔

تعلیم دوازدہم۔ طلاق کا جائز ہونا۔ ہر ایک ذی فہم اسکا یقین کرسکتا ہی کہ جسطرح نکاح کے جواز پر عقل انسانی اور کتب سماوی دونوں شہادت دیتی ہیں اسیطرح طلاق کے جواز پر بھی۔ دونوں شاہد ہیں بے تامل عقل یہ حکم کرتی ہی کہ جب عورت سے وہ مقصود حاصل نہو جس غرض سے رشتہ نکاح جائز کیا گیا ہی تو اس رشتہ کا توڑ دینا کسی طرح معیوب نہیں ہی خصوصاً ایسی حالت میں کہ مرد اُسکی بیوفائی اور بد مزاجی سے تنگ آکر اپنی زندگی عمدہ طور سے بسر نہ کرسکتا ہو وہ کون عقل ہی کہ انسان کو اپنی

زندگی تلخ کرنے پر مجبور کرے عقلی شہادت کے لئے یہ مختصر بیان کافی ہے اسلئے اب نقلی شہادت پیش کیجاتی ہے۔ توریت میں اس حکم کی نسبت اس طرح لکھا ہے کہ "اگر کوئی مرد کوئی عورت لیکے اُس سے بیاہ کرے اور بعد اُسکے ایسا ہو کہ وہ اُسکی نگاہ میں عزیز نہو اس سبب سے کہ اُسنے اُس میں کچھ پلید بات پائی تو وہ اُس کا طلاق نامہ لکھ کے اُس کے ہاتھ دے اور اُسے اپنے گھر سے باہر کرے اور جب وہ اُس کے گھر سے نکل گئی تو جا کے دوسرے مرد کی ہوئے پھر اگر دوسرا شوہر بھی اُس سے ناخوش ہو جائے اور اُس کا طلاق نامہ لکھ کے اُس کے ہاتھ میں دے اور اپنے گھر سے نکالدے یا اگر دوسرا شوہر اُسے جو رو کر کے مرجائے تو روا نہیں کہ اُس کا پہلا شوہر جس نے اُسے نکالدیا تھا اُسے پھر لے" استثنا ۲۴ (۱-۴)

اِس مقام پر پہلے ورس کی شرح میں علماء یہود کا اختلاف ہے چنانچہ کیاسلس بائبل ڈکشنری مطبوعہ ۱۸۸۳ء کے صفحہ ۳۴۶ و ۳۴۷ میں لفظ ڈائیوورس (یعنی طلاق) کے بیان میں لکھا ہے "لیکن اِس جملہ کے کیا معنی ہیں کہ وہ اُسکی نگاہ میں عزیز نہو اس سبب سے کہ اُس نے اُسمیں کچھ پلید بات پائی یا اُسکے صاف معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ اُس [1] نے برہنگی کے اسباب پائے مفسرین اوّل ہی زمانے سے اسمیں مختلف رہے ہیں کتاب مِشنا سے معلوم ہوتا ہے کہ شمّی جو مسیح سے کسیقدر پیشتر تھا اس جملہ کے معنی یہ بیان کرتا تھا کہ کوئی شخص اپنی زوجہ کو طلاق نہیں دے سکتا جبتک کہ اُسکو ایسی حرکات کا مرتکب نہ پاوے جو لائق طعنہ زنی اور قوانین نکوئی کے خلاف ہیں۔ مگر ہلّل جو کہ شمّی کا شاگرد ہے اُسکی تعلیم اسکے خلاف تھی وہ کہتا ہے کہ ہر ایک قصور پر جس سے کہ شوہر ناخوش ہو طلاق دینا روا ہے مثلاً کھانا خراب کر دینا (یہ بھی ایک قصور ہے) اور ربّی اکیوا اس سے بھی ترقی کر کے اس جملہ کے معنی یہ بیان کرتا ہے کہ ہر ایک شخص اپنی زوجہ کو طلاق دینے کا مختار ہے اگرچہ کوئی قصور اُس نے نہ کیا ہو صرف اِس باعث سے بھی کہ دوسری عورت اُسکی زوجہ سے زیادہ حسین ہے۔ اُس زمانہ میں یہودی اسی خیال کے پابند تھے۔ نبیوں کی تحریرات سے ظاہر ہے

[1] یہ ترجمہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ جس عبرانی لفظ کا ترجمہ پلیدی یا پلید بات کیا گیا ہے وہ یہی ہے ۹ ۲۴۶ ۲ (محورۃ) یہ لفظ بعینہٖ عربی میں بھی مستعمل ہے اس کے ٹھیک معنی ننگاپن میں اس لفظ کے لحاظ سے شمّی کی رائے کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ اور ولیم اسمتھ بھی اسمار بائبل ڈکشنری میں شمّی اور ہلّل کی رائے اسی طرح لکھتا ہے"

کہ یہودی جب اسیری سے واپس آئے تو طلاق دینے کی اُن میں کثرت ہو گئی۔ اور فیلو اور یوسیفس
اور عہد جدید سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے وقت تک اسکا بہت رواج تھا۔ الغرض اس امر میں تو
اختلاف رہا کہ کس سبب سے طلاق دیجائے مگر یہ امر متفق علیہ ہے کہ بعد طلاق دینے کے پھر اُس شوہر کے
نکاح میں نہیں آسکتی یعنی اس رشتہ کے ٹوٹ جانے کے بعد پھر جوڑنے کی کوئی سبیل نہیں ہے اگرچہ کیسی ہی
ضرورت پیش آئے۔ اب انجیل کا بیان اس مسئلہ میں سنا چاہیے متی کے باب ۱۹ میں ہے
"(۳) اور فریسی اُسکی آزمایش کے لئے اُس پاس آئے اور اُس سے کہا کیا روا ہے کہ مرد ہر ایک
سبب سے اپنی جورو کو چھوڑ دیوے (۴) اُس نے جواب میں اُن سے کہا کیا تم نے نہیں پڑھا کہ خالق نے
شروع میں اُنھیں ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت بنائی (۵) اور فرمایا کہ اسلئے مرد اپنے ماں باپ کو
چھوڑیگا اور اپنی جورو سے ملا رہیگا اور وے دونوں ایک تن ہونگے (۶) اسلئے اب وے دو نہیں بلکہ
ایک تن ہیں پس جسے خدا نے جوڑا اُسے انسان نہ توڑے (۷) اُنھوں نے اُس سے کہا پھر موسیٰ نے کیوں
حکم دیا کہ طلاق نامہ اُسے دیکے اُسے چھوڑ دے (۸) اُسنے اُنسے کہا کہ موسیٰ نے تمھاری سخت دلی کے سبب

ف۱؎ اگر صرف انجیل کی عبارت پر نظر کی جائے تو ایک عمدہ بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ احکام اخلاقی میں بھی
بحسب مصلحت وقت تغیر ہوتا ہے پھر یہ نہیں کہ ناقص حکم کے بعد کامل دیا جائے بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بسبب ضرورت کے کامل حکم کے
بعد ناقص دیا جاتا ہے کیونکہ حضرت مسیح کے اس قول سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ کے پیشتر طلاق کی بابت کامل حکم تھا پھر
حضرت موسیٰ کے وقت میں لوگوں کی حالت اس امر کی مقتضی ہوئی کہ ہر ایک سبب سے طلاق کی اجازت دی گئی (جنکو پادری صاحب
ناقص حکم بتاتے ہیں) بعد ازاں حضرت مسیح کے وقت میں اس کا تغیر اس طرح ہوا کہ طلاق کا جواز خاص زنا کی حالت
سے مخصوص ہو گیا۔ اس مختصر تحریر سے پادری صاحب کے اختلاف چہارم کی تمام تقریریں اور چرب زبانیاں برہم
ہو جاتی ہیں۔ افسوس ہے کہ پادری صاحب نے عیسائی ہو کر انجیل کو بھی نہیں دیکھا۔ یہاں ایک خلجان یہ بھی ہوتا ہے کہ
جوروں کو چھوڑ دینے کی اجازت اُنکی سخت دلی قرار دینا مقتضائے عقل کے بالکل برخلاف ہے کیونکہ سخت دلوںکو
سخت حکم ہونا چاہیے اگر وہ سخت دل تھے تو اُنھیں طلاق دینے سے بالکل ممانعت یا طلاق کو زنا کے ساتھ مقید
کرنا چاہیے تھا کیونکہ یہ ایک سخت حکم ہے۔ اور سخت دلوںکو سخت احکام مناسب ہیں جیسا کہ اسوقت تک تمام عقلا کا
عام دستور ہے۔ یہاں اُلٹی بات ہو رہی ہے کہ سخت دلوں کو نرم حکم اور نرم دلوںکو سخت حکم دئے جاتے ہیں
غرضکہ اس اجازت کی علت اُنکی سخت دلی قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا اگر سچ پوچھیے تو عام طور سے طلاق کی
اجازت کا الزام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر زبردستی ہے کیونکہ اُنکے کلام سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی یہاں یہ بھی امکان ہے کہ یہ کسی شخص
کے قول کو حضرت مسیح کیطرف منسوب کیا ہے الحاصل یہ مقام اغلاط سے خالی نہیں فتامل ۱۲ چودھری مولا بخش عفی عنہ

تمکو اپنی جوروؤنکو چھوڑ دینے کی اجازت دی پر شروع سے ایسا نہ تھا (۹) اور میں تمسے کہتا ہوں کہ
جو کوئی اپنی جورو کو سوا زنا کے اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے زنا کرتا ہی۔ ڈکشنری مذکور میں
فریسیوں کے سوال کی وجہ اس طرح لکھی ہی فریسیوں نے مسیحؑ کو الجھاوے میں ڈالنے کیلئے یہ سوال کیا تھا بعد اسکے
جو گفتگو مسیحؑ سے ہوئی اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہی کہ یہودی اُسوقت ہلل کی رائے کے پابند تھے اور اُسپر
عملدرآمد تھا اور شمعی کی رائے کے پابند نہ تھے " اور اسکاٹ صاحب مقام مذکور کی شرح میں اسطرح
لکھتے ہیں۔ فریسیوں کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اسکے جواب میں اپنی زبان سے آپ پھنسے اور اُن کی
چالاکی اِس سوال میں یہ تھی کہ یہودیوں میں اِس مقدمے کی بابت دو رائیں تھیں یعنی بعضے ربی
ہلل نامے کے فتوے پر عمل کرتے تھے جو کہتا تھا کہ مرد اپنی جورو کو کسی قصور یا ناراضی کے سبب
چھوڑے تو جائز ہی اور بعضے ربی شمعی کی رائے مانتے کہ زناکاری کے سوا اور کوئی سبب طلاق
کا نہیں ہے پس جو کچھ جواب مسیحؑ اِس سوال کا دے وہ اِن دونوں میں سے ایک کو ضرور ناراض کریگا"
(دیکھو تفسیر اسکاٹ صفحہ ۱۴۶) اور بعینہ یہی مضمون تفسیر بارنس مطبوعہ سنہ ۱۷۹۹ء کے صفحہ ۱۵۹ میں ہے
اب میں یہ کہتا ہوں کہ اِن علمائے مسیحیہ کے اقوال سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ طلاق کو صرف
زنا پر منحصر کرنا حضرت مسیحؑ کا کوئی نیا حکم نہیں ہی بلکہ بعض علمائے یہود کی پہلے سے یہ رائے تھی
پس وہ امر جو بحسب ظاہر انجیل کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہی کہ اِس حکم کے موجد و بانی خاص حضرت مسیحؑ
ہیں صحیح نہیں ہی اسی طرح یہ امر جو انجیل کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہی کہ حضرت موسیٰؑ نے ہر ایک سبب سے
طلاق دینے کی اجازت دیدی تھی صحیح نہیں ہی بلکہ حضرت موسیٰؑ نے اس مقام پر ایسا مجمل کلام بولا ہی جسکے وہ
معنی بھی ہو سکتے ہیں جو ربی شمعی نے کئے ہیں جسکی رو سے طلاق دینا زنا اور اسکے دواعی سے مخصوص
ہو جائیگا اور وہ معنی بھی ہو سکتے ہیں جو ربی ہلل نے کئے ہیں جسکی رو سے مرد ہر ایک سبب سے طلاق دے سکتا
ہی حضرت مسیحؑ کا اِس معنی کو حضرت موسیٰؑ کیطرف منسوب کرنا محض اس وجہ سے ہی کہ یہود کے اعتقاد میں یہی امر تھا کیونکہ
وہ لوگ ربی ہلل کی رائے کے متبع تھے) الغرض حضرت مسیحؑ نے کوئی نیا حکم اس امر میں نہیں دیا بلکہ مختلف فیہ
امر میں سے ایک امر کو اختیار کر لیا۔ بیان سابق سے طلاق کی تین صورتیں نکلیں۔ ایک یہ کہ بلا قصور

وسبب طلاق دی جائے اِس صورت کا جواز ربی اکیوا تو ریت سے نکالتا تھا دوسرے یہ کہ بلاتخصیص ہر ایک قصور وسبب سے اِسکی اجازت ہو گو کیسا ہی کم مرتبہ قصور کیوں نہو جیسا کہ ربی ہلل کی رائے تھی تیسرے یہ کہ طلاق کو صرف زنا سے خاص کر دیا جائے جیسا کہ ربی شمّی کا قول ہی۔ اِن کے علاوہ چوتھی صورت یہ ہی کہ فی نفسہ طلاق کو ایک امر ممنوع اور بُرا قرار دیا جائے مگر جواز اُس کا ضرورت پر منحصر ہو اور کسی خاص سبب سے مخصوص نہ کیا جائے۔ اب اِس امر میں منصفانہ طور سے نظر کرنا چاہیئے کہ اِن صورتوں میں کونسی صورت پسندیدہ اور اُس حاجت کو پوری کرنیوالی ہے جسکے لئے یہ طلاق مشروع ہوئی ہی اور کون اِس کے برخلاف ہے۔ پہلی دو صورتیں تو بلاشک عقل کے نزدیک ناپسندیدہ اور جس لئے نکاح مقرر کیا گیا ہی اُسکے بالکل برخلاف ہیں مگر جس طرح عقل کے نزدیک بلاقصور یا ادنےٰ قصور سے طلاق دینا پسندیدہ نہیں ہو سکتا اسی طرح طلاق کو زنا کے ساتھ خاص کر دینا بھی کسی طرح پسندیدہ نہیں ہی کیونکہ جب عورت کو کسی بُرائی کسی فعل کی وجہہ سے طلاق دینا جائز ہوا تو کون عاقل یہ کہہ سکتا ہی کہ زنا کے سوا اور کوئی بُرائی عورت میں ایسی نہیں ہو سکتی جس سے اُسکا علیحدہ کر دینا جائز ہو کیا از روئے دین یا دنیا کے کوئی اور بُرائی مثل زنا کے نہیں ہی جو صرف زنا پر طلاق کو منحصر کیا جاتا ہی کیا بت پرستی اور قتل ناحق خصوصاً قتل اولاد یا ایذا رسانی خدا کے نزدیک زنا سے بھی کم مرتبہ ہیں جو ان افعال شنیعہ پر طلاق کا حکم نہیں ہوا کیا یہ افعال خدا کی نظر میں گندے اور ناپسندیدہ نہیں ہیں صرف زنا ہی ایک ایسا فعل ہی جو اُس کی مرضی کے خلاف ہی اور اگر یہ سب افعال بھی خدا کی نظر میں ویسے ہی بلکہ اُس سے زائد ناپسندیدہ ہیں جیسے زنا ہے تو کس وجہہ سے پادری صاحب کہتے ہیں کہ "جو کوئی انصاف دلی سے غور کریگا سو جان لیگا کہ عورت کو بغیر زنا کے چھوڑ دینا خدا تعالےٰ کی پاک مرضی کے برخلاف ہی" (دیکھو صفحہ ۳۲ نیاز نامہ) اور اگر اغراض نکاح اور فوائد دنیاوی کی طرف نظر کی جائے تو کیا وجہہ ہی کہ اگر وہ عورت نافرمان۔ بیوفا۔ بدخلق۔ غیر منتظمہ۔ بانجھ وغیرہ اوصاف ضارہ سے متصف ہو مگر اُسکو طلاق دینا جائز نہو کیا ایسی عورت سے نکاح کے اغراض حاصل ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں کیا ایسی عورت خاوند سے محبت رکھکر اُس کی مدد کر سکتی ہی۔ ہرگز نہیں۔ بیوفا۔ بدمزاج۔ نافرمان

سے کیونکر محبت اور امداد کی امید ہوسکتی ہے پھر کیا وہ پرورش اولاد اور انتظام خانہ داری کر سکتی ہے حاشا وکلا جب اُس میں بسبب بانجھ ہونے کے اولاد کی صلاحیت اور غیر منتظمہ ہونے کے انتظام کی قوت ہی نہیں ہے تو پھر وہ کیا کر سکتی ہے اب فرمائیے کہ جو فوائد نکاح کے پادری صاحب نے صفحہ ۳۳ میں بیان کیے تھے وہ ختم ہو لئے اب کس وجہ سے ایسی عورت کو علیحدہ کرنا خدا کی مرضی کے خلاف ہے یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ طلاق کو صرف زنا پر منحصر رکھنے سے صرف اتنی ہی مضرت نہیں ہے کہ بعض وقت مرد اور بعض وقت عورت اپنی زندگی کو نہایت تلخی سے بسر کرینگے اور وہ مسرت و خوشحالی جو بسبب نکاح کے طرفین کو ہوتی ہے سخت مصیبت اور درد ناکی سے بدل جائیگی بعض وقت امر یہ بھی پیش آئیگا کہ یا تو ایک دوسرے کی جان کا خواہاں ہوگا یا علیحدہ ہو کر مرتکب زنا کے ہونگے کیونکہ عیسائیوں نے تعدد ازواج بھی منع کر دیا ہے پھر جب طرفین میں موافقت کی صورت نہ ہوئی تو اب وہ دونوں طبعی اور فطرتی خواہش کو کیا کرینگے اسی واسطے عیسائیوں میں اس قسم کے واقعات اکثر واقع ہوتے ہیں اب کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس قسم کے خون اور بدفعلی شریعت کی مجبوری سے ہوتی ہے اگر شریعت انھیں ایسا مجبور نہ کرتی تو یہ جانیں تلف نہ ہوتیں اور بدفعلیاں ظہور میں نہ آتیں ان باتوں پر نظر کرکے کون عاقل یہ کہہ سکتا ہے کہ زنا کے سوا دوسرے سبب سے جورو کو طلاق دینا خدا کی مرضی کے خلاف ہے افسوس ہے کہ پادری صاحب ذرا بھی عقل کو کام میں نہیں لاتے اُن کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی پاک مرضی کے موافق یہ امر ہے کہ عورت کے سبب سے مرد کا کیسا ہی ناک میں دم ہو جائے دنیا و دین کی مضرتیں اُٹھائے اور جان پر نوبت آئے اغراض نکاح گرچہ بالکل حاصل نہوں مگر اُسے چھوڑنا کسی طرح جائز نہیں سبحان اللہ بھلا کوئی عاقل اِسے قبول کر سکتا ہے ہرگز نہیں کیا خوب کسی نے کہا ہے کہ جس حالت میں خداوند تعالےٰ نے ایک بیوی ابتدا ہی میں اس غرض سے دی کہ وہ اُس کی مدد اور تسلی اور خوشی کا باعث ہو جیسا کہ خود آئین نکاح سے ظاہر ہوتا ہے تو اگر بعد کو جیسا کہ اکثر اتفاق ہوتا ہے وہ بیوی رنج و رسوائی اور تباہی اور اذیت اور مصیبت کی باعث ہو تو ہمکو کیونکر یہ خیال کرنا چاہیئے کہ خدا ہم سے ایسی عورت کے طلاق دینے سے ناخوش ہوگا۔ الحاصل طلاق کو زنا

کے ساتھ خاص کر دینا کسی طرح بُرائی سے خالی نہیں ہو سکتا لہذا اِس مقدمہ میں کامل حکم وہی ہو جو میں نے چوتھی صورت میں بیان کیا ہی یعنی اُس کا جواز ضرورت خاصہ پر منحصر ہونا چاہیے کیونکہ متعدد صورتیں ایسی نکل سکتی ہیں جن کی وجہ سے مرد عورت کے علیحدہ کرنے پر مجبور ہوتا ہی اسی طرح بعض وقت مرد کی طرف سے ایسے امور پیش ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے وہ عورت علیحدہ ہونے پر مجبور ہوتی ہی مثلاً نامرد ہے یا عورت کے کسی ضروری امر سے خبر گیراں نہیں ہوتا پھر اگر شریعت اسکو طلاق کے جواز کا حکم نہ دے تو گویا اُس عورت کے ہلاک ہو جانے یا در پردہ زنا کرنے کی اجازت دیتی ہی غرضکہ طلاق کو زنا کے ساتھ خاص کرنے میں نہایت خرابیاں ہیں اسیواسطے شریعت محمدیہ میں اس حکم کی تکمیل اس طرح کیگئی کہ ضرورت خاصہ پر طلاق کا جواز رکھا گیا نہ کسی خاص سبب پر (مثلاً زنا) تاکہ عورت و مرد کسی وقت تنگ اور مجبور ہو کر کسی فعل شنیع کے مرتکب نہوں۔

شریعت محمدیہ نے اِس باب میں ایک عمدہ طریقہ اختیار کیا ہی کہ صرف اِس کہنے کو کافی نہیں سمجھا کہ بوقت ضرورت طلاق دینا جائز ہی بلکہ مختلف طور پر ایسے احکام نافذ کیے ہیں جس سے شریعت کا پابند بجز حالت ضروری اور مجبوری کے کسی طرح بیوی کو علیحدہ نہیں کر سکتا کیونکہ اول تو طلاق کو ابغض المباحات قرار دیا اور یوں ارشاد فرمایا ابغض الحلال الی اللہ الطلاق یعنی حلال چیزوں میں خدا کو زیادہ غصے میں لانیوالی طلاق ہی اور یہ بھی فرمایا کہ جو عورت سوائے حالت سختی کے اپنے شوہر سے طلاق کی خواہش کرے اُسپر جنت کی خوشبو حرام ہی۔ اسی پر مرد کے طلاق دینے کو قیاس کرنا چاہیے ایک جگہ یہ بھی فرمایا کہ میاں بیوی کی جدائی شیطان کی بہت زیادہ خوشی کا باعث ہی یہ ارشادات اِس بات کو صاف ظاہر کرتے ہیں کہ طلاق فی نفسہ خدا کے نزدیک ناپسندیدہ اور بُری چیز ہے مگر بضرورت اُسکا جواز رکھا گیا ہی۔ دوسرے وہ طلاق قطعاً ممنوع ٹھہرائی گئی جس سے اُسی وقت رشتۂ نکاح قطع ہو جائے اور پھر اُسیوقت اُسکے نکاح میں نہ آسکے تیسرے نافرمان بدخو عورت جسوقت اطاعت قبول کرے اُسکے طلاق دینے کو منع کر دیا ہی چوتھے باوجود ناپسندیدہ ہونے عورت کے پھر بھی اُس سے عمدہ برتاؤ کرنیکا حکم کیا ہی۔ پانچویں طلاق دینے کی جو صورت بتائی ہی

اُس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہی کہ بانی شریعت محمدیہ دانائے مطلق اور نہایت رحیم ہی وہ کسی حالت اور کسی سبب سے یکبارگی اس محکم رشتہ کا توڑنا پسند نہیں کرتا ہی بخلاف شریعت موسوی اور عیسوی کے کہ شریعت موسوی ہیں ہر ایک سبب سے اور شریعت عیسوی میں خاص سبب سے اُسکے یکبارگی توڑنیکی اجازت دی ہی شریعت محمدیہ طلاق کی صورت اس طرح بتاتی ہی کہ اگر اس فعل کی ضرورت پڑے تو اوّل ایک طلاق دینا چاہیے بعد اس کے وہ عورت تین مہینے یا کسیقدر کم یا زیادہ شوہر ہی کے گھر میں رہے اور اس مدت کا نان نفقہ شوہر ہی کے ذمہ ہی اور اگر اس عرصہ میں باہم میل ہوگیا تو بدستور وہ میاں بیوی بنے رہیں گے اور اگر اسقدر مدت گذر گئی اور باہم میل نہ ہوا تو اُسوقت وہ عورت اُس کے نکاح سے باہر ہوگی مگر پھر بھی انکو اختیار ہی کہ اگر باہم رضامند ہوں تو نکاح کرکے بدستور میاں بیوی ہو جائیں اور اگر پھر طلاق دینے کی ضرورت پیش آئے تو پھر بھی یہی حکم ہی۔ اب خیال کرنیکا مقام ہی کہ جب اس مدت تک وہ بیوی خاوند کے گھر میں رہیگی تو کیسے ممکن ہی کہ (بلا وجہ قوی اور حالت مجبوری کے) وہ شوہر اس سے میل کرکے طلاق سے باز نہ رہیگا البتہ اگر تین مرتبہ طلاق دینے کی نوبت آئے اُسوقت تنبیہاً یہ حکم ہی کہ اب اُسکے نکاح سے باہر ہوگئی اور جب تک دوسرے کے نکاح میں نہ جاوے پھر اسکے نکاح میں نہیں آسکتی۔

ان احکامات سے بخوبی ظاہر ہوگیا کہ شریعت محمدیہ میاں بیوی کی جدائی کو ہرگز ہرگز پسند نہیں کرتی مگر انھیں مقامات پر جہاں اُنکا جدا ہونا ضرور ہے شریعت عیسوی نے جو طلاق کو زنا سے خاص کردیا تھا اُس کے نقصانات اوپر بیان کئے گئے۔ اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ کامل حکم شریعت محمدیہ کا ہے یا شریعت عیسویہ کا۔

یہاں پادری صاحب کے اُس قول پر بھی نظر کرنا چاہیے جو صفحہ ۴۳ میں لکھا ہی کہ "قرآن و حدیث لوگوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ جب تمھاری خواہش ہوا کرے جوروؤنکو طلاق دیدیا کرو" میں نے جو احکامات شریعت محمدیہ کے اوپر نقل کئے ہیں اُنسے بخوبی واضح ہوتا ہی کہ پادری صاحب کا یہ قول بالکل غلط ہی اور قرآن وحدیث کا ہرگز یہ منشا نہیں ہی جو پادری صاحب بیان کر رہے ہیں جو

کوئی انصاف دلی سے غور کریگا وہ بالیقین جان لیگا کہ قرآن وحدیث نے جس خوبی سے طلاق کو روکا ہی وہ توریت وانجیل میں ہرگز نہیں پائی جاتی تکمیل الادیان کے دیکھنے سے اسکی تفصیل معلوم ہوسکتی ہی قطع نظر نصوص مذکورہ بالا کے حضرت سرور انبیا کا یہ قول ملاحظہ کے لائق ہی لعن اللہ الذواقین والذواقات اُن مردوں اور عورتوں پر خدا کی لعنت ہو جو مزہ چکھنے والے ہیں یعنی نکاح سے مقصود اُن کا صرف مزہ چکھنا ہی کہ بار بار نکاح کرتے ہیں اور طلاق دیتے یا لیتے ہیں۔ صرف یہی قول اِس بات کیلیئے کافی دلیل ہی کہ شریعت محمدیہ عام طور سے طلاق دینے کی اجازت نہیں دیتی بلکہ ایسے طلاق دینے والے کو خدا کی لعنت کا مستحق سمجھتی ہے پس شریعت محمدیہ نے تو صاف صاف یہی نصین بیان کیئے ہیں جو میں نے نقل کیئے جس سے غیر ضروری طلاق کی قطعاً ممانعت ثابت ہوتی ہی اب اگر کسی عالم کی رائے یا کسی کا عمل خلاف اسکے ہو تو ہمیں اُس کا اتباع ضرور نہیں ہی اور نہ اُن کی رائے یا عمل سے کچھ شریعت پر الزام آسکتا ہی کیونکہ جسوقت ہم رومن کیتھلک وغیرہ کی بُت پرستیاں پیش کریں تو پادری صاحب اُن لوگونکو الزام دیکر صاف الگ ہو جائینگے اور کلام مقدس کو پاک وصاف بتائینگے اہل تحقیق اور طالب حق کا یہ کام نہیں ہی کہ کسی کے ضعیف قول یا فعل سے مذہب پر اعتراض کرے بلکہ محقق کو چاہیے کہ صرف بانی شریعت کے اقوال پر نظر رکھے۔ میں ایک مثال اور پادری صاحب کو دیتا ہوں ملاحظہ کریں۔ زنا کے جرم میں طلاق دینے کے بعد پھر نکاح کرنا عیسائیوں میں مختلف فیہ ہی چرچ آف روم نکاح کی اجازت نہیں دیتے اور مسیح کے اِس قول سے دلیل پکڑتے ہیں وہ اُسنے اُنھیں کہا جو کوئی جورو کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے تو اسکی نسبت زنا کرتا ہی وہ کہتے ہیں کہ یہاں مسیح نے کوئی قید نہیں لگائی مطلقاً دوسری سے بیاہ کرنے کو زنا قرار دیا ہی خواہ پہلی جورو کو زنا کے سبب چھوڑا ہو یا اور کسی سبب سے۔ کیاسلیس بائبل ڈکشنری میں بحوالہ کونسل ٹرنٹ سشن ۲۴ کے لکھا ہے "چرچ آف روم کے معتقد یہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی زوجہ کو زنا کے جرم میں طلاق دیکر دوسری کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا لیکن فریقین میں سے ایک کا ریلیجس آرڈر (یعنی مذہبی حلقہ) میں داخل ہونا ایک خاص وقت کے اندر جبکہ رسم معہود ادا ہو چکی ہو نکاح کو فسخ کردیتا ہے اور دوسرے

فریق کو علاقہ نہیں رہتا" اب اس قول کے بموجب کیسی دشواری پیش آتی ہی کہ ایک مرد نے بموجب حکم شریعت کے اپنی جورو کو طلاق دی مگر اب شریعت اُسے نکاح کی اجازت نہیں دیتی یہ عجب اندھیر ہے گویا اُسے زنا پر مجبور کیا جاتا ہی۔ اس اعتراض کے جواب میں پادری صاحب کیا کہہ سکتے ہیں بجز اس کے کہ اُس چرچ کے قول کو غلط کہیں اسی طرح میں بہت سی مثالیں دے سکتا ہوں جن میں پادری صاحب بجز اس امر کے کہ قائل کو الزام دیں اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔

تعلیم سیزدہم۔ کئی جورویں کرنا۔ اس تعلیم میں بھی عیسائی ہمارے مخالف ہیں اور نہایت طعن کیساتھ یہ تعلیم پیش کیا کرتے ہیں مگر اسکے جواز بلکہ استحسان میں عمدہ عمدہ اور دلچسپ مضامین۔ عربی۔ فارسی اُردو۔ انگریزی مختلف زبانوں میں لکھے گئے ہیں خود عیسائیوں نے اس بارے میں کتابیں لکھی ہیں ایک مشہور اور معروف عالم عیسائی جان ملٹن اس کا بڑا حامی تھا (دیکھو جان ڈیون پورٹ کی کتاب کا صفحہ ۱۵۸) اس وجہ سے زیادہ اِس میں بحث کرنا فضول ہی مگر اس نظر سے کہ پادری صاحب نے اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے کسی قدر لکھنا مناسب ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ پہلی شریعتوں کا اس بارے میں کیا حکم تھا اور شریعت محمدیہ نے کیا ارشاد فرمایا۔

دلیل عقلی اور شہادت نقلی دونوں اسپر متفق ہیں کہ کئی جورویں کرنا بشروط شرعیہ کسی طرح معیوب نہیں ہو سکتا بلکہ بعض وقت مستحسن یا ضروری ہو جاتا ہی عقلاً اسکے جواز میں اسقدر کہنا کافی ہی کہ باتفاق حکما یہ امر ثابت ہی کہ اللہ تعالےٰ نے عورت سے مرد کو ہر طرح قوت زیادہ دی ہی پس فطرت انسانی اس بات کی کامل شہادت دیتی ہی کہ مرد کو ایک سے زیادہ عورتیں کرنا کسی طرح غیر مناسب نہیں ہے اور عوام میں یہ جو مشہور ہے کہ عورت کو مرد سے نو حصے شہوت زیادہ ہے اور بعض نے اس مضمون کو حدیث کی طرف بھی منسوب کیا ہی وہ محض غلط ہی کچھ اسکی اصل نہیں ہی۔

نقلی ثبوت کے لئے یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ رسم حضرت ابراہیمؑ کے پیشتر سے چلی آتی ہی تمام انبیاء کرام کے وقت میں بلا روک ٹوک اسکا رواج رہا اور عوام و خواص سب اسپر عامل رہے اور کسی نے کوئی حد اسکے لئے مقرر نہیں کی۔ عوام بنی اسرائیل کا ذکر کرنا تو فضول ہی کیونکہ خود انبیا کے فعل سے تعدد ازدواج ثابت ہے

حضرت ابراہیمؑ حضرت یعقوبؑ حضرت جدعونؑ حضرت داؤدؑ حضرت سلیمان علیہم السلام نے متعدد بیویاں کیں مثلاً حضرت ابراہیمؑ نے تین بیویاں کی تھیں۔ سارہ۔ ہاجرہ۔ قطورہ جنکا ذکر پیدایش کے ۱۱/۲۹ و ۱۶/۳ و ۲۵/۱ میں ہی۔ حضرت یعقوبؑ کی چار بیویاں تھیں۔ راحیل لیاہ۔ بلہا۔ زلفا جس کا ذکر پیدایش کے باب ۲۹ و ۳۰ میں ہی اور حضرت جدعونؑ کی بیبیوں کی تعداد نہیں معلوم البتہ قاضیوں کی کتاب کے باب ۸ ورس ۳۰ میں اسقدر لکھا ہی کہ جدعون کے ستر بیٹے تھے جو اُسکے صلب سے پیدا ہوئے تھے کیونکہ اُسکی جوروان بہت تھیں اور جدعون کا نبی ہونا اسی کتاب کے باب ۶ و ۷ سے ظاہر ہے اور حضرت داؤدؑ نے سو بیویاں کی تھیں جنکا ذکر ۲ سموئیل کے ۳/۱۴ و ۵/۱۳ و ۱۱/۲۷ و ۱۲/۸ و ۱۴/۱۵ وغیرہ مقامات میں ہی۔ اور حضرت سلیمانؑ کی سات بیویاں وتین سو حرمین تھیں (دیکھو اول سلاطین ۱۱/۳) جب انبیاء کرام نے اس کثرت کے ساتھ بیویاں کیں تو معلوم ہوا کہ یہ فعل جائز بلکہ محمود تھا جان ملٹن کا مقولہ ہی۔ میں آخر میں عبرانیوں کے خط کے باب ۱۳ ورس ۴ سے اس طرح سے جواز تعدد ازواج پر استدلال کرتا ہوں کہ تعدد ازواج کی رسم یا تو نکاح جائز ہے یا فجور ہے یا زنا ہے پولوس مقدس رسول نے کوئی چوتھی صورت تسلیم نہیں کی پس میں یقین کرتا ہوں کہ اُن بہت بزرگوں کی تعظیم و توقیر کے لحاظ سے جو کثیر الازواج تھے ہر ایک شخص اسکو فجور یا زنا خیال کرنے سے باز رہیگا کیونکہ خدا حرامکاروں اور زانیوں کو سزا دیگا حالانکہ اُن بزرگوں پر خدا کی خاص نظر عنایت تھی جیسا کہ خود اُس نے فرمایا ہی پس اگر متعدد نکاح کرنا ٹھیک ٹھیک نکاح ہو تو وہی جائز ہے" اسی حواری کا قول ہی کہ وہ سب میں نکاح کرنا بھلا ہے اور بستر ناپاک نہیں" (جان ڈیون پورٹ صفحہ ۱۵۹) یہی حضرت داؤدؑ جنکے سو جوروین تھیں عیسائیوں کے نزدیک بھی ایسے ذیشان نبی ہیں کہ حضرت مسیحؑ کو فخریہ اُن کی نسل میں داخل کیا جاتا ہی اور متی اور لوقا نے اسی غرض سے نسب نامہ لکھا ہی کہ مسیحؑ کو حضرت داؤد او حضرت ابراہیمؑ کی نسل ثابت کریں اور یہی وجہ ہے کہ مسیحؑ کو ابن داؤدؑ کہا جاتا ہی۔ پادری عماد الدین ڈی ڈی ہدایت المسلمین مطبوعہ ۱۸۶۸ء میں لکھتے ہیں کہ داؤدؑ ان سب لوگوں میں انوار الٰہی کا مہبط اور دائرہ عباد کا مرکز اور سلطنت

اسرائیل کا پہلا مسیح ہے اور وہ اِس تاریکی کے عہد کا قمر بھی ہے کہ اُس کی ضیا کی کرنیں پشت اول میں ایسی نظر آتی ہیں جیسے اندھیری رات میں چاند کے نکلنے کے قریب دھندلی سی روشنی ہوا کرتی ہے اور دوسری پشت میں اُسکے انوار خوب روشن ہیں"

یہ امر بھی بیّن سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت داؤد کی کثرت ازواج خداتعالیٰ کی مرضی کے بالکل مطابق بلکہ اُس کی ایک نعمت تھی جسکا اظہار خداتعالےٰ ناتن نبی کی زبان سے اسطرح فرماتا ہے "خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا ہے کہ ہمنے تجھے مسیح کیا تا کہ اسرائیلیوں پر سلطنت کرے اور میں نے تجھے ساول کے ہاتھ سے چھڑایا اور میں نے تیرے آقا کا گھر تجھے دیا اور تیرے آقا کی جوروں کو تیری گود میں دیا اور اسرائیل اور یہودا کا گھرانا تجھکو دیا الخ" اس وجہ سے مسٹر ڈیون پورٹ لکھتا ہے" مندرجۂ ذیل فقرے دیکھنے سے معلوم ہوجائیگا کہ ایک سے زیادہ نکاحوں کو صرف خداتعالےٰ پسند ہی نہیں کرتا بلکہ برکت دینے کا وعدہ کرتا ہے" الغرض کثرت ازواج کا جائز بلکہ مستحسن ہونا انبیاء کرام کے فعل سے تو بخوبی ثابت ہوگیا اب احکامات توریت وغیرہ سے اِس کا ثبوت دیا جاتا ہے (۱) خروج کی باب ۲۱ ورس ۱۰ میں ہے "اگر وہ اپنے لئے دوسری لے تو اُس کے کھانے کپڑے اور ہمخوابی میں قاصر نہ ہووے" (۲) استثنا کے باب ۲۱ ورس ۱۵ وغیرہ میں ہے "اگر کسی مرد کے دو جوروان ہوں اور ایک محبوب اور دوسری غیر محبوب ہو اور محبوب وغیر محبوب دونوں سے لڑکے ہوں اور پہلوٹھا بیٹا غیر محبوب سے ہو تو یوں ہوگا کہ جب وہ اپنے بیٹوں پر میراث کی تقسیم کرے تو محبوب کے پہلوٹھے بیٹے کو غیر محبوبہ کے بیٹے پر جو فی الحقیقت پہلوٹھا ہے فوقیت نہ دے الخ" کتاب مذکور کے باب مذکور میں ہے "(۱۰) اور جب تو لڑائی کے لئے اپنے دشمنوں پر خروج کرے اور خداوند تیرا خدا اُن کو تیرے ہاتھوں میں گرفتار کرے اور تو اُنھیں اسیر کر لائے (۱۱) اور اُن اسیروں میں خوبصورت عورت دیکھے اور تیرا جی چاہے کہ تو اُسے اپنی جورو بنا دے (۱۲) تو تو اُسے اپنے گھر میں لا اُسکا سر مُنڈوا اور ناخن کٹوا (۱۳) تو وہ اپنا اسیری کا لباس اُتارے اور تیرے گھر میں رہے اور ایک مہینہ بھر اپنے باپ اور اپنی ماں کے سوگ میں بیٹھے بعد اُسکے تو اُس کے ساتھ خلوت کر

اور اُس کا خصم بن اور وہ میری جورو بنے" اِن احکامات سے بخوبی ثابت ہوا کہ تعدد ازدواج توریت کی رو سے جائز ہے بلکہ اخیر حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے لئے کوئی حد معین نہیں ہی جہاں تک چاہے کرے کیونکہ نہ لڑائی کی کچھ انتہا ہے نہ پسند آنے کی اور حوالۂ مذکور میں صاف حکم ہے کہ جو پسند آوے بطور معہود اُسے جورو بناوے۔ اناجیل میں تعدد ازدواج کی نسبت کوئی حکم حضرت مسیحؑ سے منقول نہیں ہے۔ کاسلس بائبل ڈکشنری کے صفحہ ۸۰۰ میں ہے "مسیحؑ سے جو سوالات یہود نے کئے تو طلاق کی بابت تھے نہ تعدد ازدواج کی بابت یہاں سے یہ قیاس ہوتا ہی کہ مسیحؑ کے وقت میں تعدد ازدواج کا رواج نہ تھا اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ موسوی شریعت میں تعدد ازدواج کی اجازت دی گئی تھی" میں کہتا ہوں کہ یہود کا سوال نہ کرنا اس امر کی کافی وجہ نہیں ہو سکتی کہ اُسوقت تعدد ازدواج کا رواج نہ ہو بلکہ سوال نہ کرنا اس وجہ سے بھی ہو سکتا ہی کہ اُس زمانے میں اس قدر رواج ہو کہ اُس میں کسی طرح کا عیب اور نقص اُنکے نزدیک نہو اور نہ اسکے جواز میں کسی کو کلام ہو طلاق کی بابت جو سوال ہوا تو اسی وجہ سے ہوا کہ علمائے یہود کا اس مسئلہ میں اختلاف تھا مسٹر ہیگنس لکھتے ہیں "لیکن میں نہیں جانتا کہ متعدد بیویوں کی اجازت کی نسبت ایسا سخت طعن کیوں کیا جاتا ہی حضرت سلیمان کی نظیر اور حضرت داؤدؑ کی نظیر پر (جو خدا کی دلی مرضی کے مطابق چلتے تھے اور جن کو خدا نے خاص اپنی شریعت کے احکام کی تعمیل کے لئے بنایا تھا) یہ امر چنداں اعتراض کے لایق نہیں ہے خصوصاً اِس وجہ سے کہ مسیحؑ کی بھی اُن ہیں انجیلوں میں سے کہ جن کو اُن کے معتقدوں کے گروہ میں سے کسی نہ کسی نے اُن کے احکام قلمبند کرنے کے واسطے تحریر کیا تھا کسی انجیل میں اسکی ممانعت نہیں ہی" (حمایت الاسلام ترجمہ اپالوجی گاڈفری ہیگنس دفعہ ۵۲) جان ملٹن تعدد ازدواج کی تائید میں بائبل کی بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھتا ہی "علاوہ اس کے خدا نے ایک تمثیلی صورت (حزقیل کے باب ۲۳) میں مسمتان اہولا اور اہولیبا سے اپنا نکاح کرنا ظاہر کیا ہے اور یہ ایک ایسا طرز بیان ہے کہ اُس کو خداوند تعالےٰ بالتخصیص بایں طوالت کے ساتھ ایک تمثیل میں بھی ہرگز اختیار نہ کرتا اور نہ درحقیقت ایسی بات کا مرتکب ہوتا اگر وہ رسم جس کی

دلالت اُس سے ہوتی ہے فی نفسہ معیوب ہوتی۔ پس جس رسم کا امتناع انجیل میں بھی کسی کو نہیں ہے وہ کیونکر معیوب اور مذموم خیال کی جا سکتی ہے" (دیکھو لائف مولفہ جان ڈیون پورٹ صفحہ ۱۵۸) اِن علمائے مسیحیہ کے اقوال سے ثابت ہو گیا کہ انجیل میں تعدد ازدواج کو منع نہیں کیا البتہ اس امر میں اختلاف ہی کہ پولوس مقدس کے کلام سے جواز تعدد ازدواج ثابت ہوتا ہی یا نہیں مگر جس وقت اول طمطاؤس کے باب ۳ کو بنظر انصاف دیکھا جائے تو بلا شک ثابت ہوتا ہے کہ پولوس بھی تعدد ازواج کو ممنوع نہیں کہتا بلکہ اُسے جائز بتاتا ہے اُسکی عبارت یہ ہے "جو کوئی کلیسیا کی نگھبانی کی آرزو رکھتا ہے تو اچھا کام چاہتا ہے پس چاہیے کہ نگھبان بے عیب ہو ایک جورو کا شوہر پرہیزگار صاحب تمیز شائستہ مسافر دوست تعلیم دینے میں قابل ہو الخ" اور نامہ طیطس کے باب ۱ ورس ۶ میں ہے "اگر کوئی آدمی بے الزام ہو اور ایک ہی جورو رکھتا ہو اور اُسکے لڑکے ایماندار ہوں الخ" اِن دو مقاموں سے تعدد ازدواج کا ثبوت دو طرح سے ہوتا ہی ایک یہ کہ ایک جورو کی قید خاص کلیسیا کے نگھبان کے لئے لگائی ہے اِس سے صاف ظاہر ہوتا ہی کہ اوروں کے لئے یہ قید نہیں ہے۔ فاضل جان ملٹن بھی اس ورس سے اِسی طرح تعدد ازواج پر استدلال کرتا ہی (دیکھو جان ڈیون پورٹ کی کتاب کا صفحہ ۱۵۸) دوسرے یہ کہ اِس طرز کلام سے یہ پایا جاتا ہی کہ اُس وقت تعدد ازدواج کا رواج تھا کیونکہ اگر رواج نہوتا تو اس قید لگانے کی حاجت نہوتی پس جب باوجود رواج کے نہ حضرت مسیح نے اِسے روکا نہ کسی حواری نے تو معلوم ہوا کہ جو حکم توریت کا تھا وہی قایم رکھا اور اس مقام پر جو پولوس نے پادری کے لئے ایک جورو کا حکم کیا ہی یہ بھی کوئی حکم وجوبی اور ضروری نہیں معلوم ہوتا بلکہ اِس مصلحت سے ہے کہ زیادہ جوروؤں والا کلیسیا کا کام بخوبی نہ دیکھے گا یہ ایسا ہی ہے جیسا توریت میں خاص بادشاہ کے لئے بہت جوروئیں کرنے کو منع کیا ہی چنانچہ استثنا کے باب ۱۷ ورس ۱۵ میں ہے "تو اُسے بھائیوں میں سے ایک کو اپنے اوپر بادشاہ کیجیو اور کسی اجنبی کو جو تیرا بھائی نہیں اپنے اوپر بادشاہ قایم نہ کرنا پس اُسے لازم ہی کہ اپنے لئے گھوڑے جمع نہ کرے اور نہ وہ اپنے لئے بہت جوروواں کرے تا یہ نہو کہ اس کا دل پھر جائے"

باوجود اس حکم کے حضرت داؤد نے جو سو بیویاں تک کیں مگر اللہ تعالے نے اپنی ناخوشی اس فعل پر ظاہر نہیں کی بلکہ حضرت داؤد ہمیشہ مورد عنایت الہٰی رہے البتہ ایک مرتبہ جو زن اوریا کو خلاف حکم شریعت کے بیوی بنایا تھا تو خدا تعالے نے ناتن نبی کے ذریعے سے بہت کچھ اپنی ناخوشی ظاہر کی اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر مطلقاً زیادہ بیویاں کرنا خلاف حکم توریت ہوتا تو علاوہ زن اوریا کے مطلقاً زیادتی پر خدا تعالے اپنی ناخوشی ظاہر کرتا مگر ایسا نہیں کیا بلکہ زیادہ بیویوں کو اپنی نعمت قرار دی ہے چنانچہ اوپر گذرا اس سے معلوم ہوا کہ توریت کا وہ حکم بادشاہ کے لئے صرف مصلحت کی غرض سے تھا یعنی ایسا نہو کہ کثرت ازواج سے انتظام میں خلل پڑے اور پورے طور پر انصاف کے لئے فرصت نہ ملے اور اگر کوئی شخص باوجود کثرت ازواج کے پورے طور پر انصاف کر سکے تو اُسکے لئے منع نہیں ہے اسی پر پولوس کے حکم کو قیاس کرنا چاہئے۔ الغرض شریعت موسوی اور عیسوی دونوں میں تعدد ازواج کو نہ منع کیا ہے نہ اس کیلئے کوئی حد معین کی ہے البتہ پولوس نے خاص کلیسیا کے نگہبان کے لئے تعدد کو منع کیا ہے اور وہ منع کرنا بھی وجوبی نہیں معلوم ہوتا اس بیان سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ پادری صاحب کا وہ قول محض غلط ہے جو صفحہ ۲۸۰ میں لکھا ہے کہ توریت میں بنظر کاملیت اُس قوم کے صرف اسقدر حکم ہوا تھا کہ بہت جوروان نہ کیا کرو انجیل میں قطعی ممانعت فرمائی کہ ایک جورو سے زیادہ ممنوع اور نامشروع ہے۔

مجھے سخت حیرت ہے کہ پادری صاحب کس بیباکی کے ساتھ ایسے صریح غلط امر کو خدا کی کتاب سے منسوب کر دیتے ہیں جسکا اُس میں نشان بھی نہیں ہے کیا حق گوئی کا مقتضا یہی ہے کہ ایسی غلط باتیں بیان کر کے خدا کی سچی کتاب پر الزام لگایا جائے۔ پھر کیا پادری صاحب اس ممانعت کو توریت و انجیل سے نکال سکتے ہیں ہرگز نہیں ہرگز نہیں ہاں اگر بعض تراجم نے اُنھیں دھوکے میں ڈالا ہو تو عجب نہیں کیونکہ اوّل قرنتیون کا باب ۷ ورس ۲ نسخہ اُردو مطبوعہ سیرام پور ۱۸۲۹ء میں اس طرح ہے "لیکن حرام سے بچ رہنے کو ہر ایک مرد ایک جورو اور ہر ایک عورت ایک خصم کرے" مگر یہ ترجمہ بالکل غلط ہے صحیح ترجمہ یہ ہے لیکن حرامکاری سے بچ رہنے کو ہر مرد اپنی جورو اور ہر عورت اپنا

اپنا خصم رکھے،، دیکھو نسخہ بائبل اُردو مطبوعہ مرزا پور سنہ ۱۸۷۰ء اور ترجمہ انگریزی مطبوعہ اکسفورڈ سنہ ۱۸۳۱ء وغیرہ میں بھی اسی طرح ہی غرضکہ اِس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جسوقت شریعت موسوی اور عیسوی کو دیکھا جاتا ہی تو تعدد ازدواج کا جواز بلاتعیین وتقیید پایا جاتا ہی اور جب اُس مُلک کے رواج پر نظر ڈالی جاتی ہے جس میں آفتاب رسالت آخری نے طلوع کیا تھا تو اُس سے بھی بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ یہ رسم نہایت زور شور سے جاری تھی اور بھیڑ بکریوں سے بھی بدتر وہاں کی عورتوں کی حالت تھی اُسوقت شریعت محمدیہ نے ایسا نافع اور عمدہ حکم دیا جو انسان کی اقتضای فطری کے موافق اور مرد وعورت دونوں کی حالت کے مطابق ہے وہ یہ کہ پہلی شریعت اور اُس وقت کے رواج نے جو بلاحصر وتعیین جواز تعدد کا فتوے دے رکھا تھا اول تو اُسے چار میں محدود کر دیا مگر اِس جواز میں بھی عدل کی ایک سخت قید لگا دی یعنی چار کا جواز اُسوقت ہے کہ ہر ایک امر میں اُن بیویوں کو یہ مرد برابر رکھے پھر فرمایا کہ فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ یعنی اگر تمہیں عدل نہ کرنے کا خوف ہو تو صرف ایک ہی سے نکاح کرو پس اس قانون کے بموجب پابند شریعت دوسرے نکاح پر بلاضرورت ہرگز جراٴت نہیں کر سکتا کیونکہ عدل کی سختی انسان اُسی وقت اُٹھائیگا کہ ضرورت کی وجہ سے مجبور ہو جائیگا جو کوئی اس حکم میں بنظر انصاف غور کریگا وہ جان لیگا کہ بیشک یہ سچا حکم اُسی کا ہے جس نے مرد اور عورت کا جوڑا بنایا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ تعدد ازدواج کو غیر محدود چھوڑ دینا جیساکہ شریعت موسوی میں کیا گیا اور اسی طرح تعدد کو مطلقاً ناجائز قرار دینا حدِ اعتدال سے خارج ہے تعدد کے غیر محدود چھوڑ دینے میں تو عورتوں پر زیادتی ہی اور اُسکے مطلقاً ناجائز قرار دینے سے مرد کی حق تلفی ہی خصوصاً اُس حالت میں کہ طلاق دینا بجز وقوع زنا کے بالکل ممنوع ہو جیساکہ شریعت عیسوی میں ہی۔ اگر اتفاقاً بیوی بانجھ ہے اور خاوند کو اولاد کی خواہش ہے یا بوجہ بیماری یا حالت پیدائشی کے عورت صحبت کے لائق نہیں یا عورت نہایت ضعیف ہی اور مرد نہایت قوی تو میں دریافت کرتا ہوں کہ شریعت عیسوی اِن مجبوری حالتوں میں مرد کے لئے کیا حکم دیتی ہی یہ امر تو معلوم ہو لیا ہے کہ اِن وجوہ سے وہ عورت کو علیحدہ نہیں کر سکتا کیونکہ عیسائیوں کے نزدیک اُسے

طلاق دینا بالکل ممنوع ہو اب اگر باوجود اس بیوی کی پوری خبرگیری رکھنے کے دوسرے نکاح کی بھی ممانعت ہو تو پہلی صورت میں اس شخص کو اُس عمدہ مقصد سے محروم رکھنے کے علاوہ جسکی وجہ سے افزائش عالم اور بقائے نام و نشان مقصود ہے گویا یہ حکم کرنا ہے کہ تو ہمیشہ اپنے تخم کو بنجر زمین میں کاشت کرکے ضائع کیا کر اور دوسری صورتوں میں اُسے ہلاکت میں ڈالنا یا زنا پر مجبور کرنا ہوگا۔ ناظرین غور فرمائیں کہ شریعت عیسوی کے بموجب کیسی دشواری ہے کہ نہ تو اُس بیوی کو چھوڑ کر دوسری سے حصول مدعا کر سکتا ہے اور نہ اُسے رکھکر فائدہ اُٹھا سکتا ہے پھر کیا اُس ارحم الراحمین کے احکام ایسے ہو سکتے ہیں کہ انسان اپنے مقاصد سے محروم رہکر ہلاکت میں پڑے۔ ہرگز نہیں لہٰذا اس بارے میں سچا اور کامل حکم وہی ہے جو شریعت محمدیہ میں ہے جس کی وجہ سے یہ شخص اپنے اُس محکم رشتہ کو قایم رکھکر جو اس کے اور بیوی کے درمیان ہے اپنے واجبی مطلب کو حاصل کر سکتا ہے اور چونکہ دوسری بیوی کرنے کے لئے عدالت کی قید لگی ہوئی ہے اسلئے کوئی امر حسن معاشرت کے خلاف بھی ظہور میں نہیں آسکتا یعنی شریعت کا پابند ہو کر کوئی شخص ایسے امر کا مرتکب نہیں ہو سکتا جو حسن معاشرت کے خلاف ہو الغرض چار جوروؤں کی اجازت پر جو پادری صاحب نے صفحہ ۲۸۳ میں طعن کیا تھا اُسکی بنیاد محض نافہمی تھی اب ایک دوسرا طعن اُسی صفحہ میں پادری صاحب کا یہ ہے وہ پیغمبر محمد صاحب کو اور مسلمانوں سے الگ حکم ملا کہ چار جوروؤں کی بھی قید نہیں بلکہ جتنی چاہیں کرلیں“ اس کا تفصیلی جواب تو میں نے دفع التلبیسات میں دیا ہے مگر کچھ مختصر طور سے یہاں بھی بیان کرتا ہوں حضرت سرور انبیا کو کہیں علیحدہ چار سے زیادہ بیویاں کرنے کا حکم نہیں ملا یہ آپکی غلط فہمی ہے حقیقت حال یہ ہے کہ حسب دستور عرب (جو شرائع سابقہ کے بالکل مطابق تھا) آنحضرتؐ نے بھی متعدد نکاح کئے تھے جب مشیت ایزدی اس حکم کی ترمیم کی طرف متوجہ ہوئی اُسوقت اُمت محمدیہ کو تو یہ حکم ہوا کہ چار بیویوں تک کی تمھیں اجازت ہے بشرطیکہ اُنکے ساتھ یکساں برتاؤ کر سکو اور اگر نہ کر سکو تو ایک سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے۔ اور حضرت سرور انبیاء کو یہ ارشاد ہوا لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ الآیۃ یعنی بعد اُن بیویوں کے جو کر چکے اب تمھارے لئے کوئی عورت حلال نہیں ہے تمھیں

یہ جائز ہے کہ اُن کی جگہ دوسری عورتوں کو بدل لو اگرچہ تمھیں اُن کی خوبی پسند آوے (احزاب)
بنظر انصاف غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ یہ حکم بہ نسبت پہلے حکم کے سخت ہے کیونکہ پہلے حکم میں بوقت
ضرورت طلاق دیکر دوسری عورت سے نکاح کرنے کی اجازت ہے اور اس حکم میں قطعاً
ممانعت ہے اور صاف ظاہر ہے کہ بدلنے کی اجازت نہونا ہوائے نفسانی کے سخت مخالف ہے۔
اس کے علاوہ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو چار سے زیادہ بیوی کرنیکی
اجازت ہو تو عیسائیوں کو محل طعن نہیں ہو سکتا کیونکہ فی نفسہ نکاح نہ کرنا یا ایک ہی بیوی پر کفایت
کرنا اُس شخص کی پارسائی اور عالی مرتبہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی دیکھو بہت سے مہنت اور گسائیں
دریا کنارے بیٹھے رہتے ہیں جو بسبب نکاح نہ کرنے کے اپنے معتقدین میں پجتے ہیں اور جنکے روبرو سیکڑوں
حسینان مہ جبین آکر ڈنڈوت کرتی ہیں اور گسائیں صاحب کو اپنا حاجت روا جانتی ہیں پھر کیا یہ
لوگ نکاح نہ کرنے سے پارسا اور عالی مرتبہ ہو گئے۔ اسی طرح زیادہ بیویاں کرنا بنفسہ خلاف پارسائی یا
لایق طعن نہیں ہو سکتا دیکھو انبیائے سابقین خصوصاً حضرت داؤدؑ کو کہ باوجود سو بیویاں کرنے
کے بہت سے اُن انبیا سے عالی مرتبہ تھے جنکے ایک یا دو بیویاں تھیں چنانچہ اُنکے مرتبہ کا ذکر
اوپر گذرا پس انبیائے سابقین نے موافق مرضی خدا تعالےٰ کے یہ فعل کیا تو حضرت سرور انبیاء
محمد مصطفےٰؐ بھی اُسی زمرے میں ہیں ان کے لئے کوئی نئی اجازت کی ضرورت نہیں ہے وہی انبیائے
سابقین کی اجازت کافی ہے جب سو بیویوں کا کرنا منصب نبوت کے خلاف نہیں ہو سکتا تو
نو ۹ بیویوں کا کرنا کس طرح منصب نبوّت کے خلاف اور قابل طعن ہو جائیگا ذرا انصاف کرنا چاہیئے
اس کے بعد پادری صاحب متعہ پر طعن کرتے ہیں اور لکھتے ہیں "اور پھر محمدؐ صاحب کے زمانے میں
حجۃ الوداع تک جسکے چند ہی دنوں کے بعد اُنھوں نے انتقال کیا متعہ مشروع تھا اب سنی کہتے ہیں
کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا اور شیعوں کے نزدیک بدستور مشروع ہے بہرحال خواہ وہ حکم منسوخ ہوا یا نہیں لیکن ایسا
حکم شریعت محمدیہ میں ہوا۔ اسکا مختصر جواب یہ ہے کہ متعہ کا جواز تو قرآن مجید سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ
کئی مقام سے اس کا حرام ہونا اظہر من الشمس ہوتا ہے اب اگر احادیث سے اس کا ثبوت ہوتا ہو

تو عیسائیوں کو اُس پر اعتراض کرنا ہرگز نہیں پہنچتا کیونکہ جب کبھی اہل اسلام کسی مقام پر ایسی حدیث پیش کرتے ہیں جو اُن کے نزدیک قرآن شریف کے مخالف ہی تو صرف یہ کہکر الگ ہو جاتے ہیں کہ یہ حدیث مخالف قرآن ہی اسلئے ماننے کے لایق نہیں ہی چنانچہ جب معجزات نبوی جو احادیث میں مذکور ہیں اُنکے روبرو پیش کئے جاتے ہیں تو صاف کہدیتے ہیں کہ یہ احادیث قرآن مجید کے مخالف ہیں کیونکہ قرآن میں کہیں معجزات کا ذکر نہیں ہی بلکہ نفی مذکور ہے اسلئے قبول کے لایق نہیں ہیں قطع نظر اسکے کہ معجزات کے بارے میں یہ بیان محض غلط ہی میں اہل انصاف کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ اگر اس وجہ سے معجزات کو نہ ماننا تحقیق اور حقانیت کی راہ سے ہی تو متعہ پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہی کیا متعہ کا ثبوت قرآن مجید سے ہوتا ہی۔ ہرگز نہیں۔ کیا ایسی آیتیں قرآن مجید میں نہیں ہیں جن سے صاف صاف متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہی بیشک ہیں (دیکھو ارغام الشیاطین وغیرہ) غرضکہ مقتضائے حقانیت یہ ہے کہ اگر احادیث کو مخالفت کے عذر سے نہیں مانتے ہو تو کہیں نہ مانو یہ کیا کہ اگر مدعا کے موافق ہو تو مان لیں اور جو مخالف ہو تو نہ مانیں خیر یہ تو عیسائیوں کی ہٹ دھرمی کا بیان تھا اب میں اس کی اصلیت بیان کرکے جواب دینا چاہتا ہوں یہ امر تو معلوم ہو لیا کہ قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہی اب رہے احادیث و آثار وہ اس باب میں مختلف ہیں جن روایات سے اس کا ثبوت ہوتا ہی انکا مدعا اسقدر ہی کہ آنحضرت نے قبل نزول حرمت وقت خاص میں حسب رواج عرب اجازت دیدی تھی اُسکی صورت یہ ہوئی کہ ایک لڑائی میں اکثر جوان صحابہ کو گھر چھوڑے عرصہ ہو گیا تھا اسوجہ سے اُنھیں عورت کے پاس جانے کی خواہش پیدا ہوئی اور ظاہر ہے کہ گرم ملک والوں کو اس کا ضبط دشوار ہی اسلئے اُنھوں نے آکر آنحضرت سے استفسار کیا کہ ہم خصی ہو جائیں یعنی عضو مخصوص کو کاٹ ڈالیں آپنے منع فرمایا اہل انصاف دریافت کر سکتے ہیں کہ جن لوگوں نے آکر یہ سوال کیا تھا وہ اپنی حالت میں کیسے مجبور رہوں گے کیونکہ اپنے کسی عضو کے کاٹ ڈالنے پر راضی ہو جانا بغیر حالت مجبوری کے نہیں ہو سکتا جب ان کی اس حالت کو دیکھا جائے اور یہ بھی خیال کیا جائے کہ تھوڑا عرصہ ہوا ہی کہ ان لوگوں میں زنا صرف رائج ہی نہیں تھا بلکہ اکثر اوقات اسپر فخر کیا جاتا تھا تو بطور مصلحت متعہ کی اجازت

دیدینا کسی طرح اعتراض کے لائق نہیں ہے کیونکہ شریعت محمدیہ نے ملک عرب کے سخت لوگوں
کی یکبارگی اصلاح مناسب نہیں سمجھی بلکہ آہستہ آہستہ اُن سے بُری عادتیں چھوڑائیں اور دین
کو کامل کیا متعہ کا بھی اُس ملک میں رواج تھا مشیت ایزدی نے ابتدا ہی میں اس رواج کا
موقوف کردینا مناسب نہیں جانا بلکہ جب اہل اسلام اپنے مذہب میں کامل ہو گئے اُسوقت
اِس کی ممانعت کا قطعی حکم دیا چنانچہ ابن ابی عمرہ کہتے ہیں انہا کانت رخصة فی اول الاسلام
لمن اضطر الیہا کالمیتة والدم ولحم الخنزیر ثم احکم اللہ الدین ونہی عنہا (مسلم) یعنی اول اسلام
میں متعہ کی رخصت اُس کے لئے تھی جو اُس کے کرنے پر مضطر ہوجائے جیسے بعض وقت انسان
بھوک کی وجہ سے مضطر ہوجاتا ہے اور اُسے مردار اور خون اور سور کے گوشت کھانے کی اجازت
دیدیجاتی ہے تاکہ اُسکی جان تلف نہو جائے پھر جب اللہ نے دین کو محکم اور کامل کردیا اُسوقت متعہ کو
حرام کردیا اب کسی منصف کے نزدیک یہ اجازت لایق طعن نہیں ہوسکتی بہت سے احکام اخلاقی
ایسے ہیں جو انبیائے سابقین کے وقت میں جائز تھے اور بعد کو منع کردئے گئے مثلاً حضرت آدم کے
وقت میں بہن بھائی میں نکاح درست تھا حضرت ابراہیمؑ کے وقت میں علاتی بہن کے ساتھ نکاح جائز
تھا اسیوجہ سے سارہ باوجودیکہ حضرت ابراہیمؑ کی علاتی بہن تھیں مگر اُن کے نکاح میں آئیں اور حضرت یعقوب
نے دو بہنوں کو جمع کیا تھا حالانکہ حضرت موسیٰ ہی کے وقت میں یہ سب نکاح باطل قرار پائے اور زنا
میں شمار کئے گئے اب اگر کوئی شخص کہے کہ اگرچہ بعد کو یہ احکام منسوخ کئے گئے مگر شریعت الٰہیہ میں کیونکر
ایسے احکام ہوئے پھر اِسکا جواب پادری صاحب بجز اس کے کیا دینگے کہ خدا تعالیٰ نے رفتہ رفتہ اپنی
شریعت کو کامل کیا اور حسب مقتضائے وقت احکام کو نازل فرمایا اور اگر پادری صاحب کو یہ شبہہ ہو کہ
یہ احکام نزول شریعت سے پہلے تھے کیونکہ توریت حضرت ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کے بعد نازل ہوئی ہے تو اسکا
جواب یہ ہے کہ یہ احکام گرچہ نزول توریت سے پہلے ہیں مگر نزول شریعت الٰہی سے پہلے نہیں ہیں کیونکہ جب سے
انبیا بھیجے گئے اُسیوقت سے شریعت الٰہی بھی نازل ہوئی جو احکام حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ وغیرہما
کو الہام کئے گئے وہی شریعت الٰہی تھے شریعت الٰہی کچھ نزول توریت پر موقوف نہیں ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اگر حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا نکاح شریعت الٰہی کے مطابق نہ مانا جائے
تو ناجائز ٹھہرے گا اور تمام انبیاء بنی اسرائیل حتےٰ کہ حضرت مسیح پر بھی جو کچھ عیب لگیگا اُسکے بیان کی حاجت
نہیں ہے کیونکہ یہ سب انبیا انھیں حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب کی اولاد میں ہیں جنکے نکاح کو ناروا اور
خلاف شریعت الٰہی مانا گیا ہے مگر کوئی ایمان والا ان بزرگوں کی نسبت ایسا بیجا خیال نہیں کر سکتا
بلکہ بے تامل ہر فہمیدہ یہی کہیگا کہ یہ نکاح بلاشک عقد صحیح اور مطابق مرضی الٰہی کے تھا۔ الغرض یہ
امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ جس فعل کو اسوقت نہایت ناپاک اور مثل زنا کہا جاتا ہے وہ کسی وقت خدا کی
مرضی کے مطابق اور جائز تھا پھر متعہ کی اجازت پر پادری صاحب کیا اعتراض کرتے ہیں کیا بہن سے
ہمعصیت ہونے کی بُرائی متعہ کی بُرائی سے کچھ کم ہے ہر خاص و عام اسکو جانتا ہے کہ زنا اگرچہ ہر حال میں بُری
چیز ہے مگر بہن سے یہ فعل کرنا نہایت ہی بُرا ہے پس جب اس کے جواز کو پادری صاحب قابل طعن نہیں سمجھتے
تو متعہ کا جواز ایک وقت میں بطریق اولیٰ قابل طعن نہیں ہو سکتا۔

مجھے حیرت ہے کہ پادری صاحب متعہ پر تو طعن کرتے ہیں جسکی ابتدا میں بعض مصلحت مذکورہ کی وجہ سے
اجازت دی گئی تھی اور اپنے یہاں اُن باتوں پر خیال نہیں کرتے جو پرائی عورتوں کو راہ میں سے
زبردستی پکڑ کر جورو بنانے کی اجازت دی گئی ہے کتاب قاضی کے باب ۲۰ و ۲۱ ملاحظہ کیجیے مختصر کیفیت
اُس کی یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے اول تو خدا کے حکم سے اپنے بھائی بنیامین کو مار کر تباہ کیا یہاں تک کہ
عورتیں اُن کی سب ماری گئیں بعد ازاں ان کا تباہ حال دیکھکر انھیں رحم آیا اور خیال کیا کہ
بنی اسرائیل کا ایک فرقہ نیست و نابود ہوا جاتا ہے اب اُنکے لئے عورتیں کہاں سے لائیں کیونکہ اُنھوں نے قسم
کھائی تھی کہ ہم اُنھیں بیٹیاں نہ دینگے یہ غرض حاصل کرنے کے لئے پہلے تو اُنھوں نے یبیس جلعاد کے
باشندوں کو تہ تیغ کیا اور چار سو کنواری عورتیں وہاں سے ملیں اُنھیں لاکر بنی بنیامین کو دیدیا
مگر اُس قدر عورتیں اُن کے لئے کافی نہیں ہوئیں تب جماعت کے بزرگ بولے کہ اُنکے لئے جو بچ
رہے ہیں جوروؤں کی کیا فکر کریں کہ بنی بنیامین کی ساری عورتیں ماری گئیں اور ہم اپنی بیٹیوں میں
سے تو دے نہیں سکتے کیونکہ ہم قسم کھا چکے ہیں تب اُنھوں نے کہا کہ دیکھو سیلا میں

سال بسال خداوند کی عید لوگ کرتے ہیں تب اُنھوں نے بنی بنیامین کو حکم کیا کہ جاؤ اور انگوری باغوں کے درمیان گھات میں لگو اور انتظار کرو اور دیکھو کہ جب سیلا کی بیٹیاں طبلے اور دف لیکے ناچتی ہوئی نکلیں تب تم انگوری باغوں میں سے نکل کے سیلا کی بیٹیوں میں سے ایک ایک اپنے لئے جورو لے لو اور بنیامین کے ملک کو لئے چلے جاؤ اور جب اُن کے باپ یا بھائی ہم پاس آکے فریاد کرینگے تو ہم اُنھیں کہدیں گے کہ اُن پر ہماری خاطر مہربانی کیجئے کیونکہ اُس لڑائی میں ہمنے ایک ایک کے لئے ایک جورو بچا نہ رکھی اور تمنے اُنھیں اب آپسے نہ دین نہیں تو تم گنہگار ہوتے غرض بنی بنیامین نے ایسا ہی کیا الخ (قاضیوں کا باب ۲۱) یہ بزرگ جنھوں نے پرائی بیٹیوں کو زبردستی پکڑ لانے کا حکم دیا تھا وہ ہیں جن سے خدا ہمکلام ہوتا تھا چنانچہ کتاب مذکور کے باب ۲۰ سے ظاہر ہے اسلیئے بالضرور یہ حکم خدا کی مرضی کے مطابق تھا ورنہ خدا تعالےٰ اپنی ناخوشی ضرور ظاہر کرتا جیسا اُسوقت معمول تھا کہ جب کوئی امر خلاف مرضی بنی اسرائیل سے ہو جاتا تھا تو خدا تعالیٰ کی تنبیہ ئیں ضرور ہوتی تھی تمام عہد عتیق اس سے مالامال ہے غرضکہ پادری صاحب کو چاہیئے کہ اِن احکام کو ملاحظہ کریں کیا متعہ کا حکم زبردستی پرائی لڑکیوں کے جورو بنانے سے بھی بدتر ہے جو اسپر اعتراض کیا جاتا ہے اور عہد عتیق کے احکام کو آنکھ بند کرکے منجانب اللہ کہا جاتا ہے اس سے زیادہ اور کیا اندھیر ہوگا۔ وائے بر نا انصافی ایشاں اور پادری صاحب کا یہ کہنا کہ حجۃ الوداع تک متعہ کی اجازت رہی ہے صحیح نہیں ہے چنانچہ قاضی عیاض اسکی تصریح کرتے ہیں قال و ذکر الروایۃ باباحتہا یوم حجۃ الوداع خطاء لانہ لم یکن یومئذ ضرورۃ ولا عزوبۃ واکثرہم حجوا مع نسائہم والصحیح ان الذی جری فی حجۃ الوداع مجرد النہی کما جاء فی غیر روایۃ ویکون تجدیدہ صلے اللہ علیہ وسلم النہی عنہا لاجتماع الناس ولیبلغ الشاہد الغائب ولتمام الدین وتقرر الشریعۃ الخ صحیح قول یہ ہے کہ خیبر کے دن متعہ کی حرمت کا قطعی حکم دیا گیا چنانچہ حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں نہی عن نکاح المتعۃ یوم خیبر یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے روز نکاح متعہ سے منع کیا جیسا کہ مسلم وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ الغرض اس مقام پر بیس احکام شریعت محمدیہ کے تیرہ تعلیمات کے ضمن میں بیان کئے گئے اس سے

کئی باتیں ثابت ہوئیں اوّل تو اُس امر کی بخوبی تصدیق ہوگئی جو اس کتاب کے پہلے مقدمہ میں بیان
کیا گیا ہے کہ قرآن وحدیث ہدایات کتب سابقہ پر مشتمل ہے۔ دوسرے یہ کہ شریعت محمدیہ بدیوت
الٰہی کے بالکل مطابق بلکہ اُسکے متمم اور مکمل ہے اور حضرت سرور انبیا علیہ الصلوٰۃ والثنا کا یہ کہنا کہ میں
اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کو پورا کروں نہایت صحیح ہے۔ تیسرے یہ کہ پادری صاحب نے
جو اپنی کتاب کے صفحہ ۲۷۹ وغیرہ میں چند اخلاقی امور میں انجیل کو مکمل توریت بتایا تھا اور قرآن
وحدیث کی بعض تعلیمات پر طعن کیا تھا وہ محض اُن کی غلط فہمی تھی بیان سابق کو دیکھکر کوئی منصف اسکا
انکار نہیں کرسکتا کہ قرآن وحدیث توریت وانجیل کے مکمل ہیں چوتھے یہ کہ پادری ٹھاکرداس صاحب نے
جو عدم ضرورت قرآن میں احکام قرآن مجید اور بیبل کا مقابلہ کیا ہے اُس میں کم مایگی کے علاوہ
بد دیانتی کو بھی صرف کیا ہے جس تعلیم کو وہ ندارد بتاتے ہیں وہ قرآن مجید میں نہایت تصریح و
تاکید کے ساتھ موجود ہے بعض آیات کو بے موقع نقل کیا ہے جن آیتوں کو اس موقع پر نقل کرنا
چاہیے تھا اُن کو نقل نہیں کیا۔ اس تمام بیان سے صرف یہی امر ثابت نہیں ہوتا کہ شریعت محمدیہ
کے احکام فروعی اعلیٰ و افضل اور بالکل مطابق فطرت الٰہی کے ہیں بلکہ یہ بھی بخوبی ظاہر ہوتا
ہے کہ اصول شریعت محمدیہ بھی ایسے سچے اور پسندیدہ ہیں کہ ہر ایک عاقل اُنھیں نہایت
خندہ پیشانی سے قبول کرسکتا ہے بخلاف عیسائیوں کے اصول کے کہ اُنھیں ہرگز ہرگز عقل سلیم قبول
نہیں کرتی اُن اصول کا مطلب اور اُن کی کیفیت خود شہادت دے رہی ہے کہ ایسے اصول شریعت
حقہ کے نہیں ہوسکتے اِس کی توضیح کے لئے اسباب اختلاف کا شروع اور ضمیمہ تکمیل الادیان ملاحظہ کرنا چاہیے
بھلا وہ مذہب حق ہوسکتا ہے جسکے اصول یہ ہوں کہ خدا ایک ہی ہے اور تین بھی ہیں ایک تین ہیں
اور تین ایک ہیں باپ خدا بیٹا خدا روح القدس خدا یہ کھلے کھلے تین ہوکر پھر ایک ہی خدا ہی گویا
خدا نے ایک گورکھ دھندا بنا رکھا ہے اور پھر وہ خدا اپنے بندوں کو نجات نہ دے سکا اسلئے اُسنے
انسان کی جون میں جنم لیا یعنی وہ ذات غیر محدود ایک خاکی پنجرے میں آکر بند ہوگئی اور بندوں کے
گناہ اپنے اوپر لیا اُس کی سزا بھگتنے کے لئے جہنم کو سدھارے۔ یہ عیسائیوں کے اصول

ہیں جنپر حقیقت کا دم بھرا جاتا ہی۔ اب ناظرین خود انصاف فرما سکتے ہیں کہ یہ اصول کیسے ہیں انھیں
اصول کے ناکارہ ہونے سے انگلنڈ وغیرہ میں اکثر اہل تثلیث اپنا مسلک چھوڑ کر یونی ٹیرین اور
تھیسٹ وغیرہ مذہب اختیار کرتے جاتے ہیں اور مذہب اسلام کی خوبیوں پر اکثر اہل یورپ
کو اتفاق ہوتا جاتا ہے بعد وتثلیث تین قول میں یہاں نقل کرتا ہوں اوّل آنریبل سر ولیم میور
صاحب اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں لکھتے ہیں ''ہم بلا تامل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام
نے ہمیشہ کے واسطے اکثر توہمات باطلہ کو کالعدم کر دیا اسلام کے صدای جنگ کے روبرو بت پرستی
موقوف ہوگئی (یہ بھی کہنا چاہئے کہ بت پرستی کی برائی بیان کرکے ایسی عمدہ تعلیم کی کہ لوگ خود بخود
بت پرستی چھوڑ کر خدا پرست ہوگئے) اور خدا کی وحدانیت اور غیر محدود کمالات اور قدرت کاملہ
کا مسئلہ حضرت محمدؐ کے معتقدوں کے دلوں اور جانوں میں ایسا ہی زندہ اصول ہوگیا ہے
جیسے خاص حضرت محمدؐ کے دل میں تھا (یہ عمدگی تعلیم کا اثر ہے) مذہب اسلام کی پہلی بات
جو خاص اسلام کے معنی میں ہے یہ ہے کہ خدا کی مرضی پر توکل مطلق کرنا چاہئے بلحاظ معاشرت
کے بھی اسلام میں کچھ کم خوبیاں نہیں ہیں چنانچہ مذہب اسلام میں یہ ہدایت ہی کہ سب مسلمان آپس میں
برادرانہ محبت رکھیں یتیموں کے ساتھ سلوک کریں غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش
آئیں نشہ کی چیزوں کی ممانعت ہے۔ مذہب اسلام اس بات پر فخر کرسکتا ہی کہ اس میں پرہیزگاری
کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا'' واویلا اُن عیسائیوں پر جو مذہب
اسلام میں عیاشی کی تعلیم بتاتے ہیں وہ ذرا اپنے منصف مزاج برادروں کے قول کو ملاحظہ کریں
دوم مسٹر ہیگنس اپنی کتاب کی دفعہ ۵۲ میں لکھتے ہیں ''عیسائی مذہب میں اخلاق کا کوئی ایسا
مسئلہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم میں نہ پایا جاتا ہو'' اور پھر دفعہ ۵۳ میں لکھتے ہیں ''کوئی حکیم شاید
یہ گمان کرسکتا ہے کہ جب محمدؐ عمدہ مسائل اخلاقیہ دین عیسوی سے مستفید ہو رہے تھے تو اپنی
دانائی سے صرف اُس کی خوبی ہی کو اخذ نہیں کیا بلکہ برائی کو چھوڑ کر اخلاق کو اختیار کیا'' اور
دفعہ ۵۶ میں لکھتے ہیں جب بہت سے طول طویل اور عسیر الفہم عیسائی مذہبوں پر خیال کیا جاتا ہے

تو شاید ایک حکیم دین اسلام کی خوبی اور سادگی اور سریع الفہم ہونے اور بے تکلفی پر آہ کرکے پچھتا دے کہ میرا مذہب ایسا کیوں نہ ہوا" سوم لندن کے کوارٹرلی ریویو نمبر ۲۹۵ بابت ماہ اکتوبر ۱۸۷۹ء میں جو ایک آرٹیکل اسلام کے نام سے لکھا گیا ہے قابل ملاحظہ ہے اُس میں لکھا ہے کہ "ادھر تو گوئٹیا اور کارلئل اور اُس طرف جماعت محققین جدید مثل اسپرنگر اور ماربی اور نولڈیک اور میور اور دوزی نے تمام جہان پر یہ بات ثابت کی ہے کہ اسلام ایک زندگی بخشنے والی چیز ہے ہزاروں فائدہ مند جوہروں سے بھرا ہوا ہے اور یہ کہ محمدؐ نے مروت کی سنہری کتاب میں اپنے لئے جگہ حاصل کی ہے" غرضکہ بہت اہل یورپ نے اسلام کی تعریف میں عمدہ عمدہ فقرے لکھے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے ذہن میں اسلام کی کمال وقعت سمائی ہوئی ہے اب پادری صاحب ذرا ان اقوال کو بنظر انصاف ملاحظہ کریں کہ باوجود عیسائی ہونے کے تعلیم اسلام کی کیسی تعریف کرتے ہیں اس تعریف کی وجہ بجز اسکے اور کیا ہوسکتی ہے کہ اسلام کی کمال خوبی نے انکے دلی انصاف کو واقعی امر کے بیان کرنے پر مجبور کردیا۔

اب اگر پادری صاحب کو یہ شبہ ہو کہ قرآن وحدیث میں اگرچہ اخلاقی تعلیم عمدہ ہے مگر اُس کے ساتھ کچھ جسمانی عبادت اور ظاہری طہارت اور بعض اشیا کی حلت اور حرمت کا بھی ذکر ہے اور اس قبیل کے احکام پادری صاحب کے نزدیک رسمی شریعت ہیں تو اس کا جواب اگرچہ تکمیل الادیان میں کافی طور سے دیدیا گیا ہے مگر اس خیال سے کہ شاید کسی کی نظر سے نہ گذرے اسلئے کچھ لکھتا ہوں اول تو یہ دعوٰی ہی باطل ہے کہ حضرت مسیحؑ نے شریعت رسمی کو بالکل منسوخ کردیا تھا کیونکہ حضرت مسیحؑ نے خود شریعت رسمی کا برتاؤ کیا مثلاً یوحنا سے بپتسمہ لیا اب عیسائی کہتے ہیں کہ گرچہ یہ بپتسمہ گناہوں کی معافی کے لیے مخصوص تھا جیساکہ مرقس کے باب اول ورس ۴ و ۵ سے ظاہر ہے مگر حضرت مسیحؑ گناہ سے پاک تھے انھوں نے محض اپنے کام پر مقرر ہونے کے لیے یہ رسم ادا کی تھی اسی طرح عید فصیح بھی شاگردوں کے ساتھ کی ہے اور دوسروں کو شریعت موسوی کی پابندی کا حکم بھی کیا جسکا ذکر شروع اختلاف میں گزرا پھر جب حضرت مسیحؑ نے شریعت رسمی کو موقوف نہیں کیا تو پادری صاحب یا اُن کے کسی مقتدا کا منسوخ کرنا کب قابل توجہ ہوسکتا ہے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو شریعت حضرت موسیٰؑ کے وقت سے حضرت عیسیٰؑ

تک قایم رہی اور حضرت عیسےٰؑ نے بکر اُسکی تکمیل کا حکم دیا اُسکو حضرت پولوس نے نیست و نابود کرکے بند دست
الٰہی کو پلٹ دیا تھا مگر خاتم النبیین محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والثنا نے اُسے قایم کیا اور شریعت الٰہی کو تکمیل کرکے
ظاہر کردیا دوسرے یہ کہ ان سب امور سے قطع نظر عبادت جسمانی اور طہارت ظاہری اور بعض اشیا کی حلت
و حرمت انجیل مروجہ کے بھی خلاف نہیں ہے جسے پادری صاحب تمامہ کلام خدا سمجھے ہیں بلکہ تینوں
امور میں مطابق ہیں عبادت جسمانی پولوس کے اس قول سے ظاہر ہے تم داموں سے خریدے گئے
پس تم اپنے تن سے اور اپنی روح سے جو خدا کے ہیں خدا کی بزرگی کرو" (اول قرنتیون ۶ باب) اور طہارت
ظاہری کا ثبوت اس قول سے اظہر من الشمس ہے کہ "ای عزیزو چاہیے کہ ہم ایسے وعدے پاکے آپ
کو ہر طرح کی جسمانی اور روحانی نجاست سے پاک کریں اور خدا کے ڈر سے پاکیزگی کو کامل کریں"
(۲ قرنتیون ۷ باب) پس شریعت محمدیہ بھی یہی تعلیم کرتی ہے کہ روح اور تن دونوں سے خدا کی بزرگی کرو
اور ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی نجاست سے پاک ہو پھر فرمائیے کہ شریعت محمدیہ نے کونسا امر
اُلٹ دیا البتہ خدا کی بزرگی اور عبادت کے طریقے اور پاکیزگی کے طور شریعت عیسوی میں مذکور نہیں
ہونے تھے اُسکو شریعت محمدیہ نے مفصل بیان کردیا اسکا نام اُلٹنا نہیں ہے بلکہ کامل کرنا ہے تکمیل کی
مثال جو پادری صاحب نے نسخ کی بحث میں بیان کی ہے اُس سے بھی یہی امر ثابت ہوتا ہے (دیکھو صفحہ ۲۶۹
و ۲۷۰ نیاز نامہ) میں اختصار کیلیے کچھ تغیر کرکے اُس مثال کو بیان کرتا ہوں مثلاً ایک رئیس اپنے خدام کو مکان
بنوانے اور اُسکا سامان مہیا کرنیکا حکم دے اور بعد عرصے کے جب اُسکا سامان مہیا ہو جائے تو اُسکا طرز اور
پوری قطع بیان کرے اور کہے کہ اس طرح کا مکان بناؤ تو اس طرز و قطع بتانے کو پہلے حکم کا اُلٹنا نہیں
کہینگے بلکہ اُسکی تکمیل کہینگے اسی طرح شریعت محمدیہ میں جو عبادت اور طہارت کے طور بیان کئے ہیں
اُنکو پہلے حکم انجیلی کی تکمیل سمجھنا چاہیے ۔ باقی رہی بعض اشیا کی حلت اور حرمت اُسکی بھی سند لیجیے اعمال
کے باب ۱۵ ورس ۱۹ و ۲۰ میں ہے "سو میری صلاح یہ ہے کہ اُنپر جو غیر قوموں میں سے خدا کیطرف
پھری ہیں بوجھ نہ ڈالیں پر اُنکو لکھ بھیجیں کہ بتوں کی گندگیوں اور حرامکاری اور گلا گھونٹی ہوئی چیزوں اور
لہو سے کنارہ کریں" دیکھیے تین چیزوں کی حرمت تو یہاں بتصریح موجود ہے اور ایک شی کی حرمت تھوڑے

سے تغیر سے پوشیدہ ہو گئی ہی یعنی جس لفظ یونانی کا ترجمہ حرامکاری کیا گیا ہی وہاں شُورہونا چاہئے اُسکے ثبوت کے لئے میں کچھ زیادہ نہیں کہتا ناظرین سے صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ اس مقام پر جو غیر قوموں کو ان چار چیزوں سے منع کیا گیا ہے اسکا یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا کہ شریعت اخلاقی اور رسمی کے جتنے احکام تھے اُن میں سے صرف یہی چار اُنپر باقی رکھے گئے اور باقی سب سے وہ لوگ مطلق العنان کر دئے گئے خواہ وہ چوری کریں یا کسی طرح کا ظلم کریں یا والدین کی بے تعظیمی کریں یا اور کوئی بُرائی کریں مگر اُن سے بازپُرس نہیں ہے غرضکہ یہ مطلب تو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا اسوجہ سے بالضرور کہنا پڑیگا کہ کھانے کی اشیا میں سے یہ چار چیزیں مستثنےٰ کر دی گئیں تاکہ بُت پرستوں سے ایک امتیاز ہو جائے۔ اس تقدیر پر ضرور ہے کہ جن چیزوں کو یہاں حرام بتایا گیا ہے وہ کھانے کی قبیل سے ہوں لہٰذا یہاں حرامکاری کا ذکر بجز غلطی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا اور اگر حرامکاری کا ذکر صحیح مانا جائیگا تو یہ کہنا پڑیگا کہ شریعت عیسوی میں اخلاقی شریعت کا صرف ایک حکم باقی رہا اور سب منسوخ ہو گئے سبحان اللہ شریعت اخلاقی کی کیا عمدہ تکمیل ہوئی اور اگر اس بحث سے قطع نظر کیجائے اور یہی کہا جائے کہ اس مقام پر تین ہی چیزوں کی حرمت کا ذکر ہی تو بھی ہمارا مدعا حاصل ہے یعنی اس مقام پر اُن اشیا کا ذکر ہی جن کا کھانا حرام ہی پھر اگر شریعت محمدیہ نے بھی بعض اشیا کی حلت اور حرمت کا ذکر کیا تو کیا ظلم ہوا اور کونسا بندوبست الٰہی اُلٹ گیا اس میں کسی طرح کا شک نہیں کہ رسمی شریعت کی بنیاد شریعت عیسوی میں ہر طرح موجود ہی مگر شریعت محمدی نے جس طرح اخلاقی شریعت کی تکمیل کی اسی طرح رسمی شریعت کی بھی تکمیل کی اب یہ کہنا کہ قرآن و حدیث بندوبست الٰہی کو اُلٹے دیتے ہیں محض غلط اور دروغ محض ہی پادری صاحب کو ایسے بہتان عظیم سے خدا کا خوف کرنا چاہئے ایک دن اُس احکم الحاکمین کے روبرو جانا ہی اسقدر تقریر سے اختلاف چہارم کا جواب ہو گیا مگر بغرض توضیح کے کچھ اُنکے اقوال سے بھی تعرض کیا جاتا ہی۔

قولہ صفحہ ۱۱ بعضے اعمال بذاتہ نیک ہیں جنسے خدا تعالےٰ معمور ہے اور بعضے بد اور نفرتی ہیں جنسے وہ منزہ ہے۔ **اسے قولہ**۔ وہ قدوس اُن افعال کے کرنے کا حکم کرتا ہے جو بذاتہ نیک ہیں اور اُن سے منع کرتا ہی جو بذاتہ بد ہیں پس ایسے احکام کو ہم شریعت اخلاقی کہتے ہیں۔

اقول پادری صاحب کے قول سے معلوم ہوا کہ بذاتہ نیک وہ اعمال ہیں جنسے خدا تعالیٰ معمور ہی اور بد وہ ہیں جنسے وہ منزہ ہی اور یہی شریعت اخلاقی ہے۔ مگر یہ امر کئی وجہ سے باطل ہی۔ اوّل یہ کہ بعض اعمال جنھیں پادری صاحب بذاتہ نیک اور شریعت اخلاقی کہتے ہیں وہ شریعت اخلاقی سے خارج ہو جائینگے مثلاً خدا کی عبادت کرنا اور اُسکا شکر گزار ہونا اور والدین اور بڑوں کا ادب کرنا۔ پادری صاحب کی تقریر اس بات کی مقتضی ہے کہ یہ اعمال بذاتہ بد ہوں کیونکہ خدا تعالیٰ ان سے منزہ ہی پس یہ اعمال شریعت اخلاقی کیا شریعت رسمی بھی نہ ٹھہرے اور صفحہ ۲۲ میں پادری صاحب ان کو شریعت اخلاقی کہتے ہیں دوسرے یہ کہ جن احکام کو شریعت رسمی کہا جاتا ہے مثلاً کسی جانور کا گوشت کھانا یا نہ کھانا بذاتہ بد ہو جائینگے اور نفرتی کہلائینگے کیونکہ خدا ان سے منزہ ہی پھر یہ کہنا کہ شریعت رسمی کے احکام بذاتہ نیک ہیں نہ بد غلط ہوگیا تیسرے یہ کہ وہ صفات جن سے خدا معمور ہے مگر بندوں میں اُن صفات کا پایا جانا نہایت گناہ ہے مثلاً کبر و غرور۔ اپنی بڑائی۔ پادری صاحب کے قول سے لازم آتا ہی کہ یہ افعال بھی بندوں کیلئے عمدہ اور شریعت اخلاقی ہوں چوتھے میں دریافت کرتا ہوں کہ کسی کا گناہ بخش دینا اور اُس کی خطا سے بغیر بدلہ لئے درگزر کرنا بذاتہ نیک عمل ہے یا نہیں اگر ہے تو کیوں خدا کو اس سے منزہ جانتے ہو اور کہتے ہو کہ اگر خدا بغیر بدلہ لئے اور سزا دئے چھوڑ دے تو اُس کا عدل قایم نہ رہے اور اگر بذاتہ نیک نہیں اور خدا اس سے منزہ ہی تو انجیل میں کیوں ایسی تعلیم داخل کی گئی اور کہا گیا کہ تم گناہ بخشو تمھارے گناہ بخشے جائیں گے۔ بہرحال یا تو اس تعلیم کو غلط اور ردی مانئے یا خدا کو اس سے معمور جانئے اور کفارہ معہودہ کی ضرورت سے ہاتھ اُٹھائیے۔ پادری صاحب ذرا انصاف فرمائیے ایسا بھی کیا خبط و پریشانی ہے کہ کہیں کچھ کہدیا اور کہیں کچھ نہ گذشتہ کی خبر نہ آیندہ پر نظر۔

قولہ رسمی شریعت بھی بیفائدہ آدمیوں پر محض ظلم کرنے کو نہیں دیتا ہی ضرور کسی خاص مطلب کیواسطے مقرر ہوتی ہے

اقول شریعت رسمی یعنی جو اعمال بذاتہ نیک و بد نہیں اُنکا حکم فرمانا اور اُنکو نیک بد قرار دینا آدمیوں کو تنگ کرنا نہیں تو پھر کیوں پادری صاحب ابھی فرما چکے ہیں کہ جو اعمال از خود نیک ہیں نہ بد اُن کو خواہ مخواہ نیک و بد قرار دینا بیوجہ آدمیوں کو تنگ کرنا ہی افسوس ایک صفحہ کی بھی بات آپکو یاد نہیں رہتی۔

قولہ صفحہ ۲۱ و ۲۲ مدعا میرا یہ ہے کہ رسمی شریعت مثل اخلاقی شریعت کی اصل و اول نہیں اور نہ اُسکی ذاتی پاکی و نیکی کے پورا کرنے کیلئے ضرور ہی اور نہ انسان کی کاملیت کا نشان ٹھہر سکتی ہے۔

اقول مجھے اِس میں دو طرح سے کلام ہے اوّل یہ عجیب حیرت کی بات ہے کہ رسمی شریعت کی تعمیل تو کاملیت کا نشان نہیں ٹھہر سکتی مگر اُسکی عدم تعمیل اسقدر ناقصیت کا نشان ہو جاتی ہے جس کی انتہا نہیں یعنی ایک شخص کرے اور اُسکی تمام ذریت ناقص ہو جائے تفصیل اِسکی یہ ہے کہ پادری صاحب نے صفحہ ۵۹ سے ۶۲ تک یہ بیان کیا ہے کہ آدم کو خدا تعالیٰ نے تمام گناہوں سے پاک اور نیکیوں اور خوبیوں سے معمور اور ہر قسم کے عیب اور بدبختی سے دور اور خواہشہائے نفسانی اور ہر قسم کی ہوا و ہوس اور جسم کی کاہلی اور سستی سے پاک پیدا کیا تھا مگر یہ تمام نقص اور عیب اور ہر طرح کی بُرائیاں جو آدم اور اُسکی نسل میں ہوگئیں اور خدا کی نظر میں ناپاک اور جہنم کے لایق ہوگیا یہ صرف اس وجہ سے کہ آدمؑ نے اُس درخت کا پھل کھا لیا تھا جسکے کھانے سے خدا تعالیٰ نے منع کیا تھا اور کھانے کی اشیاء سے منع کرنا تو پادری صاحب کے نزدیک رسمی شریعت ہے پھر اسی رسمی شریعت کے عمل نہ کرنے سے حضرت آدمؑ ایسے ناکارہ اور ناقص ہوگئے جس کی کچھ انتہا نہیں پھر صرف آدمؑ ہی ناقص اور ناپاک نہیں ہوئے بلکہ اُن کی تمام ذریت ناکردہ گناہ اُسمیں پکڑی گئی اور اس آبائی گناہ سے سب تقصیروار ٹھہرے یہانتک کہ اگر خدا کا بیٹا نجات دینے کے لئے دنیا میں نہ آتا تو جہنم میں جاتے۔ اب پادری صاحب فرماتے ہیں کہ کسی اخلاقی شریعت کی عدم تعمیل سے بھی ایسا نقصان انسان کو پہنچا ہے پھر کیا انصاف کا یہی تقاضا ہے کہ ایک حکم کی تعمیل تو کسی طرح کاملیت کا نشان نہو اور اُسکی عدم تعمیل میں نقصان کی انتہا نہ رہے۔

عیسائیوں کی عقل پر افسوس ہے کہ اپنی بات قایم رکھنے کیلئے خدا پر الزام لگاتے ہیں میں سچ کہتا ہوں کہ عیسائیوں کے اصول پر تو بالضرور رسمی شریعت کو اعلےٰ اور اشرف ماننا پڑے گا۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو پادری صاحب بیان کریں کہ آدمؑ کے اس ممنوعہ پھل کھانے سے آدم اور اُس کی ذریت اپنے اسقدر جلیل مرتبہ سے کیوں گر کر ناقص اور بدتر ہو گئے۔ دوسرے یہ کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض احکام شریعت اعلیٰ اور اشرف ہوتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ مقصود بالذات ہیں

اور بعض کم مرتبہ ہیں کیونکہ وہ خود مقصود نہیں بلکہ کسی مقصود بالذات کا وسیلہ ہیں مثلاً خدا کی عبادت کیلئے وقت مقرر کرنا یہ کوئی مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ وسیلہ ہے مقصود بالذات کا کیونکہ اہل دانش خوب جانتے ہیں کہ جب تک کام کے لئے وقت معین نہ کیا جائے تو وہ کام بالالتزام ہرگز نہیں ہوتا پس وقت مقرر کرنا اُسکے التزام کا وسیلہ قرار پایا اس وجہ سے اسمیں حسن آیا۔ مگر ایسے کام کو یہ کہنا کہ یہ اُس کی ذاتی پاکی و نیکی کے اقتضا پورا کرنے کے لئے مقرر نہیں محض نافہمی ہے کیونکہ جب وہ ذاتی پاکی کے لئے وسیلہ ہیں تو بیشک ضرور ہوں گے تکمیل الادیان میں یہ امر بخوبی بیان کیا گیا ہے کہ کوئی حکم خداوندی حسن و خوبی سے خالی نہیں ہو سکتا پس جو حکم انسان بجالائیگا وہ خوبی اسمیں حاصل ہوگی جو اُسکے بجالانے پر موقوف تھی اور ہر خوبی کا حصول موجب کسی قدر کمالیت کا ہے پادری صاحب نے شاید ابھی کمال کے معنی دریافت نہیں کئے خیر کیا مضائقہ ہے اب کتب حکمت وغیرہ میں ملاحظہ کرلیں بہر حال بعض احکام خداوندی کو کاملیت کا نشان نہ قرار دینا قصور علم اور نقصان عقل کی دلیل ہے اور اگر کاملیت کے یہ معنی لیئے ہیں کہ انسان اُس اعلیٰ مرتبہ کو پہنچے جس سے برگزیدہ خدا اور مقبول بارگاہ ہو جائے تو میں کہتا ہوں کہ کوئی حکم خاص ایسا نہیں کہ اس مرتبہ کو پہنچا دے یہ مرتبہ تو جب حاصل ہوتا ہے کہ جمیع احکام بجالائے اور اگر اُس میں کسی قسم کا قصور ہو تو خدا تعالے اپنی رحمت سے معاف فرمائے یعقوب حواری فرماتے ہیں کہ "جو کوئی ساری شریعت کو مانتا اور فقط ایک بات کو ٹالتا ہو تو وہ ساری باتوں کا گنہگار ہوگا" مثلاً کوئی شخص خدا کی عبادت کرے اور اُسکا ثنا خواں رہے مگر مخلوق پر ظلم کرنا بھی اختیار کرے تو گیا یہ عبادت اور ثنا خوانی اُس کی کاملیت کا نشان ہو سکتی ہے ہرگز نہیں

قولہ صفحہ ۲۴ سب جانور اور تمام اشیاء موجودات و مخلوقات خدائے قدوس کی آفریدہ ہیں اور خدائے سبحان ناپاک کا پیدا کرنے والا نہیں ہو سکتا۔

اقول پادری صاحب نے یہ خیال نہ کیا کہ وہ خدائے رحمان اپنے بندوں پر مہربان موذیات اور اور مہلکات کا پیدا کرنے والا کیسے ہو گیا اور بول و براز سی ناپاک شے کو کیسے پیدا کیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان اشیا میں اگرچہ مضرت ہی مگر اُسکے ساتھ نفع بھی ہے نفع کے لحاظ سے ان اشیاء کو پیدا کیا ہے

تو میں کہتا ہوں کہ جس طرح ان اشیاء کو بنظر منفعت پیدا کیا ہے گو اُن میں مضرت بھی ہے اِسی طرح اُن اشیا کو سمجھنا چاہیئے جسکو خدا نے اپنے کلام میں ناپاک اور نجس فرمایا ہے - علاوہ اِس کے اُن اشیا کو ناپاک اور نجس کہنے کے صرف یہ معنی ہیں کہ وہ انسان کے استعمال کے قابل نہیں پھر اگر یہ استعمال کرنا ایسے امر کا باعث پڑتا ہے کہ خدائے پاک کی ذات کے برخلاف ہے تو باقتضائے پاکی ذات کے خدائے قدوس اُسکے استعمال سے منع فرماتا ہے اسی واسطے شراب پینے سے منع کیا اور سور کا استعمال حرام فرمایا اور اگر اُس کا استعمال ایسے امر کا باعث نہیں ہے تو اُسکی نہی دائمی نہوگی بلکہ جس امر عارض کی وجہ سے اُسے منع کر دیا ہے جب وہ زائل ہو جائیگا تو یہ نہی بھی اُٹھ جائیگی جیسے اونٹ کا گوشت الغرض مطلقاً حلت و حرمت اشیا کو محض عارضی سمجھنا نادانی ہے بلکہ فرق کرنا چاہیے مصرع

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی ؁

قولہ صفحہ ۲ - تمام اشیا انھیں عناصر سے مرکب ہیں اور عناصر خدا کے بنائے ہوئے ہیں (الی قولہ) لہٰذا ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں کوئی جانور یا دوسری چیز جو مخلوقات کے اسباب سے پیدا ہوتی ہے ناپاک نہیں ہے -

اقول اوّل تو میں یہ کہتا ہوں کہ پادری صاحب نے کیوں اسقدر تقریر کو طول دیا ان اشیا کے ناپاک ہونے کے صرف یہ معنی ہیں کہ یہ اشیا اِس قابل نہیں کہ انسان ان کا استعمال کرے پھر اگر برائی ہے تو اُسکے استعمال میں ہے نہ خود اُس شے میں اور استعمال تو انسان کا فعل اختیاری ہے اب تو موجب آپکے قول کے بھی اِن اشیا کے استعمال سے انسان خدا کے روبرو گنہگار ہوگا پھر آپ کیوں خدا کے مقابل ہو کر اُن اشیا کی رفع ناپاکی میں سعی فرما رہے ہیں - دوسرے یہ تو فرمائیے کہ جسقدر اشیا انسان کی ہلاک کرنیوالی اور زہر دار ہیں وہ سب انھیں عناصر سے بنائی ہوئی ہیں اور اسی طرح جتنے زمین کے کیڑے مکوڑے اور کل نفرتی چیزیں جتنے کہ انسان اور جمیع حیوانات کا بول و براز بھی انھیں عناصر سے پیدا ہوتے ہیں پھر کیا یہ سب چیزیں آپکے نزدیک یکساں مثل دال بھات کے ہیں کیا ان میں سے کوئی چیز ناپاک اور نفرتی و ممنوع نہیں ہے اگر یہ کل چیزیں آپ کے نزدیک یکساں ہیں تو استعمال میں فرق

کرنا اور یہ کہنا کہ ستھری چیز کا کھانا انسان کو ضرور ہے سراسر بیجا ہے اور اگر ان اشیا میں فرق ہے
اور بعضوں کا استعمال آپ کے نزدیک ممنوع ہے تو کل تقریر یہ آپکی فضول ہے کیونکہ عناصر سے
پیدا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ سب پاک اور ستھری اور غیر ممنوع ہو جائیں پس اگر شریعت
محمدیہ میں بعض اشیا کو ممنوع بتایا ہے تو ہر طرح عقل کے مطابق اور کتاب آسمانی کے موافق ہے
تیسرے یہ کہ جسطرح سب زہردار چیزیں خدا کی بنائی ہوئی انسان کی حیات جسمانی کو فنا کر دیتی ہیں
اسی طرح اگر بعض چیزیں بواسطہ یا بلاواسطہ حیات روحانی کے مضر ہوں تو پادری صاحب کے پاس
اُسکے بطلان کی کیا دلیل ہے بلکہ بعض اشیا کی مضرت ایسی ظاہر ہے کہ کوئی ذی عقل اُس سے انکار
نہیں کرسکتا مثلاً شراب ہے کہ اس کی مضرت کئی طور سے پائی جاتی ہے ایک یہ کہ اسکے پینے والے
سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں جو حیات روحانی کے بالکل فنا کرنے والے ہیں دوسرے یہ کہ
شراب بالخاصہ قوائے شہوانیہ کو قوت دیتی ہے اور بکمال مرتبہ اُنھیں مشتعل کرتی ہے اور جو شے
قوت شہوانیہ کو اس درجہ مدد دیگی وہ ضرور قوت روحانیہ کو ضرر پہنچاویگی کیونکہ یہ دونوں قوتیں باہم
ایک دوسرے کی ضد ہیں اس وجہ سے ایک کی زیادتی دوسرے کے نقصان کا باعث ہوگی لہذا
کل اشیا کو یکساں مثل دال بھات کے سمجھنا نہایت نادانی ہے۔

قولہ بلاشبہ صاف ستھری چیزیں کھانا پینا استعمال کرنا انسان کو ضرور ہے۔

اقول جب آپ کل اشیا کو جو عناصر سے پیدا ہوتی ہیں مثل دال بھات سمجھتے ہیں پھر ایک کو صاف
ستھری کہنا اور دوسری کو نہ کہنا کیا وجہ ہے وہ خدائے قدوس غیر ستھری اشیا کا بانی کیونکر
ہوسکتا ہے۔ ذرا سمجھکر بیان کیجئے اور جب آپ کے نزدیک ان اشیا کے عدم استعمال سے اور
پاکی سے کچھ مناسبت نہیں تو ستھری اشیا کے استعمال کے ضرور ہونے کی کیا وجہ ہے ضرور اُسی
امر کو کہینگے جس کا خلاف جائز نہو یہ عجب آپ کی تقریر ہے کہیں تو کل اشیا کے استعمال کو جائز بتاتے
ہیں اور کہیں ناجائز کہتے ہیں۔

قولہ صفحہ ۲۶ بھلا ان کھانے پینے اور پہرنے کی چیزوں سے اور دل کی پاکی اور نیکی سے کیا مناسبت ہے

اقول پادری صاحب کو چاہیئے کہ پہلے تو یہ سوال خدا تعالیٰ سے کریں کہ اُسنے آدمؑ کے دل کو صرف ایک درخت کے پھل کھانے نے سے کیوں ناپاک ٹھہرایا اور صرف آدم ہی کے دل کو نہیں بلکہ اُن کی تمام ذریت کے دل کو۔ اسکے بعد جناب اعظم الحواریین پطرس سے دریافت کرنا چاہیئے کہ اُنھوں نے کیوں غیر قوموں کو بتوں کے چڑھاوا اور گلا گھونٹے جانور کو منع کیا (اعمال باب ۱۵) یہ تو کھانے پینے کی چیزیں تھیں پھر حضرت ہوسیع سے دریافت کیجئے وہ لکھتے ہیں "حرامکاری اور مے اور نئی مے دل کو کھو دیتی ہیں (ہوسیع ۴ ۱۱) پھر حضرت پولوس سے پوچھئے وہ شرابی کو اُن لوگوں میں شمار کرتے ہیں جو خدا کی بادشاہت کے وارث نہونگے (دیکھو اول قرنتیون ۶ ۱۰) اگر کھانے پینے کی چیزوں کو دل کی پاکی سے کچھ مناسبت نہیں ہے تو شراب کے دل کو خراب کرنے کے کیا معنی اور شرابی مثل بت پرست اور زناکاروں وغیرہ کے کیوں جہنمی ہوا۔ اُن سب کے علاوہ میں آپ سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ کیا آپنے جمیع احکام اخلاقی میں یہ مناسبت دریافت کرلی ہے اگر دریافت کرلی ہو تو مہربانی فرماکر بیان کیجئے مثلاً ایک شخص نے کسی کتخدا یا بیوہ سے بکمال رضا و رغبت زنا کیا اور طرفین نے ہر ایک کے دل کو اُس فعل سے خوش کیا اب فرمائیے کہ اس میں طرفین کے دل ناپاک ہوئے یا نہ ہوئے اگر ہوئے تو اس فعل سے اور دل کی ناپاکی سے کیا مناسبت ہے جو کچھ اُس نے کیا ہے وہ جسم ظاہری سے کیا ہے دل سے کیا تعلق ہے اور اگر کہیے کہ پہلے اُسنے اِس بُرے فعل کی دل سے خواہش کی اور وقت صدور فعل کے اُس سے مسرور ہوا اسوجہ سے دل ناپاک ہوا تو میں کہتا ہوں کہ اسی طرح جب انسان اُن اشیا کے کھانے کا قصد کرے جنھیں خدا نے منع کیا ہے اور پھر کھاکر محظوظ و مسرور ہوا اور قوت شہوانی اور حیوانی کو مدد دی تو اسوجہ سے وہاں بھی دل کو ناپاک ہونا چاہیئے پھر اب مناسبت کیا پوچھتے ہیں غرض جو مناسبت آپ امور اخلاقی میں بیان کرینگے اُسی طرح کی ہم شریعت رسمی میں بیان کردینگے اور اگر ناپاک نہ ہوئی تو آپ کا اس مقام پر مناسبت دریافت کرنا عبث ہے کیونکہ اس صورت میں بھی احکام اخلاقی اور رسمی کا ایک سا حال ہوا افسوس ہے کہ پادری صاحب اسی مغالطہ کی وجہ سے شریعت رسمی کو قابل نسخ قرار دیتے ہیں

اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک جاہل مریض طبیب کامل سے یوں کہے کہ جن اشیاء سے آپ پرہیز بتاتے ہیں اُن کے کھانے پینے سے اور ازالہ مرض اور عدم ازالہ سے کیا مناسبت ہے اب فرمائیے کہ ایسے شخص کو عاقل کیا کہیں گے۔

قولہ لیکن کسی خاص غرض سے خدا تعالے نے اگلی شریعت میں ایسی چیزوں کو پاک یا ناپاک فرمایا اسی واسطے وہ رسمی اور ظاہری شریعت تھی۔

اقول غیر ستھری اشیا کو ناپاک کہنا اور اُن کے استعمال کو منع کرنا بلکہ جنکا استعمال موجب اخلاق ذمیمہ اور باعث افعال شنیعہ ہو اُن کے اکل و شرب کو جائز نہ رکھنا تو رسمی اور ظاہری شریعت ہوئی تو اب لامحالہ شریعت اخلاقی وہ ہو گی جس میں تمام گندہ چیزوں کے استعمال کو بلا روک ٹوک جائز بتایا ہو حتّے کہ بول و براز کے اکل و شرب کی بھی عام اجازت دی ہو اگر شریعت اخلاقی اسی کا نام ہے تو ایسی شریعت کو دور سے ہمارا اسلام ہے اور اگر شریعت اخلاقی پاک و ستھری اور غیر مضر چیزوں کے استعمال کو کہتی ہے اور گندہ چیزوں کے استعمال سے روکتی ہے تو پھر بعض اشیا کے پاک و ناپاک کہنے کو رسمی شریعت کہنے کے کیا معنی۔

قولہ صفحہ ۲۶ تو اسکی عمیق حکمت میں یہ مناسب معلوم ہوا کہ آدمیوں کو اخلاقی شریعت کے ساتھ رسمی اور ظاہری شریعت بھی دیوے۔

اقول خوب یاد رہے کہ پادری صاحب دعوی کرتے ہیں کہ اصلی اور رسمی دونوں شریعتیں دینا خدا کو پسندیدہ معلوم ہوا اور اسکی دلیل صفحہ ۲۷ میں یہ فرماتے ہیں کہ آدمی کی عقل بسبب گمراہی کے روحانی شریعت سمجھنے اور اُس پر قایم ہونے کے لایق نہ تھی۔ بھلا اس دلیل کو دعوے سے کیا ربط ہے۔ اے جناب جب وہ لوگ شریعت روحانی سمجھنے اور عمل کرنے کے قابل نہ تھے تو پھر اصلی شریعت کے ساتھ رسمی شریعت دینے کے کیا معنی جب اُن سے اصلی شریعت کا بار نہیں اُٹھ سکتا تھا پھر رسمی شریعت کا بار اُنپر لادنا ایسا ہے کہ جب کسی شخص سے من بھر بوجھ نہ اُٹھ سکے تو بیس سیر بوجھ اُسپر اور لاد دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ چونکہ اس سے من بھر

بوجھ نہیں اُٹھا اس لیئے یہ بیس سیر بوجھ اور اُس پر لادویا گیا معلوم نہیں کہ پادری صاحب کے نزدیک ایسا کہنے والا کس زمرے میں شمار کیا جائیگا۔

قولہ صفحہ ۲۹ ۔ اسواسطے خدا نے انجیل مقدس اور اپنے رسولوں کے صحائف کے ذریعے سے اخلاقی شریعت ظاہر فرمائی۔

اقول افسوس ہر جگہ ہمارے مخاطب دعوے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ ای جناب وہ کون اخلاقی شریعت ہے جو پہلے نہ تھی دو چار احکام تو بطور مثال بیان فرمائے ہوتے آپ کی کتاب کے صفحہ ۲۲ سطر اخیر سے ظاہر ہے کہ پہلے بھی بنی اسرائیل کو شریعت اخلاقی دی گئی تھی مگر آپ تھوڑی دیر کے بعد اپنا لکھا ہوا خود بھول جاتے ہیں اور اگر یہ کہیے کہ پہلے بھی اخلاقی شریعت عنایت ہوئی تھی مگر انجیل نے اُسے کمال کے ساتھ ظاہر فرمایا تو جناب کمال کا حال بھی تعلیمات کے مقابلہ میں ناظرین نے دریافت کیا۔ اب میرے کہنے کی کیا حاجت ہے حقیقت حال یہ ہے جو جان ڈیون پورٹ صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ "جب جناب مسیح مبعوث ہوئے تھے تو یہودی یہودیہ میں رہتے تھے اُن کے اخلاق بہت خراب ہو گئے تھے اور اُنکے علما اور عوام الناس دونوں میں نفس پرستی اور خود پسندی بہت بڑھ گئی تھی اور اُس ملک میں سوا حرص وطمع اور ظلم وجور کے اور کچھ نہ دکھائی دیتا تھا اسواسطے کہ یہود نے ایمان کو بعض رسوم اور قواعد شدیدہ ظاہریہ کے بجالانے میں منحصر رکھا تھا اور اصل لب لباب مذہب ضائع کر دیا تھا پس جناب مسیح کی رسالت کا یہ مقصود تھا کہ شریعت اصلی اور واقعی حضرت موسیٰ بحال کریں اسواسطے تمام احکام اِسی امر کی طرف منجر ہیں۔ پس اِس تمہید سے یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ اصل میں شریعت عیسٰے فقط مجدد ملت موسیٰ تھی انتہیٰ"۔ الحق واقعی امر یہی ہے جو اس عیسائی نے بیان کیا۔ مگر ان نافہم عیسائیوں نے اِس مدعا کو نہ سمجھکر شریعت موسوی کو بالکل نیست ونابود کر دیا۔ وائے بر نافہمی ایشاں۔

قولہ صفحہ ۳۰ جب انسان حالت طفولیت میں تھا اُسوقت خدا نے اُسکو تعلیم دینا شروع کیا اور ابتدا میں گویا اُسکو ابجد سکھا کر یعنی شریعت ظاہری دیکر تعلیم فرمائی۔ انتہے ملخصاً۔

اقول پادری صاحب محض ابلہ فریبی کر رہے ہیں یہ نہیں خیال کرتے کہ یہ تمثیل جب صحیح ہو سکتی ہے

کہ توریت میں صرف شریعت ظاہری ہوتی اور شریعت باطنی نہ ہوتی حالانکہ یہ امر ثابت ہو گیا کہ توریت اور دیگر صحف میں دونوں طرح کی شریعت مذکور ہیں اور پادری صاحب بھی اسکے مقر ہیں (صفحہ ۲۶ نیاز نامہ)

قولہ۔ جب وہ رفتہ رفتہ علم الٰہی سیکھنے کے لائق ہوا تب اُس کو اصلی شریعت بتلائی۔

اقول۔ پادری صاحب وہ اصلی شریعت کونسی ہے اور کہاں ہے اور کسنے سکھائی ہے ہر جگہ دعوی ہی دعوی ہے ثبوت کا کہیں نشان نہیں ملتا البتہ اگر اصلی شریعت اسکا نام ہے کہ ایک تین ہیں اور تین ایک ہیں اور خدا وحدہ لاشریک کی ذات غیر محدود ایک قفس خاکی میں آکر بند ہو گئی اور اپنے بندوں کے لئے ذلیل و خوار ہو کر تین روز کے لئے واصل جہنم ہوئے (نعوذ باللہ من ہذہ الکفریات) تو بیشک ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایسی شریعت کسی نبی نے نہیں سکھائی تھی کیونکہ تمام انبیا خدا کو یکتا اور بے ہمتا اور غیر محدود اور غیور اور قادر توانا کہتے تھے کیونکہ خدا کی یہی تعلیم تھی۔ اب جسے پادری صاحب اصلی شریعت کہتے ہیں ہم نہیں کہتے کہ وہ کس کی تعلیم ہے۔ عاقلاں خود میدانند۔ پادری صاحب کیوں بہکی باتیں کرتے ہیں یوں کہنا چاہئے کہ جب وہ رفتہ رفتہ کامل علم الٰہی سیکھنے کے لایق ہوا تب اُس کو کامل شریعت سکھلائی اور وہ شریعت محمدی ہے کیونکہ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ شریعت عیسوی کے احکام خلاف بھی کامل نہ تھے شریعت محمدی نے کامل کر دئے

قولہ۔ قرآن و حدیث اصلی اور اخلاقی شریعت پر رسمی شریعت کو فوقیت دیتے ہیں ملخصاً۔

اقول واضح ہو کہ پادری صاحب کا یہ دعوائے سراسر غلط ہے قرآن مجید نے تو صاف صاف شریعت اخلاقی کو ترجیح دی ہے بلکہ نیکی اُسی کو کہا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

صدقوا واولٰئک ھم المتقون ۝ نیکی نہیں ہے تمہارا منہ کرنا پورب اور پچھم کی طرف لیکن نیکی یہ ہے کہ ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور مال دیوے اس کی محبت پر ناتے داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور غلام آزاد کرنے میں اور نماز پڑھے اچھی طرح اور زکوٰۃ دے اور جو پورا کرتے ہیں اپنے عہد کو جب عہد کریں اور جو صبر کرتے ہیں سختی اور تکلیف میں اور وقت لڑائی کے وہی لوگ سچے ہیں اور وہی پرہیزگار ہیں"۔ اب ہمارے مخاطب فرمائیں کہ جن احکام کی یہاں ترغیب دی ہے اور جن کو نیکی قرار دیا ہے اُن میں سے کونسا حکم رسمی ہے۔ اس آیت سے واضح ہے کہ شریعت محمدیہ نے اخلاقی شریعت کو اعلیٰ و اشرف اور اصلی قرار دیا ہے اور اسی پارہ کے دوسرے مقام پر فرمایا "ولٰکن البر من اتقیٰ - یعنی اصلی نیکی یہ ہے کہ دل پرہیزگاری کرے"۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید انھیں احکام کو نیکی قرار دیتا ہے جن سے دل پاکیزگی حاصل ہو وہی اخلاقی شریعت ہے احادیث سے بھی ظاہر ہے کہ شریعت محمدیہ میں مقبول و معتبر شریعت اخلاقی ہے مثلاً فرمایا ان اللہ لا ینظر الی اجسادکم ولا الی صورکم ولٰکن ینظر الی قلوبکم "اللہ نہ تمہارے جسموں کو دیکھتا ہے نہ تمہاری صورتوں کو لیکن تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے"۔ پس معلوم ہوا کہ دل کی صفائی منظور نظر ہے اور حدیث مشہور انما الاعمال بالنیات[1] بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس حدیث میں تمام عملوں کے ثواب کو منحصر کر دیا خلوص نیت پر یعنی اگر نیک کام کیا اس قصد سے کہ اللہ کی خوشنودی اور اُس کی نزدیکی ہو تو اُس پر ثواب ملیگا اور اللہ کے نزدیک مقبول ہوگا اور اگر یہ قصد نہیں ہے تو وہ عمل بیکار ہے کیا عمدہ کلیہ ہے کہ کل اعمال کے مقبول ہونے کا معیار ہے انجیل میں کوئی ایسا جملہ نہیں دیکھا گیا۔ اہل دانش یہاں سے بخوبی یقین کر سکتے ہیں کہ شریعت محمدیہ میں کل شریعت اخلاقی ہے کیونکہ ہر فعل کا مدار جب خلوص نیت پر ہے تو کوئی حکم ایسا نہ ہوا جس سے قلب پر اثر نہ ہوا اور جس فعل سے قلب پر اثر پیدا ہو اُسے پادری صاحب اخلاقی شریعت سمجھتے ہیں جن احکام کو پادری صاحب شریعت

---

[1] کل اعمال کا ثواب منحصر ہے نیتوں پر ۱۲

اخلاقی کہہ رہے ہیں وہ جب ہی تک اخلاقی ہیں کہ اس کلیہ کے تحت میں ہوں ورنہ وہ رسمی شریعت سے بھی بدتر ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن وحدیث رسمی شریعت کو اعلیٰ واشرف بتاتے ہیں سراسر غلط ہے۔

اب یہاں اُن احکام اسلام کا ذکر مناسب ہے جنھیں پادری صاحب نے نسخ کی بحث میں ذکر کیا ہو اور شریعت رسمی قرار دیکر قابل نسخ بتایا ہے وہ پانچ احکام ہیں۔

اول قربانی جانوران صفحہ ۲۸۹ میں تحریر کرتے ہیں کہ توریت میں حکم تھا کہ گناہوں کی بخشایش کیواسطے بے جانوروں کی قربانی بشرائط وضوابط کیا کریں مگر واضح ہے کہ جانوروں کی قربانیوں اور گناہوں کی معافی سے کیا مناسبت ہے بلکہ مدعا اُس سے ایک قربانی عظیم الشان یعنی مسیح کا کفارہ تھا جب وہ پورا ہو لیا تو اب اُس کے نشان اور نمونوں کے عمل میں لانے کی حاجت نہ رہی۔"

میں کہتا ہوں کہ جب کفارہ مسیح کا بطلان اختلاف سوم سے اظہر من الشمس ہو گیا تو جانوروں کی قربانی کو اُس کا نمونہ اور مدعا سمجھنا خود ہی باطل ہو گیا۔ باقی رہا یہ امر کہ گناہوں کی معافی اور قربانی سے کیا مناسبت ہے تو جناب یہ خدا تعالےٰ سے دریافت کیجیے آپ کی مقدس کتاب میں جسے آپ الہامی کہتے ہیں صاف صاف لکھا ہے "اور کاہن اُس کے لیئے اُس کی خطا کا کفارہ دیوے تو وہ بخشی جائیگی (احبار باب ۴ ورس ۲۶ و ۳۵ وغیرہ) اب اگر آپکی مقدس کتاب سچی ہے تو آپ کو ایمان لانا چاہیئے پھر آپ مناسبت کیا دریافت کرتے ہیں اور اگر اس کے کلام خدا ہی ہونے میں کلام ہے تو ہوا المراد ہم زیادہ بحث نہیں کرتے صرف اسقدر کہتے ہیں کہ احکام خداوندی کو بجالانا اور اپنے مال کو اُس کے حکم کی بجاآوری میں صرف کرنا بیشک موجب خوشنودی خدا تعالیٰ ہے اور جو کام موجب خوشنودی پروردگار ہو اُس کی وجہ سے گناہ کا معاف ہو جانا کونسی عقل کے خلاف ہے اختلاف سوم میں بخوبی ثابت ہو چکا کہ گناہ کی معافی محض خدا کے فضل پر ہے اور جو شخص خدا کی خوشنودی کیلیئے نیک کام کریگا اُسپر خدا کا فضل ہوگا۔ الغرض اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ قربانی اور گناہ کی معافی میں مناسبت ظاہر ہے قربانی کے باب میں میری یہ تقریر محض سمجھانے کے لیئے تھی ورنہ اور سکی

کوئی ضرورت نہیں ہے مذہب اسلام میں موسوی قربانیاں قایم نہیں کی گئیں۔

اب جو قربانی مذہب اسلام میں واجب ہے وہ موسوی قربانی نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود حضرت ابراہیمؑ کے ایک مخلصانہ فعل کی یادگار ہے جو اُن کے کمال قرب الہی اور خلوص محبت پر دلالت کرتا ہے حضرت ابراہیمؑ کا اپنے صاحبزادے کو ذبح کے لئے بالکل مستعد ہو جانا اور صاحبزادہ کا بھی بدل وجان اللہ کے حکم پر اپنی جان قربان کرنے کو حاضر ہونا اور پھر خداوند کریم کی رحمت کا جوش میں آکر فدیہ کا دینا ایک واقعہ عظیم الشان اور قابل یادگار ہے اس واقعہ پر نظر کرنے سے کیسا دل پر اثر ہوتا ہے اور اُس حاکم حقیقی کے حکم بجا آوری کی دل میں کیسی تحریک پیدا ہوتی ہے مگر دل چاہیئے پتھر نہو بانی اسلام نے چونکہ یہ دعوے کیا کہ اسلام ملت ابراہیمی ہے چنانچہ فرمایا دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّۃَ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا اسلئے ضرور ہوا کہ واقعہ ابراہیمی کو یاد دلائے کیونکہ صرف محبت خدا میں باپ کا اپنے عزیز بیٹے کی قربانی پر مستعد ہو جانا ایک عظیم الشان واقعہ ہے اس وجہ سے اُس کی یادگار شریعت محمدی میں قایم کی گئی غرضکہ اِس یادگار اور محبت الہی کے جوش دلانے کے لئے شریعت محمدی میں قربانی مقرر کی گئی ہے نہ یہاں کسی پتھر یا پہاڑ پر بھینٹ چڑھایا جاتا ہے نہ اُس کا لہو کسی مقام پر چھڑکا جاتا ہے نہ خدا کو اُس کا گوشت بھاتا ہے نہ اُس کا لال لال لہو پسند آتا ہے وہ تو ہر ایک سے پرہیزگاری اور نکوکاری چاہتا ہے چنانچہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی اس قربانی کے منسوخ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اگر پادری صاحب کی وہ فرضی قربانی یعنی کفارہ مسیح صحیح بھی ہو تو موسوی قربانی کی ناسخ ہوگی نہ محمدی قربانی کی۔

چونکہ بانی اسلام نے ہر کام و ہر امر میں خدا کی یاد دلانا ایک تمغہ اسلام قرار دیا ہے اسلئے قربانی میں بھی اُسنے یہ حکم کیا تُذْبَحُ عَلٰی اِسْمِ اللّٰہِ یعنی اللہ کا نام لیکر ذبح کر" قربانی میں جسقدر پڑھنا ضروری ہے وہ اسیقدر ہے کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے البتہ اُس وقت کلام مقدس کی دو آیتیں پڑھنا بھی افضل ہیں ایک آیت یہ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ الخ میں یکسو ہوکر متوجہ ہوا اُسی کیطرف جسنے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور میں نہیں ہوں شریک کرنے والا اور دوسری

آیت یہ ہے اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا خدا کے لئے ہے جو پروردگار ہے سارے جہان کا۔

اب پادری صاحب کی دیانت پر مجھے سخت افسوس ہے کہ ان واقعی امور کو چھوڑکر وہ الفاظ جو بعض عوام میں مشہور ہیں نقل کرتے ہیں اور بیدھڑک کہتے ہیں کہ یہ خدا نے سکھایا ہے چنانچہ صفحہ ۲۹۱ میں لکھتے ہیں "خدا تعالے یہ دعا سکھا وے کہ نحمہا للجی دو مہا بدمی الخ" میں دریافت کرتا ہوں کہ یہ دعا جو انھوں نے نقل کی ہے آیا قرآن شریف میں کسی مقام پر ہے یا کسی حدیث میں آئی ہے یا کسی معتبر کتاب میں اسے واجب یا سنت کہا ہے اسکا جواب پادری صاحب بجز سکوت کے کچھ نہیں دیسکتے پھر ایسی صریح فاحش غلطیاں کس وجہ سے ہیں اگر جان بوجھکر ایسا کیا ہے تو وہی فرمائیں کہ یہی حق شناسی اور طلب حق ہے کہ واقعی امر چھپاکر خلق خدا کو گمراہ کرنا اور اگر بے علمی سے ایسا لکھا ہے تو بڑے افسوس کی بات ہے کہ جسے اسلام کی ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کی خبر نہو وہ اسلام کے رد میں کتاب لکھنے بیٹھے ایسا لاعلم شخص بجز اسکے کہ اپنی اوقات تباہ اور نامۂ اعمال سیاہ اور عوام کو گمراہ کرے اور کیا کرسکتا ہے افسوس ہے کہ پادری صاحب نے نہ تو بطور خود مذہب اسلام میں غور و فکر کیا اور نہ کسی محقق سے پوچھ لیا جو کچھ کسی کٹھ ملا سے سنا یا کسی اردو فارسی کی کتاب میں دیکھا اُسے مذہب اسلام کا مسئلہ سمجھا۔ وائے بر غفلت ایشاں۔

دوم طہارت جسمانی۔ پادری صاحب اِس حکم کو ضروری تو قرار دیتے ہیں چنانچہ صفحہ ۲۹۱ میں لکھتے ہیں "ہرچند ایماندار حقیقی جو طہارت قلبی حاصل کرتا ہے اُسکو جسم و جامہ و مکان وغیرہ کی صفائی بھی ضرور ہے" مگر یہ کہتے ہیں کہ اس سے (۱) نہ تو روح پاک ہوسکتی ہے (۲) نہ گناہ معاف ہوسکتے ہیں اور (۳) نہ نجات کا ذریعہ ہوسکتی ہے اور (۴) بعض عبادت کے لئے اسکو شرط قرار دینا بھی غیر معقول ہے۔ یہاں پادری صاحب نے چار باتیں کہیں اوّل یہ کہ طہارت ظاہری سے باطنی طہارت نہیں ہوسکتی۔ اِس کہنے سے اگر یہ غرض ہے کہ فقط طہارت ظاہری سے طہارت باطنی نہیں ہوسکتی تو ہم تسلیم کرتے ہیں مذہب اسلام میں ہرگز یہ حکم نہیں ہے کہ فقط شست و شوئے ظاہری سے باطن پاک

ہو جایا کرتا ہی بلکہ اُس کے لئے بہت سے احکام کی تعمیل ضرور ہی اور اگر یہ مقصود ہی کہ اس ظاہری طہارت کو روح کی پاکی سے کچھ تعلق ہی نہیں ہے تو اس میں گفتگو ہے کیونکہ ظاہری طہارت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ حکم الہی ہو اور بندہ اُسکو اپنے خالق منعم کا حکم جانکر بجالاے۔ دوسرے یہ کہ حکم الہی نہو یا ہو مگر وقت کرنے کے بندے کو اُس کے حکم الہی ہونے کا خیال نہیں ہی محض خواہش نفس اور تفریح طبع کے لئے ہاتھ پیر دھوتا ہے اگر دوسری صورت ہے تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ روح کی پاکی سے اسکو کچھ تعلق نہیں ہے اور اگر پہلی صورت ہے یعنی وہ طہارت حکم الہی ہی اور یہ شخص اُسکو اپنے خالق کا حکم جانکر بجالاتا ہے تو مقتضاے عقل یہی ہی کہ اسکو روح کی پاکی سے تعلق ہونا چاہئے کیونکہ کوئی عاقل اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ تمام احکام الہی کی اصلی غرض انسان کی روح کو پاک کرنا ہے لہذا جو کوئی احکام الہی بجالائیگا اُس کی روح کو پاکی حاصل ہوگی تمام احکام کی بجاآوری کو پاکی میں پورا اثر ہے اور ہر ایک حکم کو تھوڑا تھوڑا مگر اُن احکام میں مراتب کا فرق ضرور ہوگا اور ہر ایک حکم موافق اپنے مرتبے کے روح کی پاکی میں دخل رکھیگا یعنی اگر اعلی مرتبہ کا حکم ہی مثلاً اللہ سے محبت کرنا تو اس سے روح کو کمال مرتبہ کی پاکی حاصل ہوگی اور اگر ادنے مرتبہ کا حکم ہے تو اُس سے تھوڑی پاکی ہوگی۔ اب اگر طہارت جسمانی کا حکم الہی ہونا ثابت ہوجاے تو یہ امر بھی بالضرور ثابت ہوجائیگا کہ اسکو روح کی پاکی میں کچھ نہ کچھ دخل ہے جب اس امر کی تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ توریت اور انجیل اور قرآن مجید بالاتفاق طہارت جسمانی کو حکم الہی بتارہے ہیں چنانچہ توریت اور قرآن مجید میں اس حکم کا ہونا تو پادری صاحب کے نزدیک مسلم ہے البتہ انجیل میں اس حکم کا ہونا مسلم نہیں رکھتے چنانچہ صفحہ ۲۹۲ میں فرماتے ہیں خدا تعالے نے پہلے توریت میں شست و شوے ظاہری مقرر فرمائی اور بعدہ بذریعہ انجیل اسکے بجاے پاکی باطن مقرر کی انتہی اگرچہ پادری صاحب کا یہ مقولہ ایسا ہی کہ توریت و انجیل دونوں پر اس سے الزام آتا ہی کہ اُسمیں پاکی باطن کی کوئی سبیل معین نہ تھی ہزاروں برس تک تمام عالم کو خدا تعالے نے پاک باطنی سے محروم رکھا (نعوذ باللہ منہ) اور انجیل پر یہ الزام ہے کہ اُسنے ایک لخت طہارت جسمانی کو موقوف کردیا

اور طہارت جسمانی کے موقوف کرنے کے معنی سوا اسکے اور کچھ نہیں ہوسکتے کہ نجاست جسمانی کو پسند رکھا آب ناظرین دونوں امرونکو ملاحظہ فرمالیں کہ کیسے ہیں میرے بیان کی ضرورت نہیں مگر میں اسکو پادری صاحب کی سراسر خطا سمجھتا ہوں توریت وانجیل کو جسنے دیکھا ہے وہ اس امر کا یقین کرسکتا ہے کہ طہارت باطنی کا طریقہ جس طرح انجیل میں مذکور ہے اسی طرح توریت میں ہے اور طہارت جسمانی بھی دونوں میں فرض ہے حضرت مسیح چونکہ توریت کے متبع تھے اسلئے اس کی تفصیل اُنھیں ضرور نہ تھی اور پولوس مقدس تو اس کی تصریح بھی کرتے ہیں چنانچہ نامہ دوم قرنتیون میں لکھتے ہیں و پس اے عزیزو چاہیئے کہ ہم ایسے وعدے پاکے آپ کو ہر طرحکی جسمانی اور روحانی نجاست سے پاک کریں" (باب ۷ ورس ۱) اور بیشک یہی حکم خدا کا ہے جسپر خدا کی سب کتابیں متفق ہیں۔ الحاصل یہ امر ثابت ہوگیا کہ طہارت جسمانی حکم خداوندی ہے اور حکم خدا کی تعمیل روح کی پاکیزگی میں بیشک دخل رکھتی ہے۔

ناظرین نے تقریر سابق سے دریافت کیا ہوگا کہ میری غرض یہ نہیں ہے کہ صرف بدن پر پانی ڈالنا روح کو پاک کرتا ہے بلکہ اُس کے لئے ایک فعل قلبی بھی ضرور ہے وہ یہ ہے کہ وقت طہارت کے دل میں یہ خیال کرے کہ چونکہ مجھے اس طرحکی طہارت کا حکم الٰہی ہے یا فلاں عبادت کے لئے یہ طہارت ضروری ہے اسلئے میں تعمیل حکم کرتا ہوں تاکہ اس حکم برداری سے خدا کی نزدیکی حاصل ہو جس طہارت کو روح کی پاکیزگی میں دخل ہے اور جسکی وجہہ سے خفیف گناہوں کے معاف ہوجانے کی امید ہوتی ہے وہ یہی طہارت ہے جس میں یہ خیال پیدا ہوگیا ہو۔ ورنہ اگر تمام دن مُنہ ہاتھ دھویا کرے تو کچھ نہیں ہوتا اس بیان سے یہ عقدہ کھُل گیا کہ ظاہری شُست وشو سے باطنی پاکی میں کیونکر اثر ہوسکتا ہے یعنی معلوم ہوگیا کہ باطنی پاکی فقط اُس ظاہری شُست وشو سے نہیں ہوئی بلکہ بوجہہ اُس خیال کے ہوئی جو حقیقت میں عبادت روحانی ہے جسکا اثر صفای باطن میں ہر ایک عاقل کے نزدیک مسلم ہے اور دوسری اور تیسری بات کے طے کرنے میں ہمیں زیادہ گفتگو کی یہاں ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ طہارت حکم الٰہی ہے اور روح کی پاکی میں بھی اس کو اسی طرح کا دخل ہے جیساکہ حکم الٰہی کو ہونا چاہیئے پھر اگر اُس سے خفیف گناہ معاف ہوجائیں

تو کیا خرابی لازم آئیگی پادری صاحب بیان کریں تعمیل احکام الٰہی کے سبب گناہوں کا معاف ہو جانا عقلاً و نقلاً ثابت ہے اس کی تفصیل تیسرے اختلاف میں دیکھنا چاہیئے جہاں نجات کی بحث کی گئی ہے اور بعض عبادت کے لئے طہارت کا شرط ہونا بالکل مطابق عقل ہے کیونکہ مذہب اسلام میں طہارت جسمانی ہر ایک عبادت میں شرط نہیں ہے مثلاً ہر وقت خدا کی یاد کیا کرے یا خلقت کو کسی نوع سے نفع پہنچائے یا روزہ رکھے یہ سب امور عبادت الٰہی ہیں مگر کسی میں طہارت ظاہری شرط نہیں ہے البتہ اُس عبادت کیلئے شرط ہے جس میں روح کے ساتھ جسم کو بھی پورا پورا دخل ہے مثلاً نماز کہ اُسکے لئے یہ شرط ہے کہ اس طرح دل کو حاضر کرنا اور خیال کرنا چاہیئے کہ میں خداوند کی حضوری میں حاضر ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے اس صورت میں ایک صورت حضوری دربار کی پائی جاتی ہے اسلئے پاس ادب اس امر کو واجب کرتا ہے کہ پاک وصاف ہو کر اُسکے روبرو حاضر ہو اور یہ طہارت بھی ویسی ہونا چاہیئے جو اُس قدوس کے نزدیک پسندیدہ ہو اور اسکا علم بغیر اسکے نہیں ہو سکتا کہ وہ قدوس خود ہی بیان کرے خیال کرنے کا مقام ہے کہ جب ایک گنوار دیہاتی مہذب شہری کے لایق پسند بغیر تعلیم صفائی نہیں کر سکتا تو بندہ خالق کے لایق پسند صفائی بغیر تعلیم کے کیونکر کر سکتا ہے۔ اب اگر انجیل میں باوجود طہارت کو ضروری بتانے کے اُسکا طور نہیں بتایا تو اسقدر اُس میں نقصان رہا اُس کی تکمیل قرآن و حدیث نے کی تمام طہارت کو منسوخ بتانا اور یہ سمجھنا کہ طہارتِ روحانی کیلئے وہ علامت تھی محض نادانی ہے۔

طہارت کی اصلی حالت تو ناظرین کو معلوم ہوئی اب پادری صاحب کے بعض اقوال بھی معلوم کریں لکھتے ہیں "طہارت کا مدعا یہ تھا کہ انسان معلوم کرے کہ جس طرح جسم کی صفائی پانی سے ہوتی ہے اسی طرح روح بنی آدم کی بہ نسبت جسم کے زیادہ تر محتاج طہارت اور پاکی کی ہے (صفحہ ۲۹۱) پادری صاحب جو طہارت کا مدعا بیان کر رہے ہیں یہ خاص اُنکا الہام ہے یا خدا تعالےٰ کا کلام ہے اگر کہیں خدا کا کلام ہو تو دکھلائیں حضرت مسیح کے علاوہ پولوس بھی طہارت جسمانی کا حکم دیتے ہیں پھر آپ اپنے دل سے تمام انبیا کے خلاف یہ مدعا کیسا بیان کر رہے ہیں کیا خدا تعالےٰ کا کلام اور اُس کے احکام

ایسے کم زور اور بے فائدہ ہیں کہ آپ کے خیالات سے باطل اور بیکار ٹھہرینگے یہ کیسا اندھیر ہے
کہ ایک خیالی بنیاد اوٹھاکر احکام خداوندی کو رد کیا جاتا ہے۔ یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ طہارت سے
مدعا یہ تھا کہ انسان تہذیب باطنی کے ساتھ تہذیب ظاہری اور پاکی روحانی کے ساتھ پاکی جسمانی
حاصل کرکے کامل ہوجائے چنانچہ پولوس کے کلام مذکور سے ظاہر ہے اسیواسطے توریت میں دونوں طرح کے
احکام تعلیم کیے گئے اور تمام انبیا اُنکی تلقین کرتے آئے اور قرآن و حدیث بھی مطابق تمام انبیاے
کرام کے تعلیم کرتا ہے اب اگر پادری صاحب کا مدعا یہ ہے کہ وہ تمام احکام آلہی جو طہارت ظاہری سے
متعلق تھے انجیل نے رد کرکے صرف باطنی احکام قایم رکھے تو یہ کہنا ہوگا کہ خدا تعالی نے پہلے تو کمال
حاصل کرنے کیلیے دونوں طرح کی طہارت تعلیم کی اور پھر ایک قسم کی تعلیم کو بالکل موقوف کرکے
انسان کو ناقص بنانا چاہتا ہے مگر ایسی بدگمانی اُس ذات مقدس کی نسبت خلاف ہے لہذا
اس تعلیم کا بالکلیہ موقوف کردینا ہرگز خدا کی طرف سے نہیں ہوسکتا البتہ بمقتضاے مصلحت وقت
اُنمیں کسیقدر تغیر ممکن ہے چنانچہ شریعت محمدیہ میں ایسا ہی ہوا کہ وہ اصلی مدعا یعنے طہارت باطنی
اور ظاہری دونوں قایم رہیں مگر وہ شدت اور سختی جو بنی اسرائیل پر اُنکی سخت دلی کیوجہ سے
تھی شریعت محمدیہ میں نہیں رہی جسکا جی چاہے مقابلہ کرکے دیکھ لے اور پادریصاحب کا صفحہ ۲۹
مین یہ کہنا کہ گویا خدا تعالی نے پہلے توریت میں شست شوی ظاہری مقرر فرمائی اور بعد بذریعہ
انجیل اُسکے بجائے پاکی باطن مقرر کی اور اب پھر اُسکو رد کرتا ہی اور پھر ظاہری پاکی کو بجائے باطنی
کے مقرر کرتا ہے" محض ابلہ فریبی ہے کیونکہ اس قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ توریت میں پاکی
باطن کے احکام نہ تھے انجیل نے مقرر کیے اور شریعت محمدیہ اُن باطنی احکام کو رد کرکے صرف ظاہری
احکام مقرر کرتی ہے اور یہ دونوں امر محض افترا ہیں توریت میں طہارت باطنی اور ظاہری دونوںکے
احکام موجود ہیں انجیل نے کوئی نئے احکام طہارت باطنی کے نہیں بیان کیے اور شریعت محمدیہ میں
نہایت کمال کے ساتھ دونوں طرح کے احکام موجود ہیں ان دونوں باتوں کا ثبوت کما حقہ مختصر ہے
گذر چکا ہے پادری صاحب ذرا انصاف دلی سے ملاحظہ فرمائیں۔

تیسرا حکم بیت المقدس یا خانہ کعبہ کو قبلہ بنانا۔ پادریصاحب صفحہ ۲۹۲ میں بیت المقدس کی نسبت لکھتے ہیں کہ وہ مکان نمونہ جسم اطہر خداوند مسیح کا تھا اور اُسکا یہ بھی مطلب تھا کہ دل انسان مسکن خداوند کریم کا ہووے پھر جب خداوند مسیح کا ظہور قالب انسانی میں ہوا اور ہر مومن مسیح کا دل خانہ خدا بنتا ہے لہذا اب حاجت خانہ سنگی کی نہیں ہے اسیواسطے خداتعالیٰ نے بعد عروج مسیح بیت المقدس کو برباد کردیا انتہے مختصراً۔ میں اِس مقام پر کئی بحثیں لکھنا چاہتا ہوں تاکہ اِس حکم کی اچھی طرح تفصیل ہوجائے

پہلی بحث مطلب مذکور کے رد میں۔ اوّل پادریصاحب یہ تو فرمائیں کہ یہ مطلب آپ نے یا آپ کے مقتداؤں نے صرف حکم شریعت میٹنے کیواسطے بنالیا ہے یا کہیں سے اسکا ثبوت بھی ہے ذرا انصاف کیجیئے کہ اگر بیت المقدس کے بنانیکا یہ مطلب ہوتا جو آپ بیان کررہے ہیں تو جنکے پاس سینکڑوں برس پیشتر سے توریت رہی اُنمیں سے اکثر نہیں تو کوئی فرقہ کوئی گروہ یا کوئی شخص تو اس مطلب کو بیان کرتا پھر کیا لاکھوں خداپرست ربّی اور بہت سے انبیا جو خاص اسی لیے بھیجے گئے کہ خالق کی مرضی مخلوق پر ظاہر کریں سب کے سب اس مطلب سے ناواقف رہے صرف تثلیث پرستوں پر یہ مطلب کھلا کون عاقل اسے باور کرسکتا ہے دوسرے یہ کہ پادریصاحب کتاب مقدس کو ملاحظہ کریں اُسمیں تو صاف صاف اسکا مطلب بیان کردیا ہے چنانچہ تواریخ دوم کے باب دوم میں ہے (۴) دیکھ میں خداوند اپنے خدا کے نام کیلیئے ایک گھر بناتا ہوں کہ اُسکے لیے مقدس کروں اور اُسکے آگے خوشبوی کا بخور جلاؤں اور ہمیشہ کو نذر کی روٹیاں اور صبح شام کی اور سبتوں اور نئے چاندوں اور خداوند ہمارے خدا کی عیدوں کی سوختنی قربانیاں گذرانوں کہ یہ ابدتک اسرائیل پر فرض ہے (۵) اور وہ گھر جو میں بناتا ہوں عظیم ہوگا کیونکہ ہمارا خدا سب معبودوں سے عظیم ہے (۶) لیکن کسکا مقدور ہے کہ اُسکے لیے ایک گھر بناوے حالانکہ آسمان میں بلکہ آسمانوں کے آسمان میں اُسکی سمائی ہو نہ سکے پھر میں کون ہوں جو اُسکے لیے گھر بناؤں مگر فقط اس لیے کہ اُسکے آگے قربانی جلاؤں انتہے

اب فرمائیے کہ جنہوں نے بیت المقدس بنایا ہے وہ تو اُسکا مقصد صرف اِس قدر بیان کرتے ہیں کہ اُس وقت کی معمولی رسمیں عبادت اسمیں ادا کیے جائیں۔ اب ناظرین ہی انصاف فرمائیں

کہ جو مطلب خدا کے رسول بیان کرتے ہیں جنھون نے اُس مکان کو خدا کی مرضی کے مطابق بنایا
اُسے ہم صحیح کہیں یا اُس مطلب کو جو پادریصاحب کے مقتدا کتاب مقدس کے مخالف اپنے دل سے
تراش کر بیان کرتے ہیں۔ غرضنکہ کوئی ایماندار خداترس اس واقعی بیان کو دیکھکر پادریصاحب
کے مطلب کو صحیح نہیں کہہ سکتا۔ تیسرا یہ کہ پادریصاحب کا مطلب تو یہ ہی کہ چھوٹے سے مکان کو
خدا کا مسکن حقیقی ٹھہرائیں حالانکہ کتب مقدسہ اسکو صاف صاف رد کرتی ہیں اور بیان کرتی ہیں
کہ وہ ذات کبریا جسکی ابتدا ہی نہ انتہا نہ کسی مکان میں سما سکتی ہی نہ جسم میں آسکتی ہی چنانچہ تواریخ
دوم کے باب ۲ ورس ۶ سے ظاہر ہوا اور سلاطین اول کے باب ۸ ورس ۲۷ میں حضرت سلیمان
کا قول ہی پر کیا خدا فی الحقیقت زمین پر سکونت کرے دیکھ آسمان اور آسمانون کے آسمان تیری
گنجایش نہیں رکھتے پھر کتنی کمی اس گھر میں ہوگی اور یہی مضمون تواریخ دوم کے باب ۶ ورس ۱۸ میں ہے
اور اعمال کے باب ۷ ورس ۴۸ میں ہی اور سلیمان نے اُسکے لیے مکان بنایا لیکن خدا تعالے
اُن ہیکلوں میں جو ہاتھ سے بنی ہی نہیں رہتا الخ۔ ان حوالوں سے ثابت ہوا کہ خدا تعالے
نہ بیت المقدس میں رہتا ہی نہ کسی اور مکان میں رہ سکتا ہی۔ لہذا جسم مسیح میں بھی اُسکا رہنا
غیر ممکن ہی کیونکہ وہ بھی ایک مکان ہی جب آسمانوں کے آسمان اُسکی گنجایش نہیں رکھتے تو اُس
چھوٹے سے جسم میں کسقدر کمی ہوگی۔ اب جس مقام میں بیت المقدس کو خدا کا مسکن قرار دیا ہی اور
اُسمیں رہنا بیان کیا ہی اُسکے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ وہ مکان مورد انوار الٰہی ہے اب اگر یہ مکان
نمونہ جسم مسیح ہو تو اُسے بھی صرف مورد انوار الٰہی ہونا چاہیے نہ یہ بات کہ خدا اُسمیں سما گیا ہی یہ ایسی
صاف اور صریح باتیں ہیں جسمیں کسی عاقل کو شک و شبہہ نہیں ہو سکتا مگر تثلیث پرستوں کی عقل
پر نہایت افسوس ہی کہ وہ ایسی موٹی باتوں کو بھی نہیں سمجھتے۔ جب بیت المقدس میں خدا کے
رہنے سے بیت المقدس خدا نہیں ہو سکتا تو حضرت مسیح کیونکر خدا ہو سکتے ہیں البتہ اس نمونہ سے
اتنی بات ثابت ہوگی کہ حضرت مسیح مہبط انوار الٰہی ہیں اور اسمیں ہمیں کچھ کلام نہیں۔
چوتھے یہ کہ جب بیت المقدس کا مدعا یہ تھا کہ انسان کا دل خدا کا مسکن ہو تو منسوخ ہونیکی کیا وجہ

یہ مدعا تو ہمیشہ رہنا چاہیے تاکہ ہر ایک شخص اس نمونہ کو سمجھکر اپنے دل کو مسکن خدا بنا دے۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ جب انسان کا دل مسکن خدا بن گیا تو اُس مکان کی حاجت نہ رہی تو کیا حضرت مسیح سے پہلے مومن ابراہیمؑ و مومن موسیٰؑ اور مومن داؤدؑ وغیرہم یا خود انبیاء کرام کا دل مسکن خدا نہ تھا جو اسوقت مکان کی حاجت تھی اور مومن مسیح ہوتے ہی حاجت جاتی رہی یہ کیسا ظلم ہے کہ اُن انبیاء کرام کا دل تو مسکن خدا نہ بنے جو ایک سچے خدا کے ماننے والے اور اُس پر جان و مال فدا کرنے والے اور مہبط انوار الٰہی تھے اور اسوقت عیسائیوں کا دل تین خداؤں کو مانکر اور اپنے گناہوں کے عوض خدا کے معصوم بیٹے کو جہنم میں بھیجکر اور شرابوں کی بوتلیں ڈھلکا کر اور تمام شریعت الٰہی کو بیکار بتا کر خدا کا مسکن بنگیا ذرا کچھ تو خوف خدا کرنا چاہیے کیا انبیاء سابقین بغیر اسکے کہ ان کا دل مسکن خدا بنجائے یونہی نبی اور مہبط انوار الٰہی ہو گئے افسوس عیسائیوں کے نزدیک خدا کے برگزیدہ رسولوں کی اتنی بھی قدر نہیں جتنی ادنی تثلیث پرست شرابی کی ہے باینہمہ اپنے تئیں ایماندار سمجھتے ہیں پڑھتے یہ کتاب مقدس تو اُس مکان کی بربادی کا باعث بنی اسرائیل کی نافرمانی بتاتی ہے (تواریخ ۲ باب ۳۶) اور پادری صاحب مسیح کے ظہور کو بیان کرتے ہیں اور پھر سرور انبیاء پر توریت کی نافہمی کا الزام لگاتے ہیں سبحان اللہ کیا عقل و انصاف ہے کہ جو صریح توریت کی مخالفت کریں اور عقل کو بھی بالائے طاق رکھدیں وہ توریت کے سمجھنے والے ٹھہریں اور جنکا بیان بالکل توریت کے موافق اور عقل سلیم کے مطابق ہو وہ نہ سمجھنے والے قرار پائیں واہ رے بڑی عقل و انصاف اسکے علاوہ کیا پادری صاحبکو یہ خبر نہیں کہ رجعام بن سلیمان کیوقت سے اسیری بابل تک اکثر اوقات بیت المقدس تباہ ہوتا رہا تین مرتبہ تو بخت نصری نے لوٹا اور خراب کیا اول مرتبہ سنہ ۶۰۶ دوسری مرتبہ سنہ ۵۹۹ اور تیسری مرتبہ سنہ ۵۸۶ قبل مسیح بالکل ہی تباہ کر دیا دوم تواریخ کا باب ۳۶ اور اسمالر بائبل ڈکشنری مولفہٗ ولیم اسمتھ مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۶۳ء صفحہ ۲۵۳ ملاحظہ کیجیے۔ اب فرمائیے کہ یہ بربادیاں کیوں ہوئیں اگر بیت المقدس مسیح کے ظہور کا نشان تھا تو اُنکے وجود تک اُسے قائم رہنا چاہیے تھا اور اگر یہ کہیئے کہ اُس بربادی کے بعد پھر بنا یا گیا تو جناب۔ مسیح کے بعد جو برباد ہوا تھا اُسکے بعد بھی

بنایا گیا ہے اور ابتک موجود ہے۔ ولیم بیل صاحب مفتاح التواریخ میں لکھتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ در شہر اورشلیم
است کہ آنجا بیت المقدس در ایام سلف استادہ بود چون یکے از قیاصرہ روم کہ اصنام پرست بود در سنہ
ہفتاد عیسوی بیت المقدس را از بیخ و بن برکندہ مسمار ساخت بعد ازین سہ صد سال قیصر روم بسبب
آن کہ آن مکان مولود حضرت عیسے ست مسجد اقصی تعمیر ساختہ بود حضرت عمر بن خطاب در ایام خلافت
خود سنہ ۶۳۶ء آن شہر را تسخیر نمود" اور اسمار بائبل ڈکشنری کے صفحہ مذکور میں ہے کہ "طیطس رومی نے
بعد بڑے محاصرہ پانچ مہینے کے یروشلم کو سنہ ۷۰ء میں بالکل تباہ کر دیا اور سنہ ۱۳۶ء میں ہدریین بت پرست
نے علاوہ اور عمارتوں کے خاص یروشلم کی جگہ ایک مندر جو پیٹر کا پیٹولینس (دیوتا) کا بنایا اور ایلیا کا
پیٹولینا اُس مندر کا نام رکھا پھر سنہ ۳۳۶ میں شہنشاہ قسطنطین عیسائی نے اندازہ سے خاص اُسی
مقدس جگہ پر عیسائیوں کے طرز کا گرجا تعمیر کیا پھر جسٹینن نے سنہ ۵۳۲ء میں بہت سے گرجا اور شفاخانہ اُسمیں
اضافہ کیے" لیجئے جناب جس طرح حضرت مسیح کے پیشتر بیت المقدس تباہ ہو کر پھر بنایا گیا تھا اسی
طرح بعد مسیح بھی مسمار ہو کر تیار کیا گیا اب فرمائیے کہ پہلی بربادی اور پچھلی بربادی میں کیا فرق ہے
الحاصل بیت المقدس کو جسم مسیح کا نمونہ قرار دینا محض خام خیالی ہے پادری صاحب کے مقتدا اپنی
ناقص عقل سے خدا کی مقرر کی ہوئی باتوں کو اولٹ پلٹ کرنا چاہتے ہیں اور اُسکی اور اُسکی
سچی شریعت پر انگشت نما ہوتے ہیں مگر کیا ممکن ہے کہ اُس حکیم مطلق و عالم الغیب کے احکام
انگشت نمائی کے لائق ہوں کیا ہو سکتا ہے کہ کوئی انسان اپنی عقل ناقص سے اُسکے احکام کو میٹ دے
ہرگز نہیں بلکہ اُسکی وہ بے اصل باتیں جو اُسنے اپنی ناقص عقل سے بنائی ہیں ہر ایک حقانی آدمی کے
نزدیک ناکارہ اور بے بنیاد ثابت ہو جاتی ہیں چنانچہ میرے بیان سے اسکا ثبوت اظہر من الشمس ہو گیا

دوسری بحث بیت المقدس کے بیان میں۔ واضح ہو کہ یہ مقدس مکان شہر یروشلم میں ہے
اور اسکی وجہ سے وہ تمام شہر مقدس گنا جاتا ہے اور اس جگہ کا مقدس ہونا کچھ حضرت سلیمان کے
ہیکل بنانے سے نہیں قرار پایا بلکہ بہت پہلے سے وہ مقام مقدس اور منظور نظر خداوند تعالیٰ تھا
چنانچہ استثنا کے باب ۱۲ ورس ۵ و ۱۱ وغیرہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے اس شہر کا نام سالم تھا

اور ملکی صدق مشہور خدا پرست کا یہ مقام تھا (دیکھو پیدایش ۱۴ | ۱۸) پھر جب یبوسی قوم اس مقام پر آکر رہی تو اسکا نام یبوس ہو گیا آخر میں یہ مقام یروشلم کے نام سے مشہور ہوا زبور ۷۶ میں ہے " خدا یہوداہ کے درمیان مشہور ہے اُسکا نام اسرائیل میں بزرگ ہے اور سالم میں اسکا خیمہ ہے اور صیہوں میں اُسکا مسکن ہے " پادری جوزف اوین اسکی تفسیر میں لکھتے ہیں " سالم سے یروشلم مُراد ہے اور یہ اس شہر کا قدیم نام تھا (پیدایش ۱۴ | ۱۸) لفظ یروشلم دو کلموں سے مرکب ہے یعنی یروش بمعنی میراث اور شلیم اور اُسکے معنی سلامتی کی میراث خدا کی پہلی سکونت گاہ جو اُسنے سلیمان کے ہیکل بنانے سے پیشتر سالم یعنی یروشلم میں مقرر کی وہ ایک خیمہ تھا " ولیم اسمتھ لکھتا ہے کہ " یہودی مفسر اقرار کرتے ہیں کہ سالم اور یروشلم ایک شے ہے جیساکہ زبور ۷۶ میں ہے البتہ عیسائیوں میں صرف جیروم اسکا مخالف ہے وہ کہتا ہے کہ سالم ملکی صدق کی جگہ یروشلم نہیں ہے بلکہ دوسری جگہ ہے سائیتھوپولس کے قریب (پھر لکھتا ہے) یہ امر ہر طرح مسلم ہے کہ سالم موسوم ہوا ہے یروشلم سے (اسمالر بائبل ڈکشنری صفحہ ۵۸۴) غرض کہ یہ مقام قدیم سے متبرک رہا حضرت سلیمان نے ایک ہزار پانچ برس پہلے حضرت مسیح کے اسجگہ نہایت شاندار اور عمدہ ہیکل بنائی اور بیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان ہی کی دعا کی وجہ سے یہ ہیکل قبلہ قرار پائی چنانچہ ۲ تواریخ کے باب ۶ میں ہے اور سلیمان نے اسرائیل کی ساری جماعت کے روبرو خداوند کریم کے مذبح کے آگے کھڑا ہو کے اپنے ہاتھ پھیلائے اور کہا اے خداوند اسرائیل کے خدا تجھسا کوئی خدا نہ آسمان میں ہے نہ زمین میں کہ تو اپنے بندوں کیلیے جو تیرے آگے اپنے سارے دلوں سے چلتے پھرتے ہیں عہد کو حفظ کرتا اور اُن پر رحمت دکھاتا ہے اے خداوند میرے خدا اپنے بندے کی دعا اور زاری پر کان دہرے اور وہ دعا اور زاری جو تیرا بندہ تیرے آگے کرتا ہے سنیے کہ رات دن تیری آنکھیں اِس گھر پر کُھلی رہیں اِس مکان پر کہ جسکی بابت تو نے فرمایا کہ اپنا نام وہاں رکھونگا کہ تو اُس دعا پر جو تیرا بندہ اِس گھر کیطرف متوجہ ہو کے کرے کان

---

۵۱ دیکھو کتاب القضات کا باب ۱۹ ورس ۱۰ و ۱۱ و یوشع کا باب ۱۸ ورس ۲۸ و باب ۱۵ ورس ۸ و تواریخ اول باب ۱۱ ورس ۴ و اسمالر بائبل ڈکشنری مولفہ اسمتھ صفحہ ۴۴۲ - ۱۲

رکھیے اور تو اپنے بندے کی دعا پر اور اپنے گروہ اسرائیل کی دعاؤں پر جو وے اس مکان کی طرف کریں کان دہر اپنے رہنے کی جگہ میں سے آسمان پر سے سُن اور جب تو سُنے تو بخشدے الخ۔ اور کتاب مذکور کے باب ۷ ورس ۱۲ وغیرہ میں اس دعا کا مقبول ہونا مذکور ہی پہر ورس ۱۹ وغیرہ میں ہی پہر اگر تم میری پیروی سے برگشتہ ہوگے اور میری شریعتوں اور عدالتوں کو جو مینے تمھیں بتائیں حفظ نکروگے تو میں اُنھیں اپنی اس سرزمین سے جو مینے اُنھیں دی ہے اُو کھاڑ ڈالونگا اور اس گھر کو جسے مینے اپنے نام کے لیے مقدس کیا ہے اپنی نظر سے گرادونگا اور اسرائیل کو تمام جہان میں ضرب المثل اور کہاوت کردونگا اور یہ گھر جو عالیشان ہے ہر ایک کو جو اُس سے گذرے خرابی کا باعث ہوگا انتہی مختصراً۔ اور سلاطین اوّل کے باب ۸ میں حضرت سلیمان کی دعائے مذکور نقل کرکے باب ۹ میں اُس دعا کی نسبت لکھا ہے (۳) اور خداوند نے اُسے کہا کہ مینے تیری دعا اور تیری مناجات جو تونے میرے آگے کی سُنی ہے اور اس گھر کو جو تونے بنایا کہ میرا نام ابد تک اُسمیں رہے مقدس کیا سو میری نگاہ اور میرا دل سدا اُسی پر رہیگا (۶) پر اگر تم یا تمھاری اولاد میری پیروی سے کسی طرح سے برگشتہ ہو اور تم میری شریعتوں اور میری عدالتوں کو جو مینے تمھیں بتائیں حفظ نہ کروگے اور اجنبی معبودوں کی عبادت کرنے کو جاؤگے اور اُنھیں سجدہ کروگے (۷) تو میں اسرائیل کو اُس سرزمین سے جو مینے اُنھیں دی ہی فنا کرونگا اور اس گھر کو جسے مینے اپنے نام کے لیے مقدس کیا ہے اپنی نظر سے گرادونگا الخ ان دونوں حوالوں سے ظاہر ہوا کہ حضرت سلیمان نے یہ دعا کی کہ جو کوئی اسکی طرف متوجہ ہوکر دعا کرے اُسکی دعا مقبول ہو اور اللہ تعالے نے یہ دعا قبول کی اس سے اُسکا قبلہ ہونا ثابت ہوا کما لا یخفی علی اللبیب پہر جب بنی اسرائیل میں بت پرستی شائع ہوئی اور ۶۹۸ برس قبل مسیح کے منسی کے عہد میں اسکا نہایت زور شور ہوا اور خاص بیت المقدس میں بتوں کی بھینٹ چڑھانے کو اُسنے مذبح بنوائی اور اُسکے اندر بت رکھا جسکا ذکر تواریخ دوم کے باب ۳۳ اور سلاطین دوم کے باب ۲۱ میں ہے پہر منسّے کے بیٹے امون نے اپنے باپ کی پیروی کی پہر یہویقیم اور یہویکین اور صدقیاہ کے عہد میں بھی بت پرستی جاری رہی اور صدقیاہ

کے عہد میں ۵۸۸ یا ۵۸۸ برس قبل حضرت مسیحؑ کے بنوکدنضرشاہ بابل کے خادم بنوزرادان کے ہاتھ سے بیت المقدس تباہ کیا گیا اور اُسمیں جسقدر مال و متاع تھا وہ سب بابل بھیج دیا گیا بلکہ تمام شہر یروشلم برباد کر دیا گیا اور جسقدر باشندے تہ تیغ ہونے سے بچے وہ قید کرکے بھیج دیے گیے صرف محتاج لوگ مزدوری کی غرض سے باقی رکھے گئے۔ پھر بہتر برس کے بعد ۵۱۵ برس قبل حضرت مسیحؑ کے خورس اور دارا شاہان فارس کے حکم سے دوبارہ تیار کیا گیا۔ عزرا کے باب ۶ ورس ۱۴ میں ہے یہودیوں کے بزرگوں نے اسرائیل کے خدا کے حکم کے مطابق اور فارس کے بادشاہ خورس اور ارتخششتا کے حکم کے مطابق تعمیر کی یہاں ارتخششتا نام غلطی سے لکھا گیا کیونکہ اس نام کے دو بادشاہ فارس میں گذرے۔ پہلے نے اُسکی تعمیر موقوف کر دی تھی اور دوسرا اُسکی تیاری کے ۵۸ برس بعد بادشاہ ہوا پھر اسقدر پیشتر اُسکا حکم کیونکر ہو سکتا ہے۔ غرضکہ بیت المقدس دوبارہ بنایا گیا مگر پھر دشمنوں کے ہاتھ سے برباد ہوا اور تیسرے مرتبہ ہیرود اعظم نے حضرت مسیح کے سولہ برس پیشتر پھر سے تعمیر کیا مگر اسپر بھی بنی اسرائیل شرارت سے باز نہ آئے یہانتک کہ حضرت مسیح مبعوث ہوئے اُنکو بھی بہتوں نے نہ مانا اسلیے پھر وہ مکان برباد ہوا اور مرضی خدا یہ ہوئی کہ اب وہ قدیم خانہ خدا جو اُسکے خلیل حضرت ابراہیمؑ نے بنایا تھا آباد ہو۔ اسکے بعد پھر بھی یہ مکان تعمیر کیا گیا اور بت پرستوں کے عہد میں جوپیٹر دیوتا کا مندر۔ اور عیسائیونکے عہد میں اُنکا گرجا اور مقدس مکان رہا جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اور جب سے یہ مکان مسلمانونکے ہاتھ میں آیا اُسوقت سے اسکی بربادی موقوف ہوئی اور تیرہ سو برس سے بدستور قائم ہے یہ امر اسبات کی کامل دلیل ہے کہ مسلمان ہی خدا کی سچی شریعت پر عمل کرنیوالے اور اُسکے برگزیدہ ہیں ورنہ یہ مقدس مکان جو بنی اسرائیل کی بداعمالیونکی وجہ سے ہمیشہ تباہ ہوتا رہا انکے قبضہ میں اس عرصۂ دراز تک صحیح و سالم نہ رہتا ہاں چونکہ اُس کا قبلہ ہونا ایک

---

۱ مدت میں شک اسوجہ سے کیا گیا کہ اسکاٹ صاحب اپنی رومن تفسیر میں ۵۸۸ لکھتے ہیں اور بیبل کے حاشیہ پر اور مقدس کتاب کے احوال میں ۵۸۶ لکھا ہے ۲ دوم سلاطین باب ۲۵ اور دوم تواریخ باب ۳۶ ۳ عزرا کے باب ۱ سے ۶ تک متن اور حاشیہ اور مقدس کتاب کا احوال ملاحظہ ہو ۴ لغت کتاب مقدس ڈاکٹر سمتھ مطبوعہ ۱۸۶۳ء مرزاپور مشن پریس میں ارتخششتا کا بیان۔ ۵ عزرا باب ۴ ورس ۲۱-۲۴ ۶ یہ مدت عزرا کے باب ۷ اور اُسکا حاشیہ دیکھنے سے ظاہر ہے ۷ متی باب ۲۱ ورس ۱۲ کی رومن تفسیر اسکاٹ ملاحظہ ہو ۱۲ --

شرط کے ساتھ مشروط تھا اور وہ شرط نباہی گئی اسلیے وہ قبلہ نہ رہا۔
اس بیان سے کئی باتیں ثابت ہوئیں اوّل یہ کہ بیت المقدس کی جگہ قدیم سے متبرک تھی۔ دوسرے یہ کہ حضرت سلیمان کے وقت سے وہ قبلہ قرار پایا۔ پادری جی ایل بھی عدم ضرورت قرآن کے صفحہ ۳۲ میں اسکا اقرار کرتے ہیں "یہود ہمیشہ بیت المقدس کیطرف منہ کرکے نماز پڑہتے تھے جسوقت سے سلیمان نے ہیکل کی تقدیس کی اُس وقت سے یہی انکا قبلہ رہا دانیل باب ۶ آیت ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ دانیل اپنی کوٹھڑی کا دریچہ جو یروشلم کیطرف تھا کھول کر خدا کے حضور دعا اور شکر گزاری کرتا رہا" باقی رہا یہ امر کہ اس سے پیشتر وہ قبلہ تھا یا نہ تھا اسکا ثبوت عیسائیوں کی کتاب میں میری نظر سے نہیں گذرا۔ تیسرے یہ کہ ہمیشہ اُس پر توجہ رکھنے کا وعدہ ہے بشرطیکہ بنی اسرائیل احکام خداوندی کے پابند رہیں اور اگر پابندی نکرینگے تو اُس مکان سے نظر توجہ اُٹھ جائیگی اور ایسا ہی ہوا یہاں سے ثابت ہوا کہ وہ مکان نمونہ جسم مسیح ہرگز نہ تھا ورنہ بشرط فرمانبرداری اُسکے قائم رکھنے کا وعدہ خداوند کریم نہ فرماتا اور وقت نافرمانی کے اُسے تباہ نکرتا کیونکہ نمونہ ہونیکی تقدیر پر اُسکا قیام اور تباہی حضرت مسیح کے ہونے اور نہونے پر ہوتی اور بجائے شرط فرمانبرداری کے یہ کہا جاتا کہ جسم مسیح جبتک موجود نہو اُس وقت تک یہ مکان قائم رہیگا اور پھر برباد کر دیا جائیگا اور جب یہ نہیں کہا گیا تو اُس مکان کو جسم مسیح کا نمونہ کہنا خدا کے کلام کو صاف صریح تحریف کرنا اور اُسکے مدعا کو پلٹ دینا ہے پادری صاحب ذرا انصاف دلی سے غور فرمائیں۔

تیسری بحث خانہ کعبہ کے بیان میں۔ خدا کی اُس سچی کتاب سے جو توریت و انجیل پر مشتمل اور اُنکی مکمل ہے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ یہ مقدس خانہ خدا حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بنایا ہوا ہے یہ پاک مکان خدا کا ایسا مقبول اور پیارا ہوا کہ کسی وقت کسی کے ہاتھ سے اسکی بربادی خدا نے پسند نہیں کی یہاں تک کہ ابرہا بادشاہ جب اُسکے مسمار کرنے کو چڑھ آیا تو خدا تعالے نے اُسے غیبی اور قدرتی مار سے ایسا تباہ و برباد کر دیا کہ جہان کی تواریخ میں اُس واقعے کی نظیر ملنا دشوار ہے اگرچہ بت پرستوں کے عہد میں وہاں بت رکھے ہوئے تھے مگر وہ نجاست ایک عارضی امر تھی جیسے

کسی برگزیدہ شخص کے بدن پر کوئی پلیدی لگا دے اس سے اُس شخص کے برگزیدہ ہونے میں کسی طرح کا نقص نہیں ہو سکتا یا جس طرح بیت المقدس میں منسّی وغیرہ کے عہد میں بت رکھے گئے تھے مگر اس سے اُس مکان کے مقدس ہونے میں کوئی نقص نہیں آیا البتہ بیت المقدس اور کعبہ شریف میں اسقدر فرق ہوا کہ بیت المقدس پر نظر توجہ کا ہونا مشروط بشرط تھا اور کعبہ شریف کے منظور نظر ہونے میں کوئی قید اور شرط نہیں تھی وہ ہر حال میں مورد عنایات رہا بیت المقدس باربار مخالفوں کے ہاتھوں سے بے حرمت ہوتا رہا اور خانہ کعبہ کی بیحرمتی ایک مرتبہ بھی خدا نے پسند نہیں فرمائی۔ عرب کے لوگ گرچہ حضرت ابراہیمؑ کو اپنا دادا اور مقتدا اور رہنما یقین کرتے تھے مگر چونکہ بہت عرصے تک ان میں کوئی نبی نہیں بھیجا گیا اسیوجہ سے سخت جہالت انمیں پھیل گئی تھی اور مثل بنی اسرائیل کے بت پرست ہو گئے تھے فرق ان دونوں گروہوں میں اسقدر تھا کہ بنی اسرائیل میں باوجودیکہ ہمیشہ نبی موجود رہے اور فہمایش کرتے رہے اور خدا کیطرف سے بھی ہمیشہ تنبیہ ہوتی رہتی تھی مگر پھر بھی وہ اپنی بدکاریوں سے باز نہیں آتے تھے اور بیچارے عرب بوجہ جہالت اور کسی مصلح کی نہونے سے بت پرستی وغیرہ میں مبتلا ہو گئے تھے۔

عرب میں بت پرستی کی بنیاد علامہ شہرستانی اِس طرح بیان کرتے ہیں کہ عمر بن لحی بادشاہ مکہ اپنی بادشاہت کے عہد میں ملک شام کو گیا تھا وہاں ایک قوم کو بت پرستی کرتے دیکھا اُس نے دریافت کیا کہ یہ کیا کرتے ہو اُنھوں نے کہا کہ اصل میں یہ ہمارے پروردگار ہیں ہم اِنسے مدد مانگتے ہیں ہم اِنسے شفا چاہتے ہیں یہ ہمیں مدد دیتے ہیں یہ ہمیں شفا بخشتے ہیں عمر کو یہ بات پسند آئی اور اُنسے ایک بت مانگا اُنھوں نے ہبل نامی ایک بت دیا عمر نے اُسے لاکر کعبہ میں رکھا اور لوگوں کو اُسکی تعظیم کے لیے کہا لوگوں نے قبول کر لیا۔ اور یہ بھی شہرستانی نے لکھا ہے کہ یہ بادشاہ عرب شاپور شاہ فارس کے عہد میں تھا اب اگر یہ شاپور ابن اردشیر بن بابک ہے تو چار سو برس سے بت پرستی کی ابتدا وہاں ثابت ہوگی اور اگر شاپور ذوالاکتاف ہے جو شاپور اول کی اولاد میں ہے تو کچھ کم تین سو برس پیشتر اسلام سے وہاں بت پرستی کی ابتدا ہوگی کیونکہ شاپور ثانی ۲۹۰ برس

قبل اسلام کے پیدا ہوا تھا اور ۲۷ برس کی عمر ہوئی اور تمام عمر اسکی سلطنت رہی (ابوالفدا) شاہ ولی اللہ صاحب فوز الکبیر میں تخمیناً تین سو برس بت پرستی کی ابتدا لکھتے ہیں۔ اس سے دوسرے قول کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

پادری صاحب صفحہ ۲۹۵ میں یہ امر ظاہر کرتے ہیں کہ کعبہ حضرت ابراہیم کا بنایا ہوا نہیں ہے کیونکہ کتب عہد عتیق میں کسی مقام پر اسکا ذکر نہیں پایا جاتا مگر پادری صاحب کی لاعلمی قابل افسوس ہے کیا وہ اس بات کا دعوی کر سکتے ہیں کہ تمام قصے کتب عہد عتیق میں لکھے ہیں ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ کل حالات سے قطع نظر جن شخصوں کے حالات اُسمیں مذکور ہیں بہت سے اُن میں ایسے ہیں جنکے پورے حالات نہیں ہیں اور اسکی تصریح خود اُسی کتاب میں بیسیوں جگہ موجود ہے میں چند حوالے نقل کرتا ہوں ملاحظہ کیجیے۔ سلاطین میں سے (۱) یوآس (۲) یہوآخز (۳) امصیاہ (۴) یربعام (۵) سلوم (۶) خرقیاہ (۷) رحبعام (۸) ابیاہ (۹) آخز (۱۰) منسی (۱۱) یوسیاہ۔ وغیرہم کے حالات مذکور ہیں مگر کل حالات؎۱ نہیں ہیں سلاطین دوم اور تواریخ دوم ملاحظہ کرنا چاہیے پھر جس طرح ان لوگوں کے کل حالات کتاب مقدس میں مذکور نہیں ہوے اسی طرح حضرت ابراہیم کا کعبہ بنانا اور عرب میں آنا اگر ذکر نہیں کیا گیا تو کیونکر اُسکی نفی ہو سکتی ہے کیا اندھیر ہے کہ وہ کتاب تو خود کہہ رہی ہے کہ میں کل حالات کی متکفل نہیں پھر بھی پادری صاحب کسی حال کے اُسمیں نہونے سے اُسکی تکذیب کرتے ہیں۔ اور اگر اسپر بھی اُنہیں اپنے دعوی پر اصرار ہے تو اُنھیں عہد جدید کی بھی تکذیب کرنی ضرور ہوگی کیونکہ اُسمیں بھی بعض باتیں ایسی مذکور ہیں جو عہد عتیق میں نہیں ہیں مثلاً متی باب ۲ ورس ۲۳ میں حضرت مسیح کی نسبت لکھا ہے کہ "وہ جو نبیوں نے کہا تھا پورا ہوا کہ وہ ناصری کہلائیگا" یہ مضمون کسی عہد عتیق کی کتاب میں نہیں ہے اور ۲ طمطاوس کے باب ۳ ورس ۸ میں ہے "اور جس طرح کہ ینِّیس اور یمبریس نے موسی کا سامنا کیا" اور نامہ یہوداہ کے ورس ۹

۱؎ دیکھو سلاطین ۲ کا ۱۲/۱۹ و ۱۳/۸ و ۱۴/۱۵و۱۸و۲۸ و ۱۵/۱۵ و ۲۰/۲۰ و تواریخ ۲ کا ۱۲/۱۵ و ۱۳/۲۱ و ۲۸/۲۶ و ۳۲/۱۹ و ۳۵/۲۶و۲۷ وغیرہ ۱۲ھ

میں ہے کہ جب میکائیل نے شیطان سے تکرار کر کے موسی کی لاش کی بابت بحث کی" اب دیکھیے کہ حضرت موسی کے حالات عہد عتیق میں مفصل مذکور ہیں مگر ینوینس اور یمبریس کا سامنا کرنا کہیں لکھا ہے اور نہ موسیٰ کی لاش کی بابت میکائیل کی بحث لکھی ہے مگر یہاں پادری صاحب کو کچھ تردد نہیں ہوتا اور پھر اظہار حق کا دعوی ہے اب اگر حضرت ابراہیم کا کعبہ شریف بنانا اسوجہ سے غلط ہے کہ توریت میں اُسکا ذکر نہیں ہے تو حضرت موسیٰؑ کے حالات مذکورہ اور ستی کا حضرت مسیح کو ناصری کہنا بھی غلط ہو گا اور اگر یہ غلط نہیں ہیں تو حضرت ابراہیم کا کعبہ بنانا بھی غلط نہیں ہے ذرا انصاف کیجیے اور یہ جو پادری صاحب لکھتے ہیں کہ "بلکہ خلاف اسکے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کبھی اسماعیل کے پاس عرب کو نہیں گئے" محض خلاف ہے اسیوجہ سے پادری صاحب اسکا حوالہ نہیں دیسکے باوجودیکہ دوسری مرتبہ جو نیاز نامہ ۱۸۶۸ء میں چھپا ہے اسکے حاشیہ پر پادری صاحب نے جابجا حوالے لکھے ہیں مگر اس مقام پر نہیں لکھا۔ خوب یاد رہے کہ یہ بیان ہمارا صرف اس غرض سے ہے کہ پادری صاحب کی ناحق کوشی اظہر من الشمس ہو جائے ورنہ ہمیں اسقدر کہنا کافی ہے کہ حضرت ابراہیم کا کعبہ بنانا خدا کی اُس سچی کتاب سے ثابت ہے جو توریت وانجیل پر مشتمل ہے اور اب جسے پادری صاحب کتاب مقدس کہتے ہیں وہ کتاب ایسی نہیں ہے جسکے اقرار یا انکار پر کسی واقعہ کی صحت یا عدم صحت موقوف ہو جیساکہ ہم پہلے مقدمہ میں ثابت کر چکے ہیں۔

چوتھی بحث - اس امر میں کہ بیت المقدس یا کعبہ شریف کے قبلہ بنانے سے کیا مقصود تھا اس امر کو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ بیت المقدس کیطرف جو سجدہ کیا گیا یا کعبہ شریف کیطرف جو سجدہ کیا جاتا ہے اس سے یہ مقصود توہرگز نہیں تھا اور نہ ہے کہ کل مکانات یا انکا کوئی حصہ یا اُن کی کوئی اینٹ پتھر پرستش کے لائق ہے (نعوذ باللہ منہ) اور نہ یہ مطلب ہے کہ خدا تعالےٰ اِن مکانوں میں

سلہ عہد عتیق میں صرف اس قدر ہے کہ فرعون نے داناؤں اور جادوگروں کو طلب کیا اور انھوں نے حضرت موسے کے سامنے اپنا کرشمہ دکھایا مگر ان دو شخصوں کا کہیں ذکر نہیں ہے مفسرین کہتے ہیں کہ بطریق روایت کے معلوم ہوا ہے چنانچہ صفحہ ۳۲۷ مشرح فقرۂ بائبل میں اجو نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی کے اخراجات سے ترجمہ ہو کر لندن میں چھپی ہے لکھا ہے ۱۲۔

سمایا ہوا ہے جیسا عیسائی جسم مسیح میں اعتقاد کرتے ہیں (نعوذ باللہ منہ) شریعت محمدیہ نے خالص خدا کی عبادت قائم کی ہے وہ نہایت زور و شور سے بت پرستی اور انسان پرستی کو نیست و نابود کرتی ہے خانہ کعبہ کو سمت قبلہ قرار دینے کی یہ وجہیں ہیں۔

اوؔل یہ کہ بیان سابق سے یہ امر ثابت ہوگیا کہ انسان کے کامل ہونیکے لیے طہارت ظاہری اور باطنی اور عبادت روحانی اور جسمانی دونوں کا ہونا ضرور ہی اسی غرض سے شریعت محمدیہ میں نماز مقرر کی گئی ہی جسمیں عبادت روحانی اور جسمانی دونوں ہیں اس عبادت میں توجہ باطنی اور جوش قلبی کے برانگیختہ کرنے کو سمت قبلہ مقرر کی گئی ہی کیونکہ خدا تعالےٰ اُس مقدس مکان کو اپنا گھر فرماتا ہے اس نظر سے سچے ایمان دار اور خدا کے جان نثار کو اس خیال سے کہ میں اس مکان کیطرف متوجہ ہوں جسکو خالق کون و مکان نے اپنی طرف منسوب کیا ہی اور اپنا گھر فرمایا ہی کیسا ذوق شوق پیدا ہوگا اور عبادت آلہی میں لطف آئیگا جسکا بیان نہیں ہو سکتا اسیوجہ سے شریعت محمدیہ میں یہ حکم ہی کہ جس مقام پر کعبہ شریف کی جہت معلوم نہو وہاں اپنے دل میں خوب غور کرے اور جس طرف اسکا دل شہادت دے کہ وہ مکان جسکو میرے خدا نے اپنا گھر فرمایا ہے اس طرف ہی اُسی طرف نماز پڑہے اب واقع میں اُس طرف کعبہ شریف ہو یا نہ ہو اس سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ اس طرف مُنہ کرنے سے مقصود یہی ہی کہ اُسکا دل اُس خالق کون و مکان کیطرف متوجہ ہو جائے اور اس سوچنے اور غور کرنیسے یہ مدعا حاصل ہو جاتا ہے۔ دوؔم یہ کہ بانی اسلام کو نظام عالم کی غرض سے اتفاق باہمی پر نہایت نظر ہے اسیوجہ سے بہت سی باتیں مقرر کی ہیں جنکی بنا اسی عمدہ مسئلہ پر ہے اسی غرض سے نماز کیلئے بھی وہ صورت تعلیم کی جس سے اتحاد باہمی ظاہر ہو اور اس امر کیطرف اشارہ ہو کہ سبکو چاہیے کہ ایکدل ہو کر اُس معبود یکتا کی عبادت کریں۔ سوؔم یہ کہ چونکہ اسلام ملت ابراہیمی ہے اس لیے اُسی کے بنائے ہوئے بیت اللہ کیطرف اُسکے ماننے والوں کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تاکہ معلوم ہو کہ ان خدا پرستوں کو اُس پُرانے ہادی اور خلیل خدا سے رابطہ ہی جسکو خدا تعالےٰ نے تمام عالم کے لیے ہدایت کا سرچشمہ اور رہنمائی کا مرکز بنایا تھا۔ غرض کہ ان وجوہ سے اُس طرف مونہ کرکے خدا کی عبادت کرنے کا حکم ہے ورنہ قرآن

شریف میں صاف صاف فرمادیا ہے وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ یعنی پورب اور پچھم سب اللہ کا ہے جدہر تم پھرو اسی طرف اللہ کی ذات ہے کسی خاص مکان یا کسی خاص جہت میں وہ سمایا ہوا نہیں ہے البتہ کعبہ شریف کو اسقدر خصوصیت ہے کہ تجلی گاہ ربانی اور مورد انوار یزدانی ہے اس بیان سے تو خانہ کعبہ کیطرف متوجہ ہونیکی وجہ معلوم ہوگئی اور ابتدا میں جو بیت المقدس کیطرف توجہ کی گئی اُسکی وجہ آئندہ بیان ہوگی۔ الغرض یہ امر ثابت ہوگیا کہ قبلہ کیطرف متوجہ ہونا عبادت روحانی کا مکمل ہے پھر کیا پادری صاحب کے مقتدا اسکو منسوخ بناکر کامل کو ناقص کیا چاہتے ہیں۔

یہ امر بھی معلوم کرلینا چاہیے کہ شریعت محمدیہ نے خانہ کعبہ کی عمارت اور درودیوار یا پتھرونکی طرف متوجہ ہونیکا حکم نہیں دیا بلکہ اُس مقام کی طرف جہاں وہ عمارت بنی ہوئی ہے بالفرض اگر اُس جگہ عمارت نہ ہوتی یا خدانخواستہ نرہے تو بھی اُسی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے کیونکہ مورد انوار وہ جگہ ہے نہ خاص درودیوار۔ یہان سے معلوم ہوا کہ پادری صاحب نے صفحہ ۲۹۳ میں شریعت محمدیہ کا جو یہ حکم بتایا ہے کہ "اُن پتھروں کی طرف شرق و غرب اور جنوب وشمال سے سجدہ کریں" محض غلط ہے۔

پانچویں بحث تحویل قبلہ کے بیان میں۔ اِس بیان میں پادری صاحب نے عوام کو عجب مغالطہ میں ڈالا ہے چنانچہ ۲۹۵ میں لکھتے ہیں کہ "حسب ادعاے قرآن و حدیث کے پہلے خدا تعالے نے حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے بعد تک تو خانہ کعبہ کو مسجود خلائق و بیت اللہ قرار دیا پھر اُسکو چھوڑ بنی اسرائیل کا معبد بیت المقدس ٹھہرایا پھر انجیل سے اُسکی پابندی موقوف ہوئی اُسکے بعد پھر کعبہ معبد مقرر ہوا بعدہ وہ بھی منسوخ ہوا اور بیت المقدس کیطرف سجدہ کرنے کا حکم ملا پھر یہ حکم بھی منسوخ ہوا اور پھر کعبہ قبلہ قرار دیا گیا انتہے ملخصًا۔

اب میں کہتا ہوں کہ اگر پادریصاحب نے حقانیت کی راہ سے بعد تحقیق یہ تحریر کی ہے تو براہ عنایت ان کل تغیرات کو جو قرآن و حدیث و انجیل کیطرف منسوب کیا ہے اِن کتابوں سے ثابت کردیں

ورنہ پھر حقانیت کا دعوی نکریں فرمائیں توکس آیت وحدیث میں ہے کہ خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیم و اسمعیل کے بعد تک مسجود خلائق اور بیت اللہ قرار دیا اور پھر اُسے چھوڑ کر بنی اسرائیل کا معبد بیت المقدس ٹھہرایا اور انجیل کے کس مقام سے بیت المقدس کیطرف متوجہ ہونا منسوخ ہوا۔ میں بالیقین کہتا ہوں کہ پادری صاحب کے پاس اس دعوی کی کوئی سند نہیں ہے اسیوجہ سے اُنہوں نے اپنے رسالہ کے طبع ثانی میں بھی اسکا حوالہ نہیں دیا۔ افسوس ہے کہ پادریصاحب ذرا بھی تحقیق نہیں کرتے جو کچھ اُنہوں نے سُن لیا ہے یا کہیں لکھا ہوا دیکھ لیا ہے اُسے قرآن وحدیث کیطرف منسوب کر دیا ہے وائے برنا عاقبت اندیشی ایشان۔

حقیقت حال یہ ہے کہ قرآن مجید سے یہ امر بیشک ثابت ہے کہ خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل نے بنایا اور اُسکی نسبت اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ ہمنے اسے لوگونکا مجمع قرار دیا ہے چہار طرف سے لوگ یہاں آئینگے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہمنے ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ کو وحی کی کہ میرے گھر کو پاک رکھو طواف کرنے والوں کے لیے اور اسکے اندر بیٹھنے والوں کیلئے تاریخ ابن خلدون کی جلد ۲ میں کعبہ کی نسبت لکھا ہے۔ فرفع قواعدھا مع ابنہ اسمعیل وصیرھا خلوۃ لعبادتہ وجعلھا حجا للناس کما امرہ وانصرف الی الشام فقبض ھنالک انتھے یعنے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کے ہمراہ کعبہ کی بنیادیں اوٹھائیں اور بموجب حکم خداوند کریم اُسے اپنی عبادت کے لیے خلوت کدہ اور لوگوں کے لیے حج قرار دیا اور پھر ملک شام کیطرف چلے گئے اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔

قرآن مجید میں اُسوقت اُسکے قبلہ ہونے کا ذکر نہیں ہے ہاں بعض روایتوں میں اسکا ذکر ہے اُنکے بموجب یہ ثابت ہوگا کہ حضرت ابراہیم سے لیکر بنی اسمعیل میں تو ہمیشہ ہی قبلہ رہا البتہ بنی اسرائیل کو بیت المقدس کیطرف متوجہ ہونیکی اجازت دی گئی مگر اس اجازت سے خانہ کعبہ کو چھوڑنا کس طرح لازم آگیا وہ مکان بنی اسمعیل کا معبد اور قبلہ جس طرح چلا آتا تھا ویسا ہی چلا آیا حضرت مسیح چونکہ بنی اسرائیل کے لیے نبی تھے اور خود بھی اُنھیں کی اولاد میں تھے اسیلیے وہ بھی بیت المقدس کو بیت اللہ سمجھتے رہے (دیکھو متی ۲۱/۱۲ و یوحنا ۲/۱۴) نہ اُنھوں نے اُسکی پابندی موقوف کی نہ کوئی

عبادت روحانی علاوہ توریت کے تعلیم فرمائی اور نہ بیت المقدس کو بیت اللہ کہنا عبادت روحانی کے مخالف ہے پھر اُسے موقوف کرنا چہ معنی دارد۔ بعدازاں جب حضرت سرور انبیاؐ مبعوث ہوئے تو اُسوقت دو قبلے تھے بنی اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس اور بنی اسمٰعیل کا خانہ کعبہ مگر وہ مشرکوں کا زمانہ تھا خانہ کعبہ میں بت رکھے تھے اِسوجہ سے آنحضرت نے اپنی رائے سے بیت المقدس کیطرف توجہ اختیار کی مگر خانہ کعبہ کی بزرگی سے بھی آپ واقف تھے اسلیے آپ اُسے پشت دیکر نماز نہیں پڑہتے تھے البتہ جب مدینہ شریف تشریف لے گئے تو مجبور ہوئے اور خانہ کیطرف پشت کرنا پڑی شاید اسیوجہ سے بعضوں نے یہ سمجھا کہ جب تک آپ مکہ میں رہے تو خانہ کعبہ کیطرف متوجہ ہوتے تھے جب مدینہ میں تشریف لائے ہیں اُس وقت بیت المقدس کیطرف متوجہ ہوئے اور سترہ ۱۷ مہینے کے بعد پھر کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے حالانکہ تحویل صرف ایک ہی مرتبہ ہوئی یعنی بیشتر آپ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوتے تھے مدینے شریف میں آکر چند ماہ کے بعد کعبہ شریف کیطرف متوجہ ہونیکا حکم ہوا فقط ایک یہی تغیر معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت یہ بھی کوئی تغیر نہیں ہی کیونکہ بیت المقدس کیطرف متوجہ ہونیکا حکم نہیں ہوا تھا تاکہ یہ کہا جاے کہ پہلے وہ حکم ہوا تھا پھر یہ ہوا بلکہ پہلا امر آنحضرتؐ کا اجتہادی تھا مگر چونکہ اِس اجتہاد نبوی کی بنا نہایت صحیح اور عمدہ مصلحت پر تھی اسلیے خدا نے اُس سے روکا نہیں بلکہ قائم رکھا اُس مصلحت کو خدا تعالےٰ اپنے کلام پاک میں اس طرح بیان فرماتا ہی وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ جس قبلہ پر تو تھا (یعنی بیت المقدس) اُسے ہمنے اسلیے قبلہ ٹھہرایا تھا تاکہ جان لیں کہ کون ہی رسول کی تابعداری کریگا اور کون اولٹے پیروں پھر جائیگا۔ اہل عرب کے ذہن میں خانہ کعبہ کی کمال عظمت بیٹھی ہوئی تھی اور آنحضرتؐ بھی اُسکی عظمت کرتے تھے مگر قبلہ نہیں قرار دیتے تھے یہ انھیں نہایت شاق و ناگوار ہو گا اب باوجود ناگواری کے محض باتباع رسول خدا اُسے بسروچشم قبول کرنا کمال ایمان کی دلیل ہی اور ایمان کا پورا امتحان ایسی باتوں سے ہو جاتا ہے اِسکے علاوہ یہ امر بھی تھا کہ اُس وقت خانہ کعبہ میں بت رکھے ہوئے تھے اور بہت سے مسلمانوں کو بت پرستی

چھوڑے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا اگر اوس حالت میں اونھیں خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہوتا تو سب عادت عبادت خدا میں بتوں کے تصور کا گمان تھا اس لئے حضرت سرور انبیاء ﷺ اگرچہ بنی اسمٰعیل سے تھے اور آپ کا مذہب بھی ملت ابراہیمی تھا مگر آپ بیت المقدس کی طرف متوجہ رہتے جب وہ عذر جاتا رہا اور بت پرستی کو چھوڑے ہوئے بھی عرصہ ہو گیا اوس وقت خدا تعالے نے اصلی قبلہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا جو ہمیشہ سے بنی اسمٰعیل کا قبلہ تھا اور چونکہ آنحضرت ﷺ کی بعثت عام تھی اسلئے اب بنی اسرائیل کو بھی اسی قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ضرور ہوا - اس بیان سے واضح ہو گیا کہ اس حکم میں کسی طرح کا تغیر نہیں ہوا یہ اصلی بات تھی جسکو پادری صاحب نے پھیر پھار کر عوام کی نظروں میں بہت سے تغیرات دکھائے ہیں یہ نہیں سمجھا کہ اگر ایسے تغیرات کو مان لیا جاے تو پادری صاحب اوسپر کیا اعتراض کرتے ہیں کیا ان کی کتاب میں اس قسم کے تغیرات نہیں ہیں ذرا غور کریں مثلاً مسئلہ طلاق ہے کہ انجیل کے بیان سے اوس میں کئی طور کا تغیر ثابت ہوتا ہے - یعنے حضرت موسےؑ سے پہلے تو ہر ایک باعث سے طلاق دینا جائز نہ تھا حضرت موسے کے وقت میں جائز ہو گیا پھر حضرت مسیح کے وقت میں خاص زنا پر اسکا حصر کیا گیا ان تغیرات کے بعد بھی وہ حکم ناقص رہا (تعلیم دواز دہم صفحہ ۱۵ وغیرہ ملاحظہ کرنا چاہیے) پادری صاحب ان تغیروں کو اہل انصاف کے روبرو پیش نہیں کرتے اور یہ نہیں فرماتے کہ ایسے احکام اس علیم و حکیم و غیر متغیر و قادر مطلق کی طرف سے کیونکر ہو سکتے ہیں اب اگر کسیکو یہ شبہہ ہو کہ بیان سابق سے تو معلوم ہوا کہ جب آنحضرت مکہ شریف میں تھے تو بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوتے تھے حالانکہ بعض نے لکھا ہے کہ اسوقت آپ خانہ کعبہ کیطرف متوجہ ہوتے تھے اور مدینے آکر آپ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوئے جیسا کہ پادری صاحب نے تفسیر بیضاوی سے نقل کیا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ اس امر میں بعض نے اختلاف کیا ہے مگر صحیح امر یہی ہے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں پادری صاحب نے جو تفسیر بیضاوی کا حوالہ دیا ہے اوس میں دونوں قول لکھے ہیں جو قول پادری صاحب نے نقل کیا ہے اس قول کے نیچے لکھا ہے "ضعفہ ابن حجر فی فتح الباری" یعنے ابن حجر عسقلانی نے بخاری کی شرح فتح الباری میں اس قول کا ضعیف ہونا بیان کیا ہے - مگر

پادری صاحب کا یہ مقتضائے دیانت ہے کہ جس قول کو اوسمیں ضعیف لکھا ہے اوسے تو نقل کر کے اعتراض کرتے ہیں اور جو قول اوسمیں صحیح لکھا ہوا ہے جسپر اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا اوسے نقل ہی نہیں کرتے ہم متحیر ہیں کہ یہ کیسا اظہار حق ہے ناظرین انصاف فرمائیں۔

آب میں چند شواہد اپنے دعوے کے اثبات میں پیش کرتا ہوں **اوّل** علامہ ابن اثیر اپنی کتاب الکامل فی التاریخ میں ۲ھ ہجری کے واقعات میں لکھتے ہیں۔ وفیہا صرفت القبلة من الشام الی الکعبة وکان اول ما فرضت القبلة الی بیت المقدس والنبی صلے اللہ علیہ وسلم بمکة انتہی۔

دوم سیرت ابن ہشام میں عقبہ ثانیہ کے بیان میں ابن اسحق سے مروی ہے کہ کعب بیان کرتے ہیں کہ ہم بقصد حج مدینہ سے مکہ کو چلے اور ہمارے ساتھ براء بن معرور بھی تھے براء نے کہا کہ میرے دل میں یہ آتا ہے کہ کعبہ کی طرف نماز پڑہوں کعب نے کہا کہ ہم کو تو ہمارے نبی سے یہی پہونچا ہے کہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑہیں ہم اسکے خلاف نہیں کر سکتے الحاصل راستے میں براء نے کعبہ کی طرف نماز پڑہی اور کعب وغیرہ نے بیت المقدس کی طرف پڑہی جب مکہ میں پہونچے تو رسول اللہ سے دریافت کیا حضرتؐ نے براء بن معرور سے کہا کہ قد کنت علی قبلة لو صبرت علیہا قال فرجع البراء الی قبلة رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وصلے معنا الی الشام۔ یعنے بلاشک تو ایک قبلہ پر تھا اگر تو اوسی پر ٹہرا رہتا (تو بہتر ہوتا) کعب کہتے ہیں کہ (حضرتؐ کے فرمانے کے بعد) براء رسول اللہؐ کے قبلہ کی طرف پھر گئے اور ہمارے ساتھ بیت المقدس کی طرف نماز پڑہی اس بیان سے بھی بخوبی ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ مکہ میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑہتے تھے

سوم علامہ زین الدین عمر بن الوردی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ کانت الصلوٰة بمکة وبعد مقدمہ الی المدینہ ثمانیة عشر شہرا الی بیت المقدس۔ یعنے مکہ میں اور بعد تشریف لانے کے مدینے میں اٹھارہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑہی جاتی تھی۔

چہارم تفسیر کبیر میں ہے لانہ علیہ الصلوٰة والسلام کان متوجہا الی بیت المقدس حین کان بمکة۔ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔ فامر اللہ تعالے حین کان بمکة ان یتوجہوا الی بیت المقدس

تمیز داعن المشرکین یعنے حب اہل اسلام مکہ میں تھے تو خدا تعالے نے بیت المقدس کیطرف متوجہ ہونے کا حکم[51] کیا تاکہ مشرکوں سے امتیاز ہوجائے پنجم علامہ جلال الدین روضۃ الاحباب میں تحریر کرتے ہیں ۔ بدانکہ ایۃ سلف اختلاف واندور آنکہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم در مکہ پیش ہجرت بکدام جہت نماز میگذارد وابن عباس وجماعتے دیگر برانند کہ بجانب بیت المقدس نماز میگذارد ۔ ولیکن کعبہ را تمام بجانب قفائے خو دنمیگذاشت بلکہ چناں مے ایستاد کہ کعبہ بریک طرف وے بود واقع امنیت **ششم** ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت سرورعالم کا مکہ میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا صحیح ہے اور بعض کا یہ قول کہ خانہ کعبہ کی طرف پڑھتے تھے ضعیف ہے ۔ پس محققین کے اقوال سے بھی وہی ثابت ہوا جو ہمنے لکھا تھا لہذا اسکے خلاف پر توجہ نچاہیئے ۔

چھٹی بحث اس بیان میں کہ شریعت حقہ میں ایسے احکام ہونا چاہئیں جو دنیا کے کسی مذہب اور کسی قوم میں نہ پائے جائیں یا ایسا ہو نا ضرور نہیں ہے اور شریعت موسوی اور عیسوی کے احکام بت پرستوں وغیرہ کی رسوم سے بالکل علیحدہ ہیں یا نہیں ۔

چونکہ پادری صاحب نے شریعت محمدیہ پر طعن کیا ہے کہ اوسمیں کوئی عمدگی نہیں ہے کیونکہ بعضے رسمیں اوسکی تو شریعت موسوی سے نقل کی گئیں ہیں مگر وہ بھی نافہمی سے اور بہت رسمیں بت پرستوں وغیرہ کی ہیں جن میں تھوڑا سا تغیر کردیا گیا ہے اس لئے مجھے دو امروں کی تحقیق ضرور ہوئی اول یہ کہ شریعت حقہ میں بعض ایسے احکام ہوسکتے ہیں یا نہیں جو وقت نزول شریعت کے دنیا کی کسی قوم میں رائج ہوں ۔ دوسرے یہ کہ شریعت موسوی اور عیسوی کے احکام بت پرستوں وغیرہ کے احکام سے بالکل علیحدہ تھے یا نہیں مگر نہایت غور اور کامل تحقیق کے بعد پہلے سوال کا یہی جواب ہوتا ہے کہ سچی شریعت میں بعض ایسے احکام ہوسکتے ہیں جو دنیا کے مذاہب اور قوموں میں رائج ہوں اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ شریعت موسوی

---

[51] اگرچہ صحیح امر یہ ہے کہ بیت المقدس کیطرف متوجہ ہونا آنحضرتؐ کا اجتہادی امر تھا دتفسیر فتح العزیز پارہ اول ملاحظہ ہو، مگر چونکہ خدا تعالےٰ نے اوس سے منع نہیں فرمایا اسلئے وہ حکم خدا تعالےٰ قرار دیا گیا ۱۲

اور عیسوی کے احکام بت پرستوں وغیرہ کے احکام سے ہرگز علیحدہ نہیں ہیں لہذا پادری صاحب کا یہ طعن اونکی کمال حق پوشی یا بے علمی ثابت کرتا ہے اگر وہ نبی کی ماہیت دریافت کر لیتے اور توریت وانجیل کے احکام کو بنظر تحقیق دیکھتے تو میں امید کرتا ہوں کہ ایسی بات زبان سے نہ نکالتے۔ اب میں یہ امر بیان کرتا ہوں کہ نبی کے آنے سے کیا مقصود ہوتا ہے اور کیا اوس کا کام ہے واضح ہو کہ نبی اپنی قوم کا مصلح اور مربی اور ہدایت کنندہ ہوتا ہے اسکے لئے یہ ضرور نہیں کہ اپنی قوم کی تمام بھلی اور بری بات کو مٹا کر ایک انوکھی شریعت تعلیم کرے جو انھوں نے کبھی کانوں سے بھی نہ سنی ہو بلکہ بالہام الٰہی اوسی قوم کے عقائد اور افعال وعادات کی اصلاح کرتا ہے جو باتیں ان میں بری رائج ہیں اونہیں بحکم خدا مٹاتا ہے اور جو بری نہیں ہیں انھیں قائم رکھتا ہے اور بعض باتوں میں بسبب مصلحت کم و بیش تغیر کرتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی قوم اور کوئی گروہ ایسا نہیں پایا گیا کہ اون میں کل عادات واطوار اور کل عقائد خراب ہی ہوں اور کوئی بات اونمیں اچھی نہ ہو کیونکہ اول تو ہر ایک قوم میں اللہ تعالیٰ نے کم و بیش ہدایت کرنے والے ضرور بھیجے ہیں جیسا کہ اسکی وسیع رحمت اور شفقت عامہ کا مقتضا ہے۔ دوسرے یہ کہ خداوند تعالیٰ نے ہر ایک انسان میں جو ایک ہادی رکھا ہے یعنے عقل وہ بھی ایسی شے ہے کہ اگرچہ بعض مقام پر غلطی کرے مگر بہت سی عمدہ عمدہ باتیں انسان کو ہدایت کرتی ہے پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ باوجود عقل وشعور کے کسی قوم میں رکو وہ کیسی ہی بدتر حالت میں ہو، تمام باتیں اور ان کے کل افعال اور رواج باطل اور ناپسندیدہ ہوں۔ الغرض یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ ہر ایک قوم میں کچھ نہ کچھ باتیں عمدہ ضرور ہوتی ہیں۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ نبی اون عمدہ باتوں کو بھی مٹا دے جو ان کے کسی ہادی ظاہری یا باطنی نے تعلیم کی تھیں یہی امر تمام انبیا کی شریعت دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے مثلاً حضرت موسے علیہ السلام نے جو شریعت بیان فرمائی وہ کوئی انوکھی شریعت نہ تھی بلکہ اوس میں بعینہ اکثر وہی احکام تھے جو اوس وقت کے بت پرستوں میں رائج تھے البتہ کہیں کہیں کسی قدر تغیر کر دیا تھا اس کی تفصیل تو بہت طویل ہے اہل علم توریت وغیرہ کو ملاحظہ

کرکے خود دریافت کرسکتے ہیں مگر میں بطور نمونہ چند باتیں بیان کرتا ہوں۔

(۱) مشرکین بھینٹ چڑھانے کے لئے بیدی یعنی قربانگاہ بناتے تھے حضرت موسیٰ کو بھی مذبح بنانے کا حکم ہوا (۲) تواریخ سے بخوبی ثابت ہے کہ بت پرستوں میں پرش میدھ اور اشو میدھ یعنی آدمی اور گھوڑے اور دیگر جانوروں کے نام پر بھینٹ چڑھائے جاتے تھے۔ توریت میں خطا کی قربانی اور سوختنی قربانی اور سلامتی کی قربانی وغیرہ مقرر ہوئیں پھر اوسکے قواعد وضوابط اور رسوم جو جس قدر بیان ہوئے ہیں وہ بھی حیرت انگیز ہیں بعینہ بت پرستوں کے افعال ہیں یا بالکل اون کے مشابہ مثلاً خطا کی قربانی سے کاہن لہو لیکر اپنی انگلی ڈبوئے اور مقدس کے پردے کے سامنے سات مرتبہ چھڑکے اور مذبح کی دیوار پر چھڑکے باقی لہو مذبح کی جڑ پر چھوڑے اور سوختنی قربانی کیلئے لکھا ہے۔ کہ کاہن کتان کا پیراہن پہنے اور اس قربانی کو مذبح پر جلاوے اور اوسکی راکھ اوسکے قریب دھرے پھر وہ کپڑے اوتار کر دوسرے کپڑے پہنے اور اوس راکھ کو خیمے کے باہر ڈالے اور مذبح پر آگ ہمیشہ جلتی رہے ہرگز بجھنے نہ پاوے (احبار باب ۴ و ۵ و ۶) اسیطرح اور بہت سے احکام ہیں غرضکہ اس قسم کی قربانیاں بت پرستوں کی رسم تھی ان میں سے صرف آدمی اور گھوڑے کی قربانی کو موقوف کردیا۔ اور دیگر جانوروں کی قربانی کو بدستور جاری رکھا البتہ شریعت محمدیہ نے ان سب قربانیوں کو منسوخ کردیا ہے (۳) جریان والے مریض کے احکام کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ خود ناپاک اوسکے سارے کپڑے ناپاک اور جو شے اوسکے بدن کو لگ جائے وہ ناپاک اور جو کوئی اوسکے بدن کو یا اوسکی چھوئی ہوئی چیز کو چھوئے وہ ناپاک اور یہی حال حائضہ عورت کا ہے کہ وہ بھی بالکل اچھوتی ہو جاتی ہے (احبار باب ۱۵) پادری صاحب فرمائیں کہ یہ سب احکام بت پرستوں کے ہیں یا نہیں۔ (۴) مبروص کے لئے چار بار کی صفائی کا حکم ہے احبار کا باب ۱۴ درس ۹ ملاحظہ ہو۔ اور ساتویں روز اپنے سر کے سب بال اور اپنی ڈاڑھی اور بھوئیں غرض اپنے سارے بال منڈاوے۔ اور حضرت مسیح نے بھی اوسکی تعمیل کا حکم فرمایا ہے (متی ۸ ۴) پادری صاحب ملاحظہ کریں کہ پورا بھدرا یہ ہے جسے مشرکین اب تک پراگ میں جاکر کیا کرتے ہیں۔ اسلام لیسی

رسم تسبیح کو ہرگز جائز نہیں رکھتا (۵) ہیکل میں عبادت کے وقت مجیرے جھانجھ دکرتال (بربط دنول، بین دہرہی) بجانا نرسنگھا پھوکنا اور لاویوں کو باجوں کے لئے اور کاہنوں کو نرسنگھوں کے لئے مقرر کرنا (۲ تواریخ باب ۲۹) پھر یہ سب باتیں ہندمیں پوجا کے وقت پوجاری اور پروہت اب تک کرتے ہیں یا نہیں (۶) نیاون کرنا پتھر پر تیل ڈالنا اور ہوم کرنا (پیدایش باب ۳۵/۱۴ خروج باب ۹/۴۲) پھر یہ کیا بت پرستوں کی رسمیں نہیں ہیں (۷) ختنہ کے بارے میں جس قدر تاکید توریت میں ہے اوسیقدر مصریوں میں تھی (اسمال بائیبل ڈکشنری مولفہ ڈاکٹر اسمتھ میں ایجپشین کا بیان ملاحظہ ہو) اب میں کہاں تک بیان کروں ناظرین کتاب خروج اور احبار کو ملاحظہ کریں اوس وقت معلوم ہوجائے گا کہ شریعت موسوی کو بت پرستوں کی رسموں سے کس قدر مشابہت ہے - یہاں پادری صاحب کا وہ قول قابل ملاحظہ ہے جو انھوں نے صفحہ ۲۸۵ و ۲۸۶ میں لکھا ہے کہ شریعت ظاہری موسوی کی غرض یہ تھی کہ بنی اسرائیل بت پرستوں کی رسم و رواج مذہبی سے کنارہ کش ہوں اور اون سے ممتاز ہوں پس جب بنی اسرائیل ظاہری شریعت موسوی پر عمل کرکے عبادت آلہی کے خوگر ہوئے اور بت پرستوں سے جدا ہوئے اور خدا کی بتلائی ہوئی شریعت کے مطابق عبادت بجالانے لگے تب خدا نے اون کے باطنی حقائق کو ظاہر کردیا انتہے ملخصًا -

مقام افسوس ہے کہ باوجود اس قدر مشابہت تامہ کے پادریصاحب شریعت موسوی کو خدا کی طرف سے بتاتے ہیں اور اوسکے نزول کی غرض یہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل بت پرستوں سے ممتاز ہوجائیں اور شریعت محمدیہ کو ادنی مشابہت کی وجہ سے منزل من اللہ نہیں کہتے بلکہ بت پرستوں کی رسمیں بتاتے ہیں وائے برنا انصافی ایشان -

آب شریعت عیسوی کو دیکھئے جسے آپ کامل اور مکمل سمجھتے ہیں اوسمیں بھی کوئی تعلیم نئی نہیں ہے بلکہ اوسوقت جو تعلیم حکما اور بت پرستوں اور یہود اور بدھ مت والوں میں رائج تھی اوسیکا انتخاب ہے اہل یورپ نے اپنی تصانیف میں بخوبی ثابت کردیا ہے کہ شریعت عیسوی گوتم بدھ اور حکما اور

بت پرستوں کی تعلیم سے لی گئی ہے مثلاً مرید ت نے اپنی کتاب میں حضرت مسیح کے اقوال و افعال کو بت پرستوں اور جوگیوں کے اقوال اور افعال سے ملایا ہے۔ اور اکسہو مونے شریعت عیسوی کی اخلاقی تعلیم کو کنفیوشس کی کتاب سے منقول بتایا ہے۔ ڈاؤ صاحب نے تعلیم عیسوی اور بدھ کو یکساں کیا ہے۔ اور آئینہ تاریخ نما کے صفحہ ۹۶ میں ہے "کام عیسیٰ مسیح کا اور وعظ کہنا اونکا بدھ کے کام اور وعظ سے بہت مطابقت رکھتا ہے۔

جن صاحبوں نے کتب مذکورہ کا ملاحظہ کیا ہے وہ توبے تامل میرے مقولہ کی تصدیق کرینگے مگر جنکی نظروں سے یہ کتابیں نہیں گذریں عجب نہیں کہ اونھیں تامل ہو اس لئے میں نمونے کے طور پر چند باتوں کا مقابلہ کرکے دکھاتا ہوں تاکہ کسی صاحب کو تامل کی گنجایش نہ رہے۔ (۱) گوتم بدھ اپنے مذہب کی منادی خود بھی کرتا پھرتا تھا اور اپنے معتقدوں کو بھی اس کام کی تاکید کرتا تھا اور کہتا تھا کہ راہ راست پر چلنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اوسکا وعظ کل بنی آدم کو سنانا پر ضرور ہے اسی طرح سے حضرت مسیح خود بھی منادی[۵۲] کرتے تھے اور اپنے معتقدوں کو بھی اسکا حکم کیا تھا۔ (۲) آریہ فرقہ غیر آریہ یعنے شودروں کو نہایت حقیر اور ذلیل سمجھتے تھے گوتم بدھ نے اپنی تعلیم میں سب کو یکسان کردیا اور برہمن اور شودر کو یکساں دہرم کا ادہکاری ٹھہرایا[۵۳] اسیطرح بنی اسرائیل غیر قوموں کو کمال حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اون کے یہاں جانے اور اون سے صحبت رکھنے کو بہت برا جانتے تھے حضرت مسیح اور حواریوں نے سب کو یکساں ٹھہرایا[۵۴] (۳) برہمنوں نے شاستر کی تعلیم آریہ فرقوں سے خاص کی تھی بدھ نے عام طور پہ تمام فرقوں کو تعلیم دی اسی طرح بنی اسرائیل اپنی ہی قوم سے توریت کی تعلیم کو خاص کرتے تھے حواریوں نے اسے عام کردیا (۴) بدھ مذہب میں عام طور پر دین میں لانیکا حکم ہے مگر اوسکے ساتھ یہ بھی ہے کہ جبر نکیا جائے بلکہ تعلیم اور ترغیب سے دین میں لائے جاویں۔ ہنٹر صاحب لکھتے ہیں[۵۵] کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدھ مذہب میں نسبت اور

۵۱ ترجمہ مختصر تواریخ اہل ہند مولفہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب صفحہ ۱۱۰ ملاحظہ ہو ۱۲ ۵۲ لوقا ۱۴ باب ۲۳ ملاحظہ ہو ۱۲ ۵۳ آئینہ تاریخ نما کا صفحہ ۹۶ و ملاحظہ ہو ۱۲ ۵۴ اعمال ۱۰ باب ملاحظہ ہو ۱۲ ۵۵ تاریخ اہل ہند حصہ اول مولفہ ہنٹر صاحب کا صفحہ ۱۴۲ ملاحظہ ہو ۱۲

ناہوں کے نہ صرف وہی کہ جو پانے کی زیادہ وہ تاکید آئی ہے بلکہ تحمل اور بردباری بھی زیادہ ثواب
عیسائی بھی ان سب باتوں کے اپنے مذہب میں ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ وہ بودھ کا مقولہ ہے کہ کل چیزیں
تبدل کی حالت میں ہیں مگر میری تعلیم کو ہرگز تغیر نہیں۔ سند بتی کا قول بھی ہے کہ تقریباً یہ وہ ہے کہ
آسمان اور زمین ٹل جائیں گے پر میری باتیں ہرگز نہ ٹلینگی (متی ۲۴ب ۳۵ د) کنفیوشس کی کتاب کے
۱۳ خلق میں ہے [illegible] دوسروں کے ساتھ وہ کرو جیسا کہ تم چاہتے ہو کہ دوسرا تمہارے ساتھ کرے۔
اور تمام اخلاق کی یہی اصل ہے۔ انجیل متی کے باب ۷ درس ۱۲ میں بعینہ یہی تعلیم حضرت مسیح کی ہے۔
اب ہم انجیل متی کے باب ۵ کی تعلیم کو دوسرے مذاہب میں دکھاتا ہوں تاکہ ہمارے عیسائی بھائی معلوم
کرلیں کہ وہ تمام وہ تعلیم جس پر وہ ناز کرتے ہیں اور نہایت کامل اور مکمل تعلیم جانتے ہیں وہ بھی
انجیل سے مخصوص نہیں ہے بلکہ سیکڑوں برس پیشتر اون مذاہب میں پائی جاتی ہے جنہیں عیسائی من
جانب اللہ نہیں کہتے ملاحظہ ہو۔ (۱) کسی کو ایذا نہ دینا اور ہر ایک پر شفقت اور مہربانی کرنا متی
کے باب ۵ درس ۲۲ میں ہے جو کوئی اپنے بھائی پر بے سبب غصہ ہو عدالت میں سزا کے لائق ہوگا
پادری ٹھاکر داس صاحب عدم ضرورت قرآن کے صفحہ ۹۵ میں لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح نے اس حکم
سے خون کے ارادے کی جڑ کو دل سے دور کیا تاکہ خون کی نوبت ہی نہ پہونچے" میں کہتا
ہوں کہ پادری صاحب کو چشم انصاف کھول کر بت پرستوں وغیرہ کی کتابوں کو دیکھنا چاہیے
کہ وہاں سیکڑوں برس پیشتر سے اس ارادے کی جڑ کو دل سے دور کیا ہے۔

منوسمرتی کے ادھیائے دوم اشلوک ۱۶۱ میں ہے ایسے کام کی اگیا دینا چاہیے جسمیں کسی جاندار
کو تکلیف نہ ہو اور دوسرا تمام آدمی کو میٹھی بانی بولنا چاہیے" اور ادھیائے ششم کے اشلوک ۸ میں
ہے "سب جیووں پر دیا رکھے" ہنٹر صاحب لکھتے ہیں "قربانیوں کے بجائے بدھ نے تین حصے
فرائض مقرر کئے ہیں۔ یعنے اپنے نفس پر قادر ہونا اور غیروں کے ساتھ شفقت سے پیش آنا
اور ہر ذی حیات کی جان کا لحاظ رکھنا۔ راجہ اشوک شہنشاہ ہند جو بدھ مذہب کا نہایت پیرو اور

۵۱ ترجمہ مختصر تاریخ اہل ہند حصہ اول مولفہ ہنٹر صاحب کا صفحہ ۱۰۸ ملاحظہ ہو ۱۲ ۵۲ ترجمہ مختصر تاریخ اہل ہند کا صفحہ ۱۱۰ ملاحظہ ہو ۱۲ ۵۳ آئینہ تاریخ نما کا حصہ سوم صفحہ ۷۷۰۰۸ ملاحظہ ہو ۱۲

معین تھا اوسنے اپنے راج کی سرحد پرا ور بڑے بڑے شہروں میں ہر طرف پتھر کی چٹان اور لاٹوں پر چودہ حکم کھدوا دیئے تھے اون میں سے ساتویں حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر مذہب والوں کو کچھ دکھ نہ دینا اور بیراٹ کی چٹان پر یہ کھدا ہوا ہے کہ راجہ پر یہ درشی مگدہ کے سنگھ کو حکم دیتا ہے کہ جاندار کو ہرگز نہ ستاویں الخ۔ اب پادری صاحب انصاف سے کہیں کہ پانچ چھ سو برس پیشتر حضرت مسیح کے ان دونوں مذہبوں نے خون کے ارادے کی جڑ کو کیسا دل سے دور کیا ہے۔ اور کس طرح صاف صاف شفقت عامہ کا حکم دے کر ایذا رسانی کا انسداد کیا ہے۔ انجیل میں کونسی بات زیادہ ہے جس کی وجہ سے اس حکم کے نزول کی ضرورت ہوئی۔

(۸) باب مذکور کے درس ۲۸ میں بنظر شہوت عورت کو دیکھنے سے منع کیا ہے۔ منو سمرتی کے ادھیائے دوم اشلوک ۱۷۹ میں بھی یہی تعلیم ہے یعنی عورتوں کو دیکھنا اور ان سے ملنا بالکل ممنوع ٹھہرایا ہے (۹) اور درس ۳۲ میں طلاق کو زنا پر منحصر کیا ہے۔ مگر یہ بھی کوئی نیا حکم نہیں ہے بلکہ ربی شمعی کی رائے ہے اور حضرت مسیح کے عہد میں اکثر یہودی اسی رائے کے پابند تھے۔ چنانچہ علمائے مسیحیہ نے متی کے باب ۱۹ درس ۳ کی شرح میں لکھا ہے "اس سوال کا جو جواب ہمارا خداوند دیتا تو ضرور تھا کہ کوئی برا مانتا کیونکہ ربی لوگ اسکی بابت ریعنے طلاق کے مختلف رائے رکھتے تھے بعضے سمجھتے تھے کہ جسوقت جورو اپنے شوہر کو کسی طرح رنجیدہ کرے تو ایسی حالت میں اگر وہ اوسے طلاق دے تو واجبی کرے گا پر اکثر کہتے تھے کہ زنا کے سوا کسی دوسرے سبب سے اوسکا چھوڑنا مناسب نہیں" (شرح فقرہ بائبل صفحہ ۴۳ مطبوعہ ۱۸۶۶ء لندن ملاحظہ ہو) تفصیل اسکی تعلیم دوازدہم میں دیکھنا چاہئے (۱۰) درس ۳۴ میں قسم کھانیکو منع کیا ہے یہ حکیم فیثاغورث[1]

[1] یونانی حکیم پانسو چالیس برس پہلے حضرت مسیح سے پیدا ہوا تھا اسکو علم کہانت میں کمال تھا اکثر پیشین گوئیاں اسکی سچ ہوتی تھیں تحصیل علوم کے شوق میں جابجا اسنے سفر کیا مدت تک مصر میں رہا اور مصریوں کی دینی باتوں کو دریافت کیا پھر کلدانیہ کے شہروں کو گیا اور آتش پرستوں کے علوم سیکھے پھر مشرقی ممالک میں پھرتا ہوا ہندوستان میں آیا اور یہاں کے ہندو فاضلوں سے مختلف علوم میں تکرار اور بحث کر کے کریٹ میں پہنچا یہ حکیم جاندار کی قربانی کو برا جانتا تھا اور حکم کرتا تھا میانہ روی کا۔

کی تعلیم تھی اُسکا مقولہ تھا کہ قسم کھانا اور خدا کا نام لیکر گواہی دینا حرام ہے بلکہ ہر ایک آدمی کو لازم ہے کہ اپنے نفس پر سختی کرے اور کمالات سے متصف ہو تا کہ کسی کو اوسکی بات میں شک نہ رہے۔

(۱۱) ورس ۳۹ سے ۴۴ تک جو تعلیم ہے اگر اوسکا ظاہری مطلب لیا جائے تو کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا اس لیئے مفسرین بائبل کو یہی کہنا پڑا ہے کہ ورس ۳۹ سے ۴۱ تک جو کچھ کہا گیا ہے اوس سے مقصود صرف تحمل اور برداشت کی عادت کرنا ہے اور ۴۴ ورس میں جو دشمن کو پیار کرنیکا حکم ہے اوس سے مراد دشمن سے مروت اور نیک سلوک کرنا ہے (دیکھو رومن تفسیر اسکاٹ اور شرح فقرہ بائبل میں ورس مذکورہ کی شرح) یہ تعلیم بھی حکما اور بت پرستوں کے یہاں بخوبی موجود تھی چنانچہ کنفیوشس کی کتاب کے خلق ۳۵ میں ہے "نیکی کا بدلہ نیکی کے ساتھ کر اور کبھی بدی کے بدلے میں بدی نہ کر" اور منو سمرتی کے ادھیائے دوم اشلوک ۱۶۱ میں ہے "دُکھی ہونے پر بھی ایسی بات نہ کہے جس سے کسی کے دل پر گھاؤ لگے" اور ادھیائے ششم کے اشلوک ۴۸ میں ہے کہ "اپنے اوپر کوئی غصہ کرے تو آپ اوسپر غصہ نہ کرے اور اگر اپنی برائی کرے تو بھی اچھی باتوں سے اوسے خوش کرے" اور اشلوک ۴۷ میں ہے "کہ لوگوں کی بیہودہ باتوں کی برداشت کرے اور کسیکی توہین نہ کرے اور نہ کسی سے دشمنی رکھے" اور اشلوک ۹۲ میں دہرم کے دس لکشن قرار دیئے ہیں اون میں سے ایک لکشن (یعنے خصلت) عفو تقصیر کرنا ہے یعنی کسی سے نقصان پاکر اوسکا نقصان نہ کرنا۔ دوسرے غصہ کرنے والی بات پر غصہ نہ کرنا۔ اس مقام پر عفو تقصیر اور تحمل اور برداشت کو گویا ایمان کا جزو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۸ اور ظاہر کو باطن کے ساتھ موافق کرنے کا اور والدین سے سلوک کرنے کا اور ریاضت کی عادت کرنیکا اور بزرگوں کی حرمت اور عزت کرنے کا اور خداوند کریم کی عبادت اور اطاعت کا اسکے نصائح میں سے یہ کلمات بھی ہیں کہ دنیا چندروزہ ہے کسیکو یہاں مقام نہیں اس واسطے کسی سے لڑنا اور عناد کرنا نہ چاہیے بلکہ ہر طرح کی خواہشات حیوانی یعنے غصہ بیرحمی اور زناکاری اور دغابازی اور ایسے ایسا بی وغیرہ سے انسان کو احتراز لازم ہے۔ (بمبئی گزٹ مطبوعہ یکم نومبر ۱۸۷۵ء نمبر ۴ ۸۹۶ ملاحظہ ہو)۱۲

لہ اصلی تفصیل کے لیئے تکمیل الادیان اور اس کتاب کا صفحہ ۱۳۹ - ۱۴۱ ملاحظہ ہو ۱۲

ٹہ حکیم سقراط کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک شخص نے اوسکے تھپڑ بہت زور سے مارا لیکن وہ کچھ نہ بولا بلکہ ہنسنے لگا۔ ۱۲ منہ

قرار دیا ہے پھر اس سے زیادہ تحمل اور بردباشت کی اور کیا تعلیم ہوگی غرضکہ یہ تعلیم بھی کماحقہ حضرت مسیح کے پہلے موجود تھی اگر فرق ہے تو اس قدر کہ انجیل کے ظاہری مطلب پر مخالفین انگشت نما ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ تعلیم حکما اور بت پرستوں کی کتابوں سے لیگئی مگر نافہمی کے ساتھ آپ پادری صاحب فرمائیں کہ انجیل کی کونسی اخلاقی تعلیم ہے جو پہلے سے حکما و غیرہ[لہ] میں رائج نہ تھی۔ کیا انھوں نے اپنے علماء کا مقولہ نہیں سنا کہ "اگر انجیل کبھی کھو جائے تو ارسطو کی دانائیوں کو یاد رکھنے سے کلیسیا کو وہی فائدہ ہوگا جو انجیل سے ہوتا" یہ تو احکام و اخلاق کا حال تھا اب عقائد[لہ] بلاحظہ کرنا چاہیے جو اصل اصول مذہب ہیں (۲) مشرکین کا اعتقاد تھا کہ خدا تعالے جسم انسانی میں اوتار لیتا ہے وہی عیسائیوں کا عقیدہ ہے جس طرح وہ کرشن جی کو اوتار مانتے ہیں اسیطرح یہ حضرت مسیح کو جانتے ہیں (۳) جس طرح ہنود تثلیث مانتے تھے اسی طرح عیسائی مانتے ہیں۔ تثلیث ہنود کی تفصیل ہنٹر صاحب[لہ] اس طرح بیان کرتے ہیں "قدیم ہنود دیوتاؤں کے خیال سے جو ویدوں میں بکثرت خلط ملط پائے جاتے ہیں خدائے واحد کا تصور پیدا ہوا اور اس تصور نے تین پاک صورتوں میں ظہور پکڑا یعنے برہما خالق بشن حافظ شیو نیست و نابود اور پھر موجود کرنے والا۔ ان میں سے ہر ایک کا مصداق وید کے دیوتا پائے جاتے ہیں وہ ہنوز اہل ہنود کی تثلیث کے تین اقانیم موجود ہیں برہما پہلا اقنوم یا رکن ہے بشن جو اس تثلیث کا اقنوم ثانی ہے دس مرتبہ

لہ پادری عماد الدین صاحب کہیئے کہ اب آپ کی انجیل فضول ٹھہرتی ہے یا نہیں اب کس منہ سے آپ انجیل کی ضرورت اور قرآن مجید کی عدم ضرورت کہیں گے خدا کے لئے انصاف کیجئے گا ۱۲ لہ ہندی تواریخ کلیسیا چھاپہ بپٹسٹ مشن کلکتہ ۱۸۴۹ء صفحہ ۱۶۳ ملاحظہ ہو ۱۲ لہ اگرچہ ہم بالیقین جانتے ہیں کہ جو عقائد ہمنے یہاں بیان کئے ہیں وہ ہرگز خدا کی کسی کتاب میں نہیں ہیں اور توریت و انجیل ان عقاید سے بالکل منزہ ہے مگر چونکہ عیسائی ان عقائد کو شریعت آلہی کہتے ہیں اس لئے اظہار غلطی کے لئے ہم نے ان کے ماخذ کو بیان کیا ہے اور یہ امر دکھلایا ہے کہ کیونکر یہ عقائد مذہب عیسوی میں داخل ہوگئے اور آخر میں کچھ مضمون ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو کا ہم نقل کریں گے جس سے ظاہر ہو جائے گا کہ مجبور ہو کر انصاف پسند عیسائیوں کی بھی یہی رائے قرار پائی جو میں یہاں بیان کر رہا ہوں کاش ہمارے مخاطب معزز غصہ اور نفسانیت سے علیحدہ ہو کر منصفانہ نظر سے ملاحظہ فرمائیں ۱۲ منہ لہ ترجمہ مختصر تاریخ اہل ہند حصہ اول مطبوعہ گورنمنٹ پریس آلہآباد ۱۸۸۴ء ملاحظہ ہو ۱۲

آسمان سے نازل ہو کر زمین پر بود و باش کی۔ شیو اس تثلیث کا اقنوم ثالث ہے انتہی مختصرا۔

انگریزچونکہ انھیں تثلیث پرستوں کے بھائی برادر اور ایک جد ہی ہیں تو جب عیسائی ہوئے تو اس تعلیم کا اثر اون میں تھا کیونکہ آبا و اجداد سے انھوں نے سنا تھا اور اوسی پر ایمان رکھتے تھے۔ اس لئے بعد عیسائی ہونے کے بھی اونکے قدیم اعتقاد نے اپنا اثر دکھلایا اور یہ عیسائی اوس تثلیث کو دوسرے طور پر ماننے لگے یعنے برہما بشن شیو کی جگہ اب۔ ابن۔ روح القدس کو قرار دیا اور کسیقدر معنی میں بھی تغیر کر دیا۔ ناظرین کتب سابقہ بنظر انصاف غور کریں کہ اگر اون نصوص صریحہ سے قطع نظر کیجائے جنسے توحید محض ثابت ہوتی ہے اور ان ہیں اشاروں اور کنایوں اور مجمل نصوص کو دیکھا جاوے جنسے عیسائی تثلیث ثابت کرتے ہیں تو بھی تثلیث ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ اگر عیسائیوں کے خیال کے بموجب اون کے معنی تسلیم کر لئے جائیں تو صرف تعدد ثابت ہوتا ہے پھر اون مقامات سے خواہ نخواہ تثلیث ثابت کرنا اوسی قدیم مذہبی خیال کا باعث ہے کیونکہ کلام کے معنے سمجھنے میں عادت۔ رواج۔ قدیم خیالات کو بڑا دخل ہے جب دو مختلف خیال کے شخصوں سے کسی مجمل کلام کے معنے بیان کرائے جائیں تو بالضرور یا غالبًا اون میں اختلاف ہوگا اور ہر ایک شخص اپنے خیال کے مناسب اوسکے معنی بیان کرے گا اسی وجہ سے عیسائیوں نے اپنے پرانے خیال کے موافق توریت و انجیل کی بعض مجمل آیتوں کو تثلیث پر محمول کیا اور بت پرستوں کے اعتقاد کو مذہب عیسوی میں قائم کر دیا اور کلام کی حقیقت کو نہ سمجھا۔ حیف صد حیف بر نافہمی الشان۔

(۲) جو کچھ تثلیث کا حال بیان کیا اسی کے قریب قریب کفارہ کے مسئلہ کو سمجھنا چاہیئے یعنی بت پرستوں کے یہاں دفع بلیات اور کفارہ سیات کے لئے قربانیاں ہوا کرتی تھیں اور جیسا بھاری گناہ اور جیسی سخت بلا ہوتی تھی ویسی ہی بڑی قربانی کیا کرتے تھے یہانتک کہ اپنی اولاد کو ذبح کر دیا کرتے تھے عیسائیوں نے یہ خیال کیا کہ جب کسی جانور یا انسان کے فدیہ ہو جانے سے ایک شخص کے گناہ بسبب خصوصیت کے معاف ہو جاتے ہیں تو عام انسانوں کے گناہ

ایسے فدیہ سے معاف ہو جائیں گے جسکو کسی خاص انسان سے خصوصیت نہ ہوگی بلکہ ہر ایک مخلوق سے اوسکو برابر نسبت ہوگی وہ خدا تعالےٰ ہے ہاں وسکا بیٹا جو صفات کمالیہ میں خدا کے برابر ہے اسی خیال پر بیبل کے بعض اشارات اور مجمل بیانات جو بطور مجاز و استعارہ بیان ہوئے تھے معاون ہو گئے اگرچہ بیبل کے اون اشاروں اور مجمل بیانوں کا مطلب تو کچھ اور ہی تھا مگر یہ لوگ موجب اپنے قدیم خیال کے جو حالت بت پرستی میں تھا اون سے کفارہ مسیح کا مطلب سمجھے اور چونکہ اوس وقت بت پرستی ایک عالم میں پھیلی ہوئی تھی تو عام خیالات کا پرتو بھی اوسی معنے کا معین ہوا غرضکہ اس طرح یہ خیال خام پختہ ہو گیا اور بعد ازاں بزرگوں کی تقلید چلی اور طرح طرح کی فضول تقریریں اسکے باب میں ہونے لگیں مگر اصل میں اس عقیدہ کی بنیاد وہی بت پرستوں کا عقیدہ جو بیان کیا گیا -

غرضکہ عیسائیوں کے تمام احکام اخلاقی اور اصل اصول عقاید بت پرستوں کے احکام اور عقاید کے بالکل مطابق ہیں باقی رہے احکام رسمیہ اونکا بھی یہی حال ہے - کیونکہ توریت کے احکام رسمیہ کو حضرت مسیح نے منسوخ نہیں کیا جیساکہ اس اختلاف کے شروع میں ہم ثابت کر آئے ہیں اور بعض محقق علمائے مسیحیہ نے بھی اسکو خوب ثابت کیا ہے چنانچہ پادری جان ہیری صاحب اپنے رسالہ تعظیم التوراۃ میں لکھتے ہیں۔

"پوشیدہ نہ رہے کہ انجیل کے معنی خوشخبری ہیں جس میں گنہگاروں کی نجات کے لئے خوشی کی خبر ہے - انجیل میں کوئی نیا حکم نہیں ہے بلکہ توریت کی نسبت میں حضرت عیسے مسیح کی تعلیمات ونصائح اور معجزوں کا بیان ہے خصوصاً دل کی صفائی اور محبت اور باطنی پاکیزگی کی بڑی تعلیم ہے - لیکن ایک بات قابل غور کے یہ ہے کہ توریت میں عدل وانصاف کا بیان ہے مثلاً جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ پانوں کے بدلے پانوں جلانے کے بدلے جلانا زخم کے بدلے زخم چوٹ کے بدلے چوٹ

۔خروج کی کتاب ۲۱ باب ۲۳۔ آیت سے ۲۵ آیت تک ۔ اور انجیل میں یہ حکم کا مذکور ہے جیسا کہ لکھا ہے کہ تم نے سنا کہ اگلوں سے کہا گیا ہے آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت ۔ پر میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر سے مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر تماچہ مارے تو دوسرا بھی اوسکی طرف پھیر ۔ اور جو چاہے کہ تجھپر نالش کرکے تیری قبا لیوے اوسے اپنا کرتہ بھی دے ڈال اور جو تجھے ایک کوس بیگار لیجاوے اوسکے ساتھ دو کوس چلا جا ۔ جو تجھ سے مانگے اوسے دے اور جو تجھ سے قرض چاہے ۔ اوس سے منہ مت پھیر ۔ تم نے سنا ہے کہ کہا گیا ہے کہ تو اپنے قریب سے محبت رکھ اور اپنے دشمن سے عداوت پر میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور جو تمپر لعنت کریں اونکے لئے برکت چاہو جو تم سے عداوت کریں اون سے نیکی کرو اور جو تم کو دکھ دیں اور ستاویں اون کے لئے دعا کرو ۔ تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے فرزند ہو کہ وہ اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں پر طالع کرتا ہے اور عادلوں اور ظالموں پر مینہ برساتا ہے متی ۵ باب ۳۸ آیت سے ۴۵ تک ۔

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ توریت سے خدا تعالےٰ کا عادل اور منصف ہونا ظاہر ہوتا ہے اور انجیل سے اوسکا رحیم و کریم بخشندہ ہونا آشکار ہوتا ہے چنانچہ توریت میں خدا تعالےٰ کے عدل و انصاف کی صفتوں کا بیان ہے ۔ اور انجیل میں اوسکی رحمت اور بخشش اور آمرزش کی صفتوں کا بیان ہے ۔ اس طرح یہ دونوں کتابیں باہم موافقت و مطابقت رکھتے ہیں ۔ کیونکہ اون میں خدا تعالےٰ کے عدل اور اوسکی رحمت کی صفتوں کا بیان ہے اور یہ دونوں صفتیں خدا تعالےٰ میں موجود ہیں بنا بر آن وہ قول جو ۸۵ زبور کی ۱۰ آیت میں مندرج ہے سو توریت و انجیل میں پورا ہوا یعنے رحمت اور امانت ملنے والیاں ہیں صداقت اور سلامت بوس و کنار کرتیاں ہیں ۔

بیان مذکورہ بالا سے صاف صاف واضح ہوا کہ توریت سے خدا تعالیٰ جلشانہ کی جلالی صفتیں

ظاہر ہوئیں اور انجیل سے اوسکی جمالی صفتیں ہویدا ہیں۔
اب ایک اہم اور سنجیدہ بات کا سوال پیش آتا ہے کہ آیا توریت کے احکام چندروز کے لئے تھے یا ہمیشہ کے لئے۔ اگر کوئی کہے چندروز کے لئے تھے کیونکہ کہتے ہیں کہ شریعت آنے والی چیزوں کی علامت تھی اور سب فرقہ مسیحان اس بات پر متفق الرائے ہیں تو اب ایک دوسرا سوال پیش آتا ہے کہ پھر حضرت عیسے مسیح نے اپنے پہاڑی وعظ میں کیوں کہا ہے مت سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب کو منسوخ کرنے کو آیا ہوں نہیں بلکہ پورا کرنے کو آیا ہوں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہوجائے۔ پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹالدے اور آدمیوں کو یوں سکھلاوے وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائیگا پر جو کوئی مانے اور سکھلاوے وہی آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائیگا۔ سو میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمھاری صداقت صافروں اور فریسیوں کی صداقت سے زیادہ نہ ہو تو تم آسمانکی بادشاہت میں داخل نہ ہوگے (متی ۵ باب ۱۷ آیت ۲۰ تک) اب ان باتوں سے جو حضرت عیسیٰ مسیح نے توریت کے استحکام اور استقامت کے باب میں فرمائیں کیا نتیجہ نکلتا ہے اس سے صاف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ توریت کے احکام قیامت تک جاری رہینگے کیونکہ جب آسمان وزمین کے ٹل جانیکی قید لگائی گئی تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ توریت کے احکام قیامت تک جاری رہیں گے پھر اوسکے احکام کے ماننے کی بابت آپ فرماتے ہیں پس جو کوئی اون حکموں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے اور آدمیوں کو یوں سکھلاوے وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائیگا پر جو کوئی مانے اور سکھلاوے وہی آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائے گا"
پس جب ان حکموں کے ماننے کی قید بھی لگائی گئی اور اوسکے ساتھ جزا کا وعدہ بھی کیا گیا تو اس سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ اون حکموں کا ماننا ایمانداروں پر فرض ہے علاوہ اسکے جب یہ فرمایا کہ اگر تمھاری صداقت صافروں اور فریسیوں کی صداقت سے زیادہ نہ ہو تو تم آسمان کی بادشاہت میں کسی طرح داخل نہ ہوگے تو یہ ایک بڑی اہم بات ہے۔ یاد کرنا چاہیئے کہ صافر اور فریسی توریت

کے سب احکام کی تبعیت کرتے تھے یعنے اخلاقی رسمی اور ملکی تینوں شریعت کی پیروی کرتے پس جب کہ یہ شرط ٹھہرائی گئی کہ اگر تمھاری صداقت صافروں اور فریسیوں کی صداقت سے زیادہ نہ ہو تو تم آسمان کی بادشاہت میں داخل نہ ہوگے تو کیسی بڑی شرط ہے کہ اسپر ایمانداروں کی نجات موقوف ہے۔ پھر ہدایت کیا ہے کہ تم تنگ دروازے سے داخل ہو کیونکہ چوڑا ہے وہ دروازہ اور کشادہ ہے وہ راہ جو ہلاکت میں پہونچاتی ہے اور بہت ہیں جو اس سے داخل ہوتے ہیں کیاہی تنگ ہے وہ دروازہ اور سکڑی ہے وہ راہ جو حیات میں پہونچاتی ہے اور تھوڑے ہیں جو اوسے پاتے ہیں متی ۷ باب ۱۳ و ۱۴ آیت۔ پھر ارشاد کیا ہے نہ ہر ایک جو مجھے خداوند خداوند کہتا ہے آسمان کی بادشاہت میں داخل ہوگا مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر عمل کرتا ہے متی ۷ باب ۲۱ آیت۔ پھر فرمایا ہے اسیطرح جب تم جو کام تمھیں فرماے گئے ہیں کرچکو تو کہو ہم نکمے بندے ہیں کیونکہ جو ہمیں کرنا مناسب تھا وہی ہمنے کیا لوقا ۱۷ باب ۱۰ آیت۔ پھر لکھا ہے کہ تب عیسے نے لوگوں اور اپنے شاگردوں سے خطاب کرکے کہا کہ صافر اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں پس سب کچھ جو وہ تمھیں ماننے کو کہیں سو مانو اور کرو پر اونکے سے کام مت کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں اور نہیں کرتے۔ متی ۲۳ باب ۱ آیت سے ۳ تک۔

اوپر کی باتوں اور اور مقاموں سے جو انجیل میں پائے جاتے ہیں ہمارے شفیع نے اپنے حواریوں کو اور سب لوگوں کو توریت کے احکام کے مطابق ہدایت کی اور خاص کرکے آپ نے توریت کے سب احکام کو بدل و جان مانا اور اپنے نمونے اور تعلیم سے توریت ہی کے احکام کی طرف ہدایت کی ہے بلکہ یہانتک کہ جب آپ بپتسما لینے کو دریاے یردن کے کنارے یوحنا کے پاس گئے تو لکھا ہے کہ یوحنا نے اوسے منع کیا اور کہا کہ میں محتاج ہوں کہ تجھسے بپتسما پاؤں اور تو میرے پاس آیا ہے۔ عیسے نے جواب میں اوسے کہا کہ ہونے دے کیونکہ ہمیں یوں مناسب ہے کہ سب کو جو درست ہے پورا کریں تب اوسنے ہونے دیا متی ۳ باب ۱۴ و ۱۵ آیت۔ اب بڑے غور و تامل کا مقام ہے کہ جب ہمارے پیشوا اور شفیع نے آپ توریت کی تعظیم کی اور اوسکے سب احکام

کو ماننا اور بجالانے تو ہم کون ہیں جو کہیں کہ ہم کو کچھ کرنا ضرور نہیں ہے صرف مسیح پر ایمان لانا کافی ہے وبس ہماری نجات ہو چکی۔ یہ تو عجیب گستاخانہ کلام ہے کیا کوئی عقلمند اسکو مان لیگا کہ خدا تعالےٰ کے حکموں سے تو سرتابی کریں اور نجات کے لئے اتنا بڑا دعوےٰ کریں۔ دیکھئے جب ہم دعا مانگتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اے خدا ہمیں توفیق بخش تاکہ ہم مسیح کی پیروی کریں ہمیں ہدایت کر کہ ہم مسیح کے نقش قدم پر چلیں وغیرہ بھلا پیروی کرنے اور نقش قدم پر چلنے سے کیا مراد ہے کیا یہ نہیں کہ اوسکے پیچھے چلیں اور نقش قدم سے یہ مراد ہے کہ جس راہ پر وہ گیا ہو اوسی راہ پر ہم بھی چلیں۔ پس جبکہ ہم دعا میں یوں کہتے اور عمل اوسکے خلاف کرتے تو کیونکر ثابت ہو کہ ہم ایماندار ہیں کیا ایمان کا پھل عمل نہیں ہے۔ چنانچہ یعقوب حواری نے بھی صاف فرمایا ہے کہ ایمان بے عمل مردہ ہے جیسا لکھا ہے اے میرے بھائیو اگر کوئی کہے کہ میں ایماندار ہوں اور عمل نہ کرے تو کیا فائدہ کیا ایمان اوسکو بچا سکتا ہے اگر کوئی بھائی یا بہن عریاں یا قوت لایموت کے لئے محتاج ہو اور تم سے کوئی اونھیں کہے سلامت جاؤ اور گرما گرم اور سیر ہو اور وہ چیز جسکا بدن محتاج ہے اونھیں نہ دو تو کیا حاصل۔ اسیطرح اگر ایمان کے ساتھ کوئی کہے کہ عمل نہ ہو تو وہ حقیقت میں مردہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب ہندوستانی لوگ دین عیسوی کو قبول کرتے تو خواہ نخواہ انگریزی رسموں کو اختیار کرتے یعنی انگریزی لباس پہننا اور انگریزی طور پر نشست و برخاست کرنا اور انگریزی طور پر بیٹھ کے چھری کانٹے سے کھانا کھانا وغیرہ اور یہ سب کام اس لئے کرتے کہ وے جانتے ہیں کہ ہمنے انگریزوں کے وسیلے سے دین عیسوی کو پایا ہے اسواسطے مناسب ہے کہ اونکی وضع اور طور کو بھی اختیار کریں تاکہ صاحبان انگریز جانیں کہ ہم سچے مرید ہیں۔ حاصل کلام جب دیکھتے ہیں کہ ہر ایک آدمی میں یہ خاصیت موجود ہے کہ تتبع کرنے سے خوش ہوتا اور اوسکو اپنی سعادت سمجھتا ہے تو کیوں نہیں حضرت عیسیٰ مسیح کی وضع وطور کو اختیار کریں جسنے خدا تعالےٰ کی توریت کی پیروی کی ہے اور اوسکے نقش قدم پر چل کے خدا تعالےٰ کی شریعت کی پیروی کریں کیونکہ ہمارے ہادی نے اوسکی پیروی کی ہے تاکہ ہم اوسمیں وصل کئے جائیں

ان باتوں سے جو اوپر مذکور ہوئیں مصنف کا یہ مطلب نہیں ہے کہ توریت کے سب احکام مثلاً قربانی اور کفارہ اور ملکی انتظام کی بابت جو قانون تھے وہ سب کے سب ہنوز جاری ہیں۔ اس لیے اونکا ماننا ہمپر فرض ہے۔ نہیں یہ اوسکی غرض نہیں کیونکہ ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ توریت کے بعضے احکام فقط علامت کے طور پر تھے جو حضرت عیسے مسیح کے آنے سے پورے ہوگئے جیسے ہیکل اور سردار کاہن اور قربان وکفارہ جو حضرت مسیح کے پیش نشان تھے اونکو خدا تعالےٰ نے تو خود موقوف کردیا ہے کیونکہ نہ اب ہیکل ہے نہ سردار کاہن کہ جہاں پر اور جس کے وسیلے سے ہم قربان وکفارہ گذرانیں۔ اور نہ ملکی شریعت کا دعوےٰ ہے کیونکہ اوسکی بابت ایک پیشین گوئی حضرت عیسے کے آنے سے دو ہزار برس پیشتر کی گئی تھی یعنے حضرت یعقوب نے جب اپنے انتقال کے وقت اپنے بارہ بیٹوں کو جمع کرکے آنے والی باتوں کی خبر دی تھی تو یہ پیشین گوئی کی کہ نہ سبط یہودا سے نہ عصا اوسکے پانوں میں سے جاتا رہیگا جبتک شلوہ نہ آوے اور قومیں اوسکی فرمانبردار ہونگی پیدایش ۴۹ باب ۱۰ آیت۔ مطابق اسکے حضرت مسیح کے آنے تک یہودیوں کی بادشاہت قائم رہی اور وہ شریعت بھی رواج پاتی گئی مگر جب آپ مبعوث ہوئے تو اونکی بادشاہت بھی جاتی رہی اور وہ ملکی انتظام کے قانون بھی موقوف ہوگئے اس سبب سے ہم اونکو مان بھی نہیں سکتے کیونکہ جب اونکی اصل ہی نہ رہی تو اونکا ماننا بھی اشکال ہے۔ مگر بعضے احکام ہیں جنکا دعوے ہنوز بحال ہے جیسے ختنہ اور حرام وحلال اور غسل وطہارت کے بابت جو احکام ہیں وہ ہنوز جاری ہیں اور جاری رہینگے اہل تمیز اس بات کا بخوبی امتیاز کرسکتے ہیں کہ توریت کے احکام تین طرح پر تقسیم کئے گئے ہیں یعنی پہلی اخلاقی شریعت دوسری رسمی شریعت اور تیسری ملکی شریعت ان میں سے اخلاقی تو فی نفسہ ایک ایک شخص کی ذات خاص سے علاقہ رکھتی ہے۔ اور رسمی شریعت میں سے بعضے احکام ہیں جنکی تعمیل بغیر ایک درمیانی کے نہیں ہوسکتی مثلاً قربان اور کفارہ گذراننا اور بخور جلانا سوائے سردار کاہن کے اور دوسرے شخص کو اوسکی تعمیل کرنیکا حکم نہ تھا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ یہ کام ہمارے اختیار سے باہر ہے اور بغیر

ایک درمیانی کے اوسکی تعمیل بھی نہیں ہوسکتی تسپربھی رسمی شریعت میں بعضے احکام ہیں۔ جو ہمارے ہی ذات خاص سے علاقہ رکھتے ہیں مثلاً ختنہ کہ ہمارے جسم سے علاقہ رکھتا ہے اسمیں کسی درمیانی کی ضرورت نہیں ہے پھر حرمت اور حلت اور بول و براز کی بابت جو احکام ہیں وہ ہماری ذات خاص سے متعلق ہیں اس سبب سے انکی تعمیل بھی ہمپر فرض ہے (تعظیم التوریت صفحہ ۲۹-۳۸)۔ اس محقق عیسائی نے بخوبی ثابت کردیا کہ حضرت مسیح نے رسمی شریعت موسوی کو موقوف نہیں کیا پس جب شریعت عیسوی میں موسوی رسمیات باقی ہیں تو نہایت ظاہر ہے کہ رسمی شریعت عیسوی بھی بت پرستوں کی رسوم کے مطابق ہے کیونکہ توریت میں جو احکام رسمی ہیں وہ بت پرستوں کے احکام کے نہایت مطابق ہیں چنانچہ نمونہ کے طور پر اوپر ذکر کیا گیا اس طریقے سے ثابت ہوگیا کہ تمام شریعت عیسوی بت پرستوں کی رسموں کے مطابق ہے اور اگر کوئی عیسائیوں کاسا خیال رکھے تو یوں کہہ سکتا ہے کہ بت پرستوں سے لی گئی ہے اور اگر پادری صاحب کے گمان کے بموجب توریت کی رسمی شریعت منسوخ ہوگئی تو بے تامل یہ کہا جائے گا کہ بے دین حکما کی تقلید ہوئی کیونکہ اس قسم کے احکام کو حکما تسلیم نہیں کرتے جسکا جی چاہے دنیا کے عقلی مذاہب کو دیکھے اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ جس طرح بت پرستونکی تقلید منع ہے اسی طرح اون حکما کی بھی تقلید منع ہونا چاہیے جنھوں نے خدا کی کتابوں کو نہیں مانا اور محض اپنی عقل کے بھروسے پر رہے کیونکہ خدا کی طرف سے نہ ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ الحاصل مذہب عیسوی جس طرح رسمیات کے قائم رکھنے سے مورد طعن ہوسکتا ہے اسیطرح اوسکے منسوخ کرنے میں فرق صرف اسقدر ہوگا کہ پہلی صورت میں یہ کہا جائے گا کہ بت پرستوں کی تقلید کی اور دوسری صورت میں یہ کہیں گے کہ بیدین حکما کی پیروی کی انجام دونوں کا ایک ہے۔ اب یہ کہنا کہ رسمیات توریت کے باطنی حقائق کچھ اور ہی تھے جبکو حضرت مسیح نے آکر ظاہر کیا لہذا بفحوائے آب آمد تیمم برخاست وہ سب رسمیات موقوف ہوگئے جیساکہ پادری صاحب کہتے ہیں محض گھر کی بنائی ہوئی بات ہے جسکے سبب سے جاہل فریب کھاسکتے ہیں اول تو وہ کون حقائق ہیں جو حضرت مسیح کے پیشتر حکما اور بدھ وغیرہ

چنانچہ ظاہر ہو سکتے تھے پھر اب ظاہر کی ہوئی اشیاء کو ظاہر کرنا چہ معنی دارد دوم یہ کہ جو حکیم منش عقلی مذہب کا پیشوا [illegible] اور شریعت الٰہی کو مٹانا چاہے وہ اوس شریعت کے مقلدوں اور دوسرے [illegible] لوگوں کو اس طرح دہوکہ دے سکتا ہے اور نہایت عمدگی سے ایسے ڈھکوسلے نکال سکتا ہے جیسے شریعت موسوی کے مٹنے میں عیسائی کیا کرتے ہیں۔ میں نہایت استحکام اور سچائی سے کہتا ہوں کہ اس اعتراض کا جواب وہی ہو سکتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے یعنی شریعت الٰہی میں نئے احکام ہونا ضرور نہیں اور نہ آجتک کسی شریعت میں ایسا ہوا ۔

الحاصل پادری صاحب کا یہ اعتراض کہ شریعت محمدیہ میں بعض رسمیں تو شریعت موسوی سے نقل کی گئیں ہیں اور بہت سی رسمیں بت پرستوں وغیرہ کی ہیں محض نادانی پر مبنی ہے ۔

اس مقام پر کسی قدر وہ مضمون نقل کرنا نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے جو ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو اکتوبر ۱۸۸۸ء میں بعنوان (عیسائیت اور اسلام) لندن میں چھپا ہے اور علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ مطبوعہ ۲۹ جنوری ۱۸۸۹ء میں اوسکی نقل کی گئی ہے۔ وہو ہذا۔

اس امر کی وجہ معلوم کرنی چندان مشکل نہیں ہے کہ پروٹسٹنٹ مشنریوں کی کوشش اہل اسلام کی بہ نسبت کیوں کم کامیاب ہوتی ہے۔ قطع نظر ہمارے مشنریوں کے طرز وعظ اور اور امور اتفاقیہ کے یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ اسکی وجہ زیادہ تر خود اصول مذہب ہیں۔ گو اس بات کے کہنے کے لئے جرات درکار ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم صرف اسوجہ سے ناکامیاب ہوتے ہیں۔ کہ ہم ایک ایسا روکھا پھیکا اور خشک مذہب پیش کرتے ہیں کہ جو نہ تو کچھ خیالی لطف پیدا کر سکتا ہے اور نہ عقل میں آسکتا ہے۔ نیک باتیں جو اس عالم میں ظہور میں آتی ہیں وحشی قومیں اون کو ایک معمولی اور طبعی امور سمجھتے ہیں مگر برائیوں کو مثلاً فساد اور خرابی۔ کڑک اور بجلی۔ بیماری اور ہر قسم کی آفتوں کو وہ ایک ایسی قوتوں سے منسوب کرتی ہیں جو مافوق الطبیعت ہیں مثلاً ارواح خبیثہ اور شیاطین۔ چنانچہ سب سے پہلے پرستش کے جس طریقے نے دنیا میں رواج پایا وہ اون ضرر رساں قوتوں کا خوش کرنا ہے اور زمانہ سلف سے اسکی یہ صورت چلی آتی ہے کہ لوگ اپنی رضا و رغبت سے

ایسے چڑہاوے اونکی نذر کرتے ہیں جو اون لوگوں کے نزدیک نہایت مرغوب اور پسندیدہ ہیں اور یہ وہ اس امید سے کرتے ہیں کہ وہ قوتیں اس طرح پر خوش ہوجاینگی تو باقی چیزیں اونھیں کے پاس رہنے دینگی اور اسیکا نام قربانی ہے جو ایک ایسی رسم ہے جو بہت سے مذہبوں میں جاری ہی ہے۔ اور جس سے آج کے دن تک بھی ہم پیچھا نہیں چھوڑا سکے۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اون ضرر رساں قوتوں کے خوش کرنے کا یہ طریقہ سب سے زیادہ مبتذل قسم پرستش کی ہے۔ مگر جب لوگ زیادہ مہذب ہوجاتے ہیں تو یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ امور خیر کے وقوع اور ظہور کا باعث بھی کچھ اعلیٰ تر قوتیں ہیں۔ پس وہ عالی رتبہ اور نیک دیوتاؤں کی پرستش کرنے لگتے ہیں۔ اور بدوں سے ڈرتے رہنے کو بھی ترک نہیں کرتے ہم کو معلوم ہے کہ آریا قوموں نے انواع واقسام کے دیوتاؤں کی پرستش قائم کی تھی اور اونکی نسبت طرح طرح کے مذہبی افسانے بنائے گئے تھے جو نسل انسانی کی بہت سی شاخوں میں مختلف صورتوں میں مروج رہی ہے اور بہت ترقی پاگئی ہے اور ایسی نہیں ہے کہ لوگ اوسکی جانب راغب نہوں۔ لیکن جسقدر انسان عقل اور علم میں ترقی کرتا ہے اوسیقدر ان چیزوں کی عجوبگی اوس کی نظر میں نہیں جنچتی۔ چنانچہ جوں جوں لوگوں کے خیالات ترقی پاتے گئے ووں ووں اہل روما اور اہل ہند وغیرہ قوموں کا اعتقاد جو وہ اپنے دیوتاؤں کی نسبت رکھتے تھے چپ چاپ زوال پکڑتا گیا۔ کم ترقی یافتہ قومیں اگر اپنے اولڈ فیشن کے اعتقادات کو خود ہی نہیں چھوڑ دیتیں تو یہ تو اون کے لئے سخت مشکل ہے کہ اپنے اون اعتقادات کو غیر مذہبوں کے سرگرم واعظوں کے حملوں سے بچا سکیں۔ نیا مذہب قائم کرنے کی بہ نسبت پورانے مذہبوں میں رخنہ ڈال دینا بہت آسان ہے۔ رومن کیتھلک لوگوں نے پورانے ایرین دیوتاؤں کے مجموعہ کو بنا سنوار کر اور بدی کے دیوتاؤں کو نیکی کے دیوتاؤں سے بدلکر ایک نئے انداز پر مرتب کیا۔ اور اوسپر ایسا گہرا رنگ چڑہا دیا جسکو ہم اصل عیسائیت کہ سکتے ہیں اور وہ راہبوں اور پادریوں اور پوپ وغیرہ کے ایک عجیب وغریب سلسلہ کی مدد سے ایک ایسا مذہب پیش کرتے ہیں جو ایسا

نہیں ہے کہ اون لوگوں کو جو ترقی کی ایک متوسط حد سے آگے نہیں بڑھے اپنی جانب مائل نکر سکے اور جو فی الجملہ آسانی سے ایسے مذہب کو قبول کر لیتے ہیں جو بہت کچھ اونھیں کے عقیدوں کی ایک اصلاح یافتہ صورت ہو اور اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ عیسائیت بحیثیت پشت پناہ ہونے رومن کیتھلک طریقے کے اوسکو متوہمانہ مذاہب سے مقابلہ کرنے کی ایک بڑی طاقت دیتی ہے۔ مگر برخلاف اسکے اسلام اون لوگوں کے لئے جو توہمات کے چھوڑنے پر آمادہ ہوں ایک ایسا عقیدہ پیش کرتا ہے جو عقل کے نہایت موافق ہے۔ چنانچہ اس عالم کون وفساد کے ایک ہی طور کے قانون کے تابع ہونے سے مذہب اسلام وحدانیت ذات باری اور اوسکے تنہا حاکم الٰہی ہونے کو ظاہر کرتا ہے اور ان سب قسم کی پرستشوں کے معدوم کر دینے سے جو انسانی تشبیہات وجذبات کی مناسبت سے ایک ایک دیوتا ٹھہرالیا گیا ہے اوسکے اپنی صفات ومنسوبات میں سب سے برتر ہونے کا اعتراف کیا گیا ہے اور نہ صرف مورتوں اور تصویروں ہی کا امتناع کیا گیا ہے بلکہ گانے بجانے اور راہبوں اور پادریوں کے سلسلہ کو بھی ملیامیٹ کر دیا گیا ہے اور بجز ایک سیدھی سادی معقول پرستش کے جو ایک سیدھے سادے مکان کے اندر یا باہر عمل میں آسکتی ہے اور کچھ باقی نہیں رکھا گیا ہے۔ پاکیزگی پاکبازی کا حکم دیا گیا ہے شراب کا امتناع ہے۔ تمام انسانوں کے برابر ہونے کا وعظ ایک پسندیدہ صورت میں کیا گیا ہے اور دنیا میں نیک عمل کرنے کے اجر کا وعدہ عالم آخرت میں ایک قابل فہم بہشت کے ساتھ دیا گیا ہے۔ پس ایک ایسا مذہب ایسے لوگوں سے جو کوئی مذہب نہیں رکھتے بہت جلد قبولیت حاصل کر لیتا ہے۔ مگر جب ہم پروٹسٹنٹ طریقہ کیطرف متوجہ ہوتے ہیں تو اوسمیں کوئی ایسی بات نہیں پاتے جو لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچے ہم نے اپنے پرانے مذہب کی ایسی باتوں کی جو بظاہر خوشنما معلوم ہوتی تھیں اصلاح تو کی لیکن ایسے درجے تک نہیں کی جو اوسکو اصل عیسائیت یا کسی ایسی حد تک پہونچا دیتی جو عقل کے موافق ہو کیونکہ ہمارے مذہب کے موجودہ اصول مبہم اور ناقابل فہم ہیں بلکہ شاید اس میں بہ نسبت رومن کیتھلک طریقے کے عیسائیت بھی کم ہے کیونکہ جسقدر اوسمیں اعمال حسنہ کے بجالانے اور

اسلام کی تعریف

پروٹسٹنٹ مذہب کا نقص

اور اپنے لئے عالم آخرت میں اپنی ذاتی کوشش سے بہتری کا سامان مہیا کرنے پر زور دیا گیا ہی
اس میں اس قدر نہیں ہے بلکہ زیادہ تر مسیح کی قربانی اور کفارہ ہی کو ذریعہ نجات قرار دیا گیا ہے
اور اس امر پر یقین رکھنے کی تلقین کی گئی ہے کہ خواہ ہم نیک عمل کریں خواہ بد ہر حالت میں گنہگار اور
تقصیروار ہیں اور یہ کہ ہماری نجات صرف مسیح کے خون سے دہوئے جانے پر منحصر ہے۔ میں خیال
کرتا ہوں کہ میرا یہ کہنا کچھ خلاف حقیقت نہ ہوگا کہ مسیح کے خون سے نجات پانیکا مسئلہ تمام پروٹسٹنٹ
فرقوں کے مذہب کی اصل وبنیاد ہے اور یہ کہ اسی مسئلہ پر تمام فرقے بطور اپنے اصول دین کے
زور دیتے ہیں لیکن ہمکو اب ذرا یہ دیکھنا چاہئے کہ جب یہ عقیدہ غیر مذہب والوں کے سامنے پیش
کیا جاتا ہے تو کیا نتیجہ پیدا کرتا ہے (یہ نتیجہ پیدا کرتا ہے) کہ سب سے پہلے ہمارا مسئلہ تثلیث۔ وحدانیت
الٰہی کے معقول مسئلہ کو بالکل مٹا دیتا ہی اور تعجب یہ ہے کہ خدا کی وحدانیت کے اقرار کے ساتھ ہم ایک
بالکل ناقابل فہم مسئلہ تین مساوی خداؤں کا بھی قرار دیتے ہیں۔ جو حقیقت میں دیکھو تو آریا
قوم کا وہی پرانا ترگنون کا مسئلہ ہے۔ جو کسی طرح بھی اِس لائق نہیں ہے کہ ہمارے مذہب
میں کھپ سکے۔ اس تثلیث کے تین خدا ونہیں ہے ایک خدا کی نسبت بھی قابل فہم طور پر کچھ بھی قرار نہیں دیا کہ
اوسکا کام کیا ہی۔ پس ہم یہ امید نہیں کر سکتے کہ ایک اس قسم کا مسئلہ اپنے لئے اون لوگوں کی قبولیت حاصل
کر سکے جنسے ہم یہ خواہش کرتے ہیں کہ وہ اپنے بہت سے خداؤں کے وجود کے توہم کو چھوڑ کر ہمارا مذہب
قبول کرلیں اور ہم اسپر بھی بس نہیں کرتے بلکہ اون لوگوں سے یہ بھی منوایا چاہتے ہیں کہ وہ مسیح جسکا دنیا
میں پیدا ہونا ایک صحیح تاریخی واقعہ ہے نہ صرف نبی اور خدا کا پیغمبر تھا بلکہ خود خداوند عالم تھا اور ہم
زور دیتے ہیں کہ جو لوگ ہمارے مذہب میں آئیں ضرور ہے کہ وہ اس مسیح کی پرستش اوسکو خاص
خداوند تعالےٰ سمجھکر کریں جو ایک نہایت ہی حیرت انگیز مسئلہ ہے۔ کچھ شک نہیں ہے کہ آریا قوم کے
لوگ ایسی عجیب وغریب باتوں کے عادی ہیں جیسے دوم درجے کے خداؤں کا انسانوں کی بھلائی
کیلئے اوتار بنکر دنیا میں آنا۔ مگر جس حد کو ہم پہونچے ہیں اوسکو وہ بھی نہیں پہونچے۔ پس ہمارے اس
مسئلے کے قبول کرنے کے لئے ایک بہت ہی بڑا ایمان درکار ہے۔

ہمارا اس سے بھی مشکل تر مسئلہ انسان کے کسی حالت میں بھی گناہ سے نہ بچ سکنے اور قربانی کے ذریعے سے اسکے کفارہ ہونیکا ہے اور قبل اسکے کہ ہم اوسکی نسبت کچھ کہیں ہمکو یہ یاد رکھنا ضرور ہے کہ قربانی کا خیال بالکل وہی پُرانی اور وحشیانہ بھینٹ پوجا ہے جسکا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں اور جسکا مدعا اون مافوق الطبیعت شریر قوتوں کا خوش کرنا تھا جو دنیا میں آفتیں اور مصیبتیں پیدا کرتی ہیں اور یہ قطعاً ناممکن ہے کہ بھینٹ پوجا کے اس خیال کو اوس خداوند تعالےٰ کی جو رحیم و رحمان ہے کسی قسم کی قابل فہم پرستش کے ساتھ مطابق کیا جائے اور اس بنا پر یہ کل مسئلہ ایک بعید درجہ کا مبہم اور ایسا ہی جو اپنی تردید آپ ہی کرتا ہے اور در حالیکہ بعض انسان ایسے ہیں کہ جنکو کسی کفارے کی ضرورت نہیں مثلاً شیر خوار بچے اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ ہمنے ایک نہایت ہی عجیب افسانہ انسان کے ہر حالت میں محتاج کفارہ ہونے کا اور نہایت ہی دقیق مسئلہ پہلے انسان سے گناہ کے سرزد ہونے اور اوسکی وجہ سے کل نسل انسانی کے مستوجب سزا ہونے کا ایجاد کیا ہے۔ اگر ہم مسیح کی طرز زندگی کی بطور ایک حسی نمونہ کی تعریف و توصیف کریں تو بجا اور درست ہے مگر ہم تو بجائے اوسکی زندگی کے اوسکی صلیبی موت کو اپنے مذہب کا اصل اصول ٹھہرائے ہوئے ہیں۔ خاص لفظ "صلیبی" ہی گویا ہمارا اعتقاد نامہ ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے مذہب کا لب لباب صرف صلیب کو باعث نجات اعتقاد ظاہر کرتا ہے اور صرف قربانی اور مسیح کے خون کا بہنا اور اوسکی موت بھی ایک بات ہے کہ جسپر نہایت زور دیکر ہم لوگوں سے یہ منوانا چاہتے ہیں کہ صرف یہی ایک ذریعہ نجات کا ہے۔ ہم کو مسیح سے محبت رکھنا اسوجہ سے واجب نہیں ہے کہ اوسنے اپنی زندگی ہماری بہتری میں صرف کی بلکہ اس لئے واجب ہے کہ ہمارے لئے اپنی جان قربان کر ڈالی ✦

علاوہ ان صریح اعتراضوں کے جو ہر ایک ایسی تعلیم کی رو سے جو کسی قسم کی معقولیت کا دعویٰ کرتی ہو اس خونی قربانی کی نسبت جو ایک رحیم و رحمٰن خدا کے لئے عمل میں آئے عائد ہوتے ہیں خود اس قربانی کے خیال میں اسکی ایک ایسی تردید موجود ہے کہ جسکو دفع کرنا ناممکن ہے کیونکہ انسان کو زندگی بہت پیاری ہے اور خواہ اوسکو کیسا ہی قوی اعتقاد معاد کی نسبت کیوں نہ ہو تو بھی نجات نوع

انسان کے کسی بھلائی کے کام میں اپنی جان قربان کرڈالنا ہمیشہ ایک نہایت ہی قابل احترام اور دلیروں کا کام سمجھا گیا ہے اور بیشک ایسا ہی سمجھا جانے کے لایق ہے پس اگر مسیح فی الحقیقت خدا تھا اور وہ اس بات کو جانتا تھا جو اوسنے ہمکو سکھائی ہے تو اوسکا اپنی جان دیدینا ہرگز قربانی نہیں کہا جاسکتا بلکہ صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک تکلیف وہ کام کا انجام بخیر تھا اور ایک اوسی آسمانی حالت کی طرف بازگشت تھی جس سے اوسنے نزول کیا تھا۔

الغرض پروٹسٹنٹ لوگوں نے گو اپنے مذہب کے زیادہ دلچسپ توہمات کی اصلاح کی مگر ان عجیب وغریب اور ناقابل فہم بلکہ ناقابل قبول مذہبی مسئلوں کو باقی رکھ لیا جو اخیر زمانے کے یونانیوں کے خراب شدہ باریک ذہنوں کا ایجاد ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ لوگ جو ہمارے مذہب میں آئیں۔ اس عجیب وغریب مسئلہ کو نہ صرف عیسائیت کا ضمیمہ سمجھکر مانیں بلکہ خاص اسکو عیسائیت سمجھیں اور ہم ان مسائل کو لوگوں کے سامنے نہ ایسے سرگرم واعظوں کی زبان کے ذریعہ سے پیش کرتے ہیں جو ان مسکینانہ نکوئیوں پر عمل کرتے ہیں جنکی کتاب مقدس تعلیم کرتی ہے اور غریبوں اور مظلوموں کو تسلی دیتے ہیں بلکہ ایسے مشنریوں کے وسیلے سے پیش کرتے ہیں جنکو ہر طرح کا آرام حاصل ہے اور عمدہ تنخواہیں پاتے ہیں اور لوگوں سے اس امر کے خواہشمند ہوتے ہیں کہ وہ ہمارے زمانہ حال کی اس سوسیٹی میں داخل ہوں جسمیں ذات کا امتیاز نہایت ہی ہے اور انسان کا اعزاز واقتدار صرف اوسکی دولتمندی پر منحصر ہے پس کیا یہ کچھ تعجب کی بات ہے کہ اس قسم کی تعلیم سیدہے سادے اور مفلس اور تعلیم یافتہ لوگوں کو کم مرغوب ہو اور تعلیم یافتہ ہندو اوسکو بالکل قبول نہ کرے۔

رسوم ودستورات کے معاملہ میں بھی ہم مسلمانوں سے ابتک بہت پیچھے ہیں۔ ہم لوگوں میں ایک روز افزوں میلان آرایش وزیبایشی پرستش اور گانے بجانے اور رنگین کھڑکیوں اور گرجا کی کھڑکیاں انہیں وغیرہ اور ایسی رسوم کیطرف ہی جو خداوند تعالی کے اوس اعلی درجے کے تصور سے جسکا اظہار مسلمان اپنی سادہ طرز عبادت میں کرتے ہیں مطابقت نہیں رکھتا ہم انسان کی مرغوبات رشوت کے طور پر دیکر لوگوں کو اپنے عبادت خانہ

بلانے کی کوشش کرتے ہیں اور اوسمیں فی الجملہ کامیابی بھی ہوتی ہے لیکن اگر ہم اسکو بہ تعمق
نظر دیکھیں تو یہ طریقہ ایک معقول طور کی پرستش آلہی کے کسی طرح موافق نہیں ہے حق یہ ہے کہ اگر
ہم اور لوگوں کو عیسائی بنانا اور اونکی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو ہمکو پہلے خود اپنی اصلاح کرنی چاہیے
اور یہ اصلاح کا کام اوس حد سے بہت زیادہ بڑھکر کرنا چاہیئے جہاں کہ اوس وقت ہوا تھا جسکو
"ریفارمیشن" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اول ہمکو اپنے بشپوں۔ پادریوں۔ مشنریوں اور
عام عیسائی لوگوں کو عیسائیت سکھلانی چاہیئے پھر البتہ ہم کافروں کو عیسائی بنانیکی امید کرسکتے ہیں"
پھر لکھا ہے کہ جب مسلمانوں نے سلطنت متحدہ یونان وروم کے مہذب ملکوں پر قبضہ کیا تو وہ
اوس سلطنت کی تہذیب وشایستگی اورعلوم وفنون کے بھی وارث ہوگئے اور یہ ہی وجہ تھی کہ اونھوں
نے دنیا کو نہ صرف ایک بہتر مذہب ہی عطا کیا بلکہ اوسکے ساتھ قوانین اور علوم وفنون اور لٹریچر
سے بھی اوسکو بہرہ ور کیا حالانکہ ہمارے بزرگ اوسوقت تک بالکل وحشی تھے اور اس طرح پر اسلام
کے دنیا میں قائم ہونیکے بعد ایک ہزار برس سے زیادہ عرصہ تک ہر ایک بات مسلمانونکی مسلسل ترقی
کا باعث رہی اور وہ اب بھی دنیا کے کم تہذیب یافتہ حصوں خصوصًا افریقہ میں ترقی کررہے ہیں۔ یہ
ٹھیک ٹھیک کہنا بہت مشکل ہے کہ اسلام کیا ہے کیونکہ وہ ہمارے مذہب کی طرح جو تمامہ اناجیل
ثلاثہ میں منحصر ہے صاف اور واضح طور پر ایک مختصر دائرہ کے اندر محدود نہیں ہے۔ اس
لئے غیر مذاہب کے لوگ اسکا اندازہ صرف اوسکے نتیجوں سے کرسکتے ہیں چنانچہ اوسکی
عام حالت تو بیان ہوچکی ہے اور کچھ شک نہیں ہے کہ وہ لوگوں کی طرز زندگی اور اون کے
چال چلن کے ظاہرا شایستہ اور معزز بنانے میں بہت موثر معلوم ہوتا ہے اور ایک بہت بڑی
خوبی اوسمیں یہ ہے کہ اوسمیں نہ تو کچھ مشکل مسئلے ہیں اور نہ وہ شروع ہی سے لوگوں کو ایسے اعتقادات
پر مجبور کرتا ہے جو عقل اور ہر ایک انسان کی معمولی سمجھ کے برخلاف ہوں اور اسیوجہ سے مسلمانوں
میں اپنے مذہب سے پھر جانیکا میلان بہت ہی کم ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مذہب اسلام
کے پیرو اوسکی نسبت اپنا اعتقاد ظاہر کرنے میں کچھ شرم نہیں کرتے دینی اوسمیں کوئی بات ایسی

نہیں ہے جو اونکے لئے موجب شرم ہو) بلکہ مرد اسپر ویسا ہی علانیہ طور سے اعتقاد رکھتے ہیں جیسے کہ ہماری عورتیں عیسائیت کی نسبت پختہ اعتقاد رکھتی ہیں۔ جو اخلاق اسلام نے تعلیم کیے ہیں وہ عمدہ ہیں اور جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں اونکا اس برتاؤ کی بہ نسبت جو ہم عیسائی ہونے والوں کی ساتھ کرتے ہیں بہت بڑھکر برادرانہ اور مساوی طور پر خیر مقدم کیا جاتا ہے"۔

اس منصف عیسائی کے کلام سے دو امر ظاہر ہوئے ایک یہ کہ عیسائیوں کے عقاید یونانیونکے ایجاد ہیں اور لائق قبول نہیں اور یہ تثلیث وہی آریا کی تثلیث ہے اور یہی ہمارا مدعا تھا دوسرے یہ کہ مذہب اسلام اور مذہب عیسوی میں یہ فرق ہے کہ جیوں جیوں علم کی ترقی ہوتی جاتی ہے ووں ووں اسلام کی خوبی اور مذہب عیسوی کی برائی ظاہر ہوتی جاتی ہے۔

ساتویں بحث ارکان حج کے بیانمیں افعال حج کو پادری صاحب بت پرستونکی رسمیں بتاتے ہیں چنانچہ صفحہ ۲۹۳ و ۲۹۴ نیاز نامہ میں لکھتے ہیں" پھر کعبہ کو سجدہ کرنیکا حکم جاری ہوا جو شہر مکہ میں بت پرستان عرب کا مندر تھا اور مسلمانوں کو حکم ہوا کہ ان بت پرستونکی تمام رسوم تعمیل کریں جیسے پھیرے کر دینا۔ دوڑنا۔ کنکری پھینکنا۔ پہاڑ پر چڑھنا۔ بعد ازاں ایک کالے پتھر کو چومنا۔ اور سر اوسپر رکھنا۔ اور دور سے اوسکی طرف جھکنا۔

واضح ہو کہ جس منشا سے یہ طعن کیا گیا ہے اوسکا کافی جواب چھٹی بحث میں گذر گیا اب یہاں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آیا جو افعال حج میں کئے جاتے ہیں اونکی نسبت حضرت ابراہیمؑ کیطرف ہو سکتی ہے یا نہیں مطلب اصلی بیان کرنیسے پہلے میں ناظرین کو متنبہ کرتا ہوں کہ اس مقام پر پادری صاحب نے شریعت محمدیہ پر دو اتہام صریح لگائے ہیں ایک یہ کہ کعبہ کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا۔ دوسرا یہ کہ دور سے حجر اسود کیطرف جھکنا ہمارے فقہانے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کعبہ کو سجدہ کرے تو اسلام سے خارج ہو جاتا ہے (حتے لو سجد للکعبۃ نفسہا کفر (در مختار) کمال تعجب بلکہ افسوس ہے کہ پادری صاحب باین شہرہ علم اسلام کی موٹی باتوں سے بھی واقفیت نہیں رکھتے۔ اب میں اصل مطلب بیان کرتا ہوں جو منصف عرب کی تاریخ پر نظر کریگا اور حضرت ابراہیمؑ اور انبیائے بنی اسرائیل کے حالات سے واقف ہوگا وہ بے تامل کہدیگا کہ افعال حج کی نسبت

حضرت ابراہیم کیطرف کرنا نہایت قرین قیاس ہے تاریخ عرب سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ تمام عرب حضرت ابراہیم کو اپنا مقتدا[1] اور اپنا جد امجد جانتے تھے اور افعال حج کو اونہیں کیطرف منسوب کرتے[2] تھے اور ہمیشہ اونہوں نے اسی خیال سے ارکان حج ادا کئے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اسیطرح کیا کرتے تھے اور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اوسوقت جبکہ یہود و عیسائی وہاں آئے اونہوں نے حضرت ابراہیمؑ کے وہاں آنے اور کعبہ بنانے اور ارکان حج اونکی طرف منسوب ہونے سے انکار کیا ہو بلکہ یہ لوگ بھی خانہ کعبہ کو معظم جانتے تھے اور نذریں چڑھایا کرتے تھے علاوہ اسکے ارکان حج ایسے بھی نہیں ہیں کہ وہ افعال بعینہ یا اوس قسم کے حضرت ابراہیم اور اونکی اولاد نے نہ کئے ہوں یا اونکو جائز نہ کہا ہو اگر ایسا ہوتا تو بھی انکار کرنیکی گنجایش ہوسکتی ملاحظہ کیجیے پیکر یا یعنی طواف اوسکی نسبت حضرت داؤد فرماتے ہیں تب میں اے خداوند تیرے مذبح کا طواف کرونگا زبور ۲۶ درس ۶ بعدہ سر منڈانا یہ رسم ارکان حج میں نہیں ہے پادری صاحب نے غلطی سے اوسے داخل کیا ہے البتہ شریعت موسوی اور عیسوی میں بیشک بعض وقت بعدہ سر منڈانے کو ضروری قرار دیا ہے چنانچہ احبار کے باب ۱۴ درس ۹ میں ہے کہ اوس ساتویں دن اپنے سر کے بال اور اپنی داڑہی اور اپنی بھویں غرض اپنے سارے بال منڈا دے اور حضرت مسیح نے بھی اس حکم کو بحال رکھا ہے دیکھو متی باب ۸ درس ۴ ملاحظہ ہو اب پادری صاحب فرمائیں کہ اگر پیکر یا بعدہ سر منڈانا خاص بت پرستوں کی رسم ہے تو کیا حضرت داؤدؑ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی نسبت بت پرستوں کے سے عقائد کا اعتقاد نعوذ باللہ منہ اور اگر یہ نہیں ہے تو کیا ہو سکتا ہے کہ ایک ہی فعل اگر انبیائے بنی اسرائیل کریں تو خدا پرستوں کا فعل ٹھہرے اور اگر اوسیکو بنی اسمٰعیل میں سے ایک نبی کرے تو بت پرستوں کی رسم کہی جائے پادری صاحب ذرا سوچیے اور انصاف کیجیے سب سے زیادہ محل طعن عیسائیوں کے نزدیک افعال حج میں حجر اسود کو بوسہ دینا ہے اسلئے میں اب اوسیکا بیان کرنا کافی سمجھتا ہوں عیسائی کہتے ہیں کہ جس طرح بت پرست بتوں کو معظم و مکرم جانکر اونکی پرستش کرتے ہیں اور انھیں بوسہ دیتے ہیں اسیطرح مسلمان حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں میں کہتا ہوں کہ نہ مطلقاً پتھر وغیرہ کی توقیر کرنی بت پرستی ہوسکتی ہے نہ خاص بوسہ دینا ایسا فعل ہے جو پرستش سے مخصوص ہو کیونکہ بت پرستی کے یہ معنی ہیں کہ غیر خدا میں وہ صفت ماننا جو خدا

---

[1] اسیواسطے خانہ کعبہ میں اونکی تصویر بنا رکھی تھی۔

[2] چنانچہ آنریبل مسٹر سید امیر علی صاحب اپنی کتاب میں کاسن ڈی پرسوں صاحب کی تاریخ عرب جلد ۱ صفحہ ۲۶۹-۲۷۰ سے ناقل ہیں۔

کے ساتھ خاص ہے اور اس اعتقاد کے ساتھ اوسکی تعظیم کرنا اب خواہ اونکی یادگار کے لیے اونکی صورت یا کوئی اینٹ پتھر سامنے رکھ لے یا نہ رکھے صرف دل ہی میں اوس سے ایسا اعتقاد کر کے اون کی پرستش کیا کرے مگر چونکہ پیشتر ایسے اعتقاد والوں نے یادگار کے لئے پتھر وغیرہ سامنے رکھکر اوسکی تعظیم کی ہے اسلئے بت پرستی کا لقب اونھیں سے خاص ہو گیا۔ عرصہ کے بعد اون کے پیرووں نے اس امر کو بھلا دیا کہ پتھر محض یادگار ہیں بذاتہ پرستش کے لایق نہیں ہیں بلکہ خود اُنھیں کی پرستش کرنے لگے۔ مذہب اسلام میں حجر اسود نہ بذاتہ ایسی شے سمجھی گئی کہ پرستش کے لایق ہو اور نہ وہ ایسی شے کا یادگار خیال کیا گیا جسے باوجود غیر خدا ہونے کے خدائی کی صفت اسے دی گئی ہو اسکا ثبوت خود پیغمبر اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور اونکے اصحاب کبار کے قول سے بتصریح موجود ہے چنانچہ ابن ابی شیبہ ناقل ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کے پاس[۱] آکر کھڑے ہوئے اور کہا کہ انی اعلم انک حجر لا تضر ولا تنفع ثم قبلہ میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نقصان اور نفع کچھ نہیں دے سکتا یہ کہکر اوسے بوسہ دیا پھر حضرت ابوبکر رضی خلیفہ اول آئے اور اُنھوں نے بھی اوسکے سامنے کھڑے ہو کر وہی الفاظ کہے جو رسول اللہ نے کہے تھے اور کہا کہ اگر رسول خدا تجھے بوسہ نہ دیتے تو میں ہرگز بوسہ نہ دیتا اسکے بعد حضرت عمر رض خلیفہ دوم حجر اسود کے روبرو آئے اور باواز بلند وہی الفاظ کہے جو رسول اللہ اور خلیفہ اول رض نے کہے تھے یہاں سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ حجر اسود کو پرستش کی غرض سے ہرگز بوسہ نہیں دیا جاتا بلکہ یہ فعل ویسی قبیل کا ہے جیسے کہ انبیاء سابقین نے کیا ہے مثلاً پیدایش کے باب ۲۸ ورس ۱۸ میں ہے۔ اور یعقوب صبح سویرے اوٹھا اور اوس پتھر کو جسے اوسنے اپنا تکیہ کیا تھا لیکے ستون کھڑا کیا اور اوسکے سر پر تیل ڈھالا" اور اسی کے باب ۳۵ ورس ۱۴ میں ہے " یعقوب نے اوس جگہ جہاں وہ اوس سے ہمکلام ہوا ایک ستون پتھر کا کھڑا کیا اور اوسپر

[۱] یہ واقعہ امام مالک اور امام بخاری اور مسلم وغیرہم اکثر محدثین نے اپنی کتابوں میں صرف حضرت عمر رض سے روایت کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رض نے مجمع عام میں بغرض اظہار یہ فعل کیا تھا اسلئے اوسکی شہرت زیادہ ہوئی ۱۲

تپاؤں کیا اور اوسپر تیل ڈالا - اور احبار باب ۸ ورس ۱۰ و ۱۱ - اور گنتی باب ۷ ورس ۱ بھی ملاحظہ ہو اب خیال کرنا چاہیئے کہ جب پتھر پر تیل چڑہانا اور اوسپر تپاؤں کرنا (جو نہایت مرتبہ کی تعظیم تھی) پرستش نہیں قرار پایا تو بوسہ دینا کیونکر پرستش ہوسکتا ہے - جو عیسائی یہ کہتے ہیں کہ اگر حجر اسود کے بوسہ دینے کو حضرت ابراہیم کیطرف منسوب کیا جائے تو اونکو بت پرستی کا بانی کہنا پڑیگا وہ صاحب حضرت یعقوبؑ اور حضرت موسیٰؑ کے اس فعل کو ملاحظہ کریں کیا یہ انبیا بت پرستی کے بانی تھے (نعوذ باللہ منہ) اور اگر یہ انبیاء باوجود پتھر کی ایسی تعظیم کے بھی بت پرست نہیں ٹھہرے تو حضرت ابراہیم کو حجر اسود کے بوسہ دینے کی وجہ سے بت پرستی کا بانی کہنا نہایت ہی ناانصافی ہی اب اگر کیکو ان انبیاء کے افعال پر تسلی نہو اور بوسہ دینے کی وجہ دریافت کرے تو میں کہتا ہوں کہ جب پیغمبر اسلام کے قول سے بتصریح ثابت ہو گیا کہ پرستش اسکی وجہ نہیں ہی تو بالضرور اسکے سوا کوئی اور وجہ ہوگی میرے نزدیک کئی وجہیں ہوسکتی ہیں -

(۱) ظاہر ہے کہ بوسہ دینا پرستش کیا تعظیم کے لئے بھی مخصوص نہیں ہے اسیواسطے میاں بی بی کو باپ بیٹے کو عاشق اپنے معشوق بلکہ اوسکے لباس وغیرہ کو اور عیسائی خصوصًا مقدس پادری صاحب ہر ایک میم صاحبہ کو یعنے جسے دل چاہے بوسہ دیتے ہیں نہایت ظاہر ہے کہ اس قسم کے بوسے تعظیم کی غرض سے نہیں ہوتے بلکہ صرف تقاضائے جوش محبت ہوتا ہے اب اگر حجر اسود کے بوسے کو اسی قبیل کا قرار دیں تو بھی ہوسکتا ہی کیونکہ وہ خانۂ خدا کا ایک ممتاز جزء ہے اور اس رہنمائے قدیم کے دست مبارک کا نصب کیا ہوا ہے جنھیں اوس ہادی مطلق نے ایک عالم کیلئے سرچشمۂ ہدایت بنایا تھا پھر کیا خدا پرستوں کو اوس سے اتنی بھی محبت نہو گی جتنی باپ کو بیٹے سے ہوتی ہے -

(۲) اور اگر یہ بوسہ اوس قبیل کا قرار دیں جیسا حضرت داؤد نے ساؤل کے سامنے کیا تھا تو بھی ممکن ہے ڈاکٹر اسمتھ اپنی اسمال بیبل ڈکشنری میں لفظ اڈوریشن (یعنے عبادت) اور لفظ کس (یعنے بوسہ) کے بیان میں لکھتے ہیں کہ بادشاہ کے فرمان کو بوسہ دیا جاتا تھا اور اظہار اطاعت کے لئے زمین کو بھی بوسہ دیتے تھے

جیسا کہ حضرت[1] داؤد نے کیا (اول سموئیل باب ۲۴ درس ۸) نہایت ظاہر ہے کہ شاہی فرمان کو اور بادشاہ کے روبرو کی زمین کو یا تخت کو پرستش کی غرض سے ہرگز بوسہ نہیں دیتے بلکہ اوس بادشاہ کے صرف اظہار عظمت اور اطاعت کی غرض سے یہ فعل کیا جاتا ہے جس کی طرف یہ فرمان منسوب ہے اور جسکے دربار میں ہم آئے ہیں یہاں پر اوس فرمان اور اوس زمین کی تعظیم کا خیال بھی نہیں ہوتا اسیطرح حجر اسود کے بوسے کو سمجھنا چاہیئے کیونکہ اگر یہ خیال کیا جاتے کہ یہ خانہ خدا کا ایک ممتاز جز ہے تو خدا کی طرف منسوب ہے اور اگر اسپر نظر کی جاتے کہ چشمہ ہدایت یعنی حضرت ابراہیم کا نصب کیا ہوا ہے تو اونکی طرف اوسکو نسبت ہے غرض دونوں وجہ سے اظہار عظمت اور اظہار اطاعت ہوسکتا ہے کیونکہ پیغمبر اسلام جس طرح شریعت آلہی کے میطع تھے اسی طرح ملت ابراہیمی کے۔

(۳) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح نماز عیسوی اور نماز محمدی میں زمین پر یا کسی اور چیز پر خاص خدا کی بندگی کے لئے سجدہ کیا جاتا ہے اور جس چیز پر سجدہ کیا جاتا ہی اوسکی تعظیم کا مطلقاً لحاظ نہیں ہوتا اسی طرح نماز ابراہیمی یعنے طواف کعبہ میں بجائے سجدہ کے حجر اسود پر بوسہ دینا قرار پایا اور جس طرح سجدے سے خاص خدا تعالے کی تعظیم مقصود ہوتی ہے اسی طرح اس بوسے سے اوسی کی تعظیم مطلوب ہی اور جس طرح سجدہ کرنے میں زمین کی پرستش کا خیال نہیں ہوتا یہاں بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیئے الغرض حجر اسود کے بوسہ دینے کے متعدد وجہیں ایسی ہیں جنکے سبب سے کسی منصف کے نزدیک یہ فعل طعن کے لایق نہیں ہوسکتا پیغمبر اسلام علیہ السلام کے فرمان کہ محل شبہہ کو یہ جملہ کہکے بالکل مٹا دیا۔ انک حجر لا تضر و لا تنفع باقی رہی بوسہ دینی کی وجہ وہ ہر عاقل منصف موافق اپنی فہم کے نکال سکتا ہے اوسکے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اسلئے شارع نے بیان نہیں کی۔ الحاصل جب عالم کا ایک بڑا گروہ یعنی بنی اسمعیل سب کے سب متفق

---

[1] اگرچہ موجودہ ترجموں بیبل میں اس مقام پر حضرت داؤد کا ساؤل کو سجدہ کرنا لکھا ہے مگر ڈاکٹر اسمتھ بوسہ ہی کی نظیر میں سے لکھتے ہیں اور بالفرض اگر سجدہ ہی کیا تو وہ فعل کیا جو بوسہ سے تعظیم میں بڑھا ہوا تھا۔ پھر اگر بوسہ کو اوسپر قیاس کیا جاتے تو کسی طرح بیموقع نہیں ہوسکتا۔ ۱۲

ہیں کہ ارکان حج حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل کی طرف منسوب ہیں اور اُسوقت کے بنی اسرائیل بھی اپنے بھائیوں کی تکذیب نہیں کرتے اور نہ حضرت ابراہیم اور اونکی اولاد کے افعال اون کی تکذیب کرتے ہیں بلکہ ایک طور سے تصدیق ثابت ہوتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ خواہ مخواہ اتنے بڑے گروہ کو جھوٹا ٹھہرایا جائے بلکہ عقل وانصاف اسیکا مقتضی ہے کہ اونکے قول کی تصدیق وہاں تک کیجائے جہانتک کہ عقل سلیم جائز رکھے البتہ حسب عادت زمانہ بوجہ مدت دراز ہونے کے ارکان ابراہیمی میں کمی زیادتی ہوگئی تھی جسکی اصلاح حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والثنا نے کردی اب میں اس بحث کو زیادہ طول نہیں دیتا جسکا جی چاہے غایۃ الشعور[1] فی حج الحج المبرور اور خطبات احمدیہ ملاحظہ کرے ان میں ارکان حج کا مفصل بیان[2] ہے۔

ف۱ یہ نادر کتاب مولفہ مولوی محمد شاہ صاحب مرحوم لکھنوی اول مرتبہ ۱۲۸۳ھ ہجری میں مطبع سرولی دارالسلطنت کلکتہ میں چھپی تھی اور دوبارہ منشی نول کشور صاحب نے ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ عیسوی دسمبر میں ۳۴۴ صفحوں پر چھاپی ہے۔

ف۲ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حاشیہ میں غایۃ الشعور کے چھٹے باب کی عبارت یہاں نقل کردیجائے جسمیں بطور اجمال ارکان حج کے اسرار بیان کیے ہیں اور اوسکے بعد مؤلف نے ساتویں باب میں حج کے ہر ایک فعل کی متعدد اسرار مفصل لکھے ہیں وہ عبارت یہ ہے طواف اسرار ست از گرد بدن بگرد سر یار نازنین گشتن و استلام حجر اسود عبارت از بوسیدن سنگ آستانہ و دست سجدہ کردن عبارت از آنکہ بر عتبہ عالی رتبہ آن حبیب نهیں می باید سود سر و پا برہنہ کردہ احرام پوشیدن و کفن آیا وی از خار بدن و گشتن یعنی حوذیات تن و لالت برینکہ خویشتن را پیش امر جلیل القدر ش بدنسیان ذلیل و خوار و مجبور و بے اختیار بباید نمود یعنے کالمیت بین ید الغسال صفت سال باید ساخت و از عالم قدرت و اختیار رے کہ اجبارا بود خود را دور تر می باید انداخت آب آب زمزم باب از صفا تا مروہ و از مروہ تا صفا ابنا ست باآنکہ بتلاش مرضیاتش از قاف تا قاف و ازین سو بآن سو کو بکو حیران و سرگردان گردیدن میباید دویدن ما بین میلین اخضرین ایماست از آنکہ در بجا آوری احکام عظامش سعی و سرگرمی باشاید وقوف عرفات عبرت از قیام عرصہ عرصات ست سر و ناخن تراشیدن ہدایت بدفع نمودن حجابہا و سائر فضولات ست سنگریزہ چیدن مشعر ست کہ در طلب گوہر گم شدہ مقصود خاک بیزیہا باید قربانی نمودن مخبر ست کہ خود را براہ دوست ہمچنین فدیہ نمودن شاید رمی شیطان اشارت بآن ست کہ عنف و اشلم با دشمن خدا از واجبات طریق محبت و اخلاص واند و ہر وقت کہ آن ملعون سنگ راہ طلب شدن خواہد ہم بسنگ طرد و بیزار یش بہ زند و بر اند صاحب فتح العزیز بتفسیر تحقیق تنویر خود در شرح خصوصیا یتکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام از طرف حضرت حق بدان تخصص گردیدہ بود بیان (باقی بصفحہ ۲۴۹)

اختلاف پنجم

اس اختلاف میں پادری صاحب نے چند مسئلے بیان کرکے اپنے زعم میں یہ بات ثابت کی ہے کہ انمیں قرآن و حدیث مخالف عقل اور معارض کتب مقدسہ ہیں مگر میں نہایت افسوس سے پھر وہی بات کہتا ہوں جو پہلے کہہ چکا ہوں کہ ہمارے معزز مخاطب نے نہ تو قرآن و حدیث کو اچھی طرح دیکھا اور نہ توریت و انجیل کو بخوبی ملاحظہ فرمایا اور نہ غور و فکر کے ساتھ عقل صائب سے کام لیا کسی مقام پر اگر ایک کتاب دیکھ لی یا کسی عالم کی رائے نظر سے گذری اور وہ بظاہر اُن مضامین کتب مقدسہ کے مخالف معلوم ہوئی جو پادری صاحب کے ذہن میں ہیں پس اُسکو قرآن و حدیث کی طرف منسوب کرکے جھٹ پٹ مخالفت کا حکم قطعی دیدیا پھر کیا ایسی بے تحقیق باتوں سے کسی پاک مذہب پر الزام آسکتا ہے کیا ایسی سرسری نظر سے مذہب کی تحقیق ہوسکتی ہے استغفر اللہ اسکے لیے بڑی نظر اور نہایت غور اور کمال انصاف دلی چاہیے ہمارے مخاطب ان سب باتوں کو بالائے طاق رکھکر اسلام کا مقابلہ کرنے بیٹھے ہیں افسوس صد افسوس اللہ اُنکے دل و دماغ کو انصاف کی روشنی سے منور کرے اب ہمارے مخاطب اُن مسائل پر غور کریں جنپر اُنھوں نے اس اختلاف میں بحث کی ہے

۴ اجمالی مناسک حج بدین عبارت فیض اشارت افادہ می فرماید یا زایشان را حکم شد کہ در ہر سالی یکبار خود را والہ و شیدا ساختہ دیوانہ وار و عاشق کردار برائے گردگشتن خانہ محبوب خود برہنہ سر و برہنہ تن و برہنہ پا ژولیدہ مو پریشان حال و گرد آلودہ از شام بسرزمین حجاز رسیدہ گاہی بر کوہ و گاہے برزمین رو بسوئے خانہ او کردہ استادہ شوند و گاہے دشمن او را در خیال خود تصور نمودہ سنگ لعن وطرد و بیزاری را بر وے اندازند و عوض جان خود جان عزیز ترین مملوکات خود را برائے او قربانی نمایند و من بعد گرد خانہ تجلی آشیانہ او طواف کنند و بار بار کنجہائے آن خانہ را ببوسند و بلیسند تا معنی عشق و محبت کہ در باطن ایشان کامن است در لباس صورت جلوہ گر شود و مشہود خاص و عام گردد و دریں بین بآواز بلند لبیک گویان نعرہ ہا زنند و آتش محبت اندرونی را بآن نعرہ ہا برافروزند و برائے نمود این کیفیت مناسک حج برائے ایشان مقرر شد و طواف و سعی الصفا والمروۃ و آمد و رفت مزدلفہ و عرفات و اقامت در منا و ذبح و قربان و تلبیہ و احرام مشروع گشت۔ پادری صاحب ان اسرار میں بنظر انصاف غور فرمائیں اور بعض احکام عیسوی مثل عشاء ربانی وغیرہ کے اسرار کو بھی پیش نظر رکھیں تاکہ قوت فیصلہ یک طرفی ڈگری یا ڈسمس نکرے ۱۲ منہ

پہلا مسئلہ جھوٹ بولنا پادری صاحب دعوی کرتے ہیں کہ توریت وانجیل میں کسی وقت اور کسی حالت میں جھوٹ بولنے کو جائز نہیں رکھا ہے اور قرآن وحدیث میں بعض وقت اسکی اجازت دی ہے۔ مثلاً ظلم وزبردستی کے وقت اپنے مذہب سے انکار کردینا یا اصلاح وغیرہ کے واسطے جھوٹ بولنا روا رکھا ہے۔

اس امر کی تحقیق کے لیے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے چند آیات واحادیث نمونہ کے طور پر نقل کروں جنمیں جھوٹ بولنے کی سخت برائی اور اسکی ممانعت اور ہر حال میں سچ بولنے کی تاکید ہے اس کے بعد پادری صاحب کے شبہہ کا جواب دیا جائیگا۔

(۱) قرآن مجید کے تیسرے پارے کے چودھویں رکوع میں اللہ تعالے اپنے نبی کو اس کہنے کی تعلیم فرماتا ہے فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ہم لعنت ڈالیں اللہ کی جھوٹوں پر۔

(۲) ۱۸ پارے کے ۷ رکوع میں ہے اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ لعنت خدا کی اُسپر جو جھوٹا ہے ان دونوں آیتوں کا بعینہ وہی مضمون ہے جو پادری صاحب نے مکاشفات ۲۲ باب ۱۵ وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

(۳) ۱۷ پارہ ۱۱ رکوع میں ہے اِجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ بچتے رہو جھوٹی بات سے۔

(۴) منصور صحابی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچ کو تلاش کرو

عن منصور بن المعتمر قال تحروا الصدق وان رأيتم ان الهلكة فيه فان فيه النجاة (ترغيب وترهيب)

یعنی قصد کرکے سچ بولو اگرچہ تم اپنی تباہی اُسمیں سمجھو کیونکہ دراصل اُسمیں نجات ہے اس حدیث میں ہر حال میں سچ بولنے کی صراحۃً تاکید ہے۔

(۵) ابوامامہ صحابی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

عن ابی امامة ان النبي قال انا زعيم ببيت في وسط الجنة لمن ترك الكذب وان كان مازحاً (ابو داؤد وترمذی)

جو شخص ہنسی کی راہ سے بھی جھوٹ نہ بولے اوسکے لیے ایسے مکان کا میں ضامن ہوں جو بیچا بیچ جنت کے ہوگا۔ ملاحظہ کیجئے کہ یہاں ہر حالمیں سچ بولنے کی کیسی ترغیب ہے۔

(۶)۔ صفوان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ مسلمان

عن صفوان بن سلیم قال قیل یارسول اللہ ایکون المومن جبانًا قال نعم قیل لہ ایکون المومن بخیلاً قال نعم قیل لہ ایکون المومن کذابًا قال لا (مالک)

نامرد ہوسکتا ہے فرمایا ہاں پھر دریافت کیا گیا کہ آیا مسلمان بخیل ہوسکتا ہے فرمایا ہاں۔ پھر دریافت کیا گیا کہ آیا مسلمان جھوٹا ہوسکتا ہے فرمایا نہیں اس حدیث میں صاف طور سے اسلام کی علامت سچائی قرار دی ہو اس سے زیادہ ہر حال میں سچ بولنے کی تاکید اور ترغیب اور کیا ہوگی۔

(۷)۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام بری

عن عائشۃ رض قالت ما کان من خلق ابغض الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الکذب الخ (احمد وغیرہ)

عادتوں سے زیادہ ناپسند جھوٹ تھا جب کسی کے جھوٹ پر آپ مطلع ہو جاتے تو جب تک وہ اس سے توبہ نکر لیتا تھا اور اس بدعادت کو چھوڑ ندیتا تھا تو آپ اس سے کبھی صاف نہیں ہوا کرتے تھے۔

(۸) احادیث کثیرہ میں جھوٹ کو اکبر الکبائر میں شمار کیا ہے یعنی جو گناہ سب گناہوں سے بڑے ہیں اُن میں ایک جھوٹ بھی ہے۔ اور منافق کی نشانی بھی اسے اکثر حدیثوں میں فرمایا ہے اب خیال کرنے کا مقام ہے کہ جو رسول اکرم جھوٹ کو اکبر الکبائر قرار دے اور سچ کو اسلام کی نشانی ٹھہرائے اور ہر حال میں سچ بولنے کا حکم کرے اسپر یہ الزام لگانا کہ اُسنے جھوٹ کی اجازت دی ہے کیسی سخت ناانصافی ہے انصاف سے فرمائیے کہ جس قدر جھوٹ بولنے کی ممانعت اور سچ بولنے کی تاکید میں قرآن وحدیث سے نقل کیا گیا کتب سابقہ میں اس سے کوئی زائد امر بیان ہوا ہی جس سے آپ مذہب موسوی اور عیسوی کو جھوٹ سے بالکل بری خیال کررہے ہیں اگر کہیں ہو تو بیان کیجیے اور اگر نہیں ہے (اور واقع میں نہیں ہے) تو کیوں مذہب اسلام پر حرفگیری کیجاتی ہے خدا سے ڈرنا چاہیے۔

اب آپ وہ مقامات پیش کرینگے جہاں سے جھوٹ بولنے کی اجازت آپ سمجھے ہیں لہذا میں

اُن کی تفصیل کرتا ہوں -

پہلا مقام - جہاں آپ جھوٹ کی اجازت بیان کرتے ہیں حالت جبر اور اکراہ میں مذہب سے انکار کر دینا ہے واضح ہو کہ مذہب اسلام میں کہیں اس بات کا حکم نہیں ہے کہ زبردستی اور ظلم سے مذہب کا انکار کر دو بلکہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کا صاف لا تشرک باللہ وان قتلت او حرقت ارشاد ہے - کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نکر اگرچہ تو قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے اصل مسئلہ اسلام کا یہ ہے مگر چونکہ مذہب اسلام ہر طرح کی افراط و تفریط سے بالکل بری ہے اور خدا تعالے نے تمام عالم کے لیے اسے رحمت قرار دیا ہے اس لیے فطرت انسانی کے مطابق بنایا ہے اور کوئی حکم اسمیں ایسا نہیں رکھا جو کسی فرد بشر کی طاقت سے خارج ہو اور انسان مجبور ہو کر رحمت الٰہی سے دور ہو جائے اسواسطے اگرچہ یہ حکم دیا کہ سخت تکلیف میں بھی مذہب سے انکار نکرے مگر اُسکے ساتھ ہی ضعیف وناتواں کے حال پر رحم کر کے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا جسکا حاصل یہ ہے جو ایمان لانے کے بعد دل سے کافر ہو گیا اُسپر خدا کا غضب ہے اور اُسکے لیے سخت عذاب ہے مگر جو کوئی ظلم اور زبردستی سے انکار کرے اور دل میں ایمان قائم رکھے اُسکے لیے یہ سزا نہیں ہے اس امر کو لحاظ رکھنا چاہیے کہ حالت مجبوری میں بھی مذہب سے انکار کرنیکا حکم نہیں ہے (جیساکہ پادری صاحب ظاہر کرتے ہیں) بلکہ بر تقدیر انکار کر دینے کی سزا سے درگذر کرنیکو ارشاد فرمایا ہے بیشک یہ ارشاد اُسی ارحم الراحمین کا ہے جو اپنے بندوں پر نہایت رحم کرنے والا ہے کیا اسمیں کسی کو شبہہ ہو سکتا ہے کہ بعض انسان سخت سے سخت تکلیف میں بھی مضطر نہیں ہوتے اور بعض تھوڑی ایذا میں بیقرار ہو کر اختیار سے باہر ہو جاتے ہیں اور ضبط و تحمل اُنکی طاقت سے خارج ہوتا ہے پھر کیا وہ سزا کا مستحق ہو سکتا ہے جسے مضطر و بے اختیار کر کے جرم کرایا گیا ہو ہرگز نہیں ہرگز نہیں دیکھو دنیا میں تمام عادل بادشاہوں کے دستور و قوانین پس اسلام کا مسئلہ وہی ہے جسپر تمام دنیا کے عاقلوں اور عادلوں کا اتفاق ہے اور کوئی اُسے بُرا نہیں سمجھتا بلکہ عین انصاف جانتے ہیں قرآن مجید میں یعنی اوس کتاب میں جسے ہم بالیقین کلام خدا اعتقاد کرتے ہیں صرف یہی ایک مقام تھا جہاں سے پادری صاحب جھوٹ کی اجازت ثابت کرتے تھے اسکے سوا اور کسی مقام پر

اس اجازت کا ایما اور اشارہ بھی نہیں ہے۔ البتہ بعض حدیثوں میں ایسا بیان ہوا ہے جس سے تین مقاموں پر جھوٹ کی اجازت سمجھی گئی ہے مثلاً ایک روایت میں ام کلثوم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی امر میں جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دیتے تھے مگر لڑائی میں اور صلح کرنے کی غرض سے اور خاوند کو جورو کے راضی کرنے کے لیے اور جورو کو خاوند کی خوشنودی کے لیے۔ اور اسما بنت یزید سے بھی اس قسم کی روایت ہے مگر شروع روایت میں یہ مضمون ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو تمھیں کس چیز نے برانگیختہ کیا ہے کہ تم جھوٹ پر ایسے گرتے ہو جیسے پتنگا آگ میں کل جھوٹ انسان پر حرام ہیں مگر تین الخ۔

ان حدیثوں سے تو یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ تین مقام کے سوا اور کسی جگہ جھوٹ کی اجازت نہیں باقی رہی یہ تین مقام اسکے بارے میں محققین نے لکھا ہے کہ یہاں اصلی جھوٹ مُراد نہیں ہے کیونکہ جو احادیث اوپر نقل کی گئیں اُنسے مطلقاً جھوٹ کی ممانعت ظاہر ہے لہذا اس سے مُراد تو یہ ہے یعنی ایسی بات کہنا کہ حقیقت میں سچی ہو مگر سننے والا اُسکے مطلب کو نہ پہونچے بلکہ دوسرے معنی مُراد لے جو واقع میں غلط ہوں۔ اسکا حاصل یہ ہوا کہ حقیقی جھوٹ تو ہر حال میں ممنوع ہے باقی رہا اس قسم کی دو پہلو بات کہنا وہ بھی اسلام میں جائز نہیں جھوٹ میں داخل ہے بجز ان تین حالتوں کے اور یہ تینوں حالتیں ایسی ہیں جن میں غور کرنے سے ہر ایک فہمیدہ کہہ سکتا ہے کہ ان حالتوں میں ایسے خفیف جرم کا مرتکب ہونا کسی طرح حرف گیری کا باعث نہیں ہو سکتا۔ خیال کرنے کا مقام ہے کہ اگر اس خفیف جرم سے ہزاروں بلکہ لاکھوں جانیں تلف ہونے سے بچ جائیں اور وہ لعل شب چراغ (یعنے روح انسانی) جس سے قیامت تک لاکھوں کیا کڑوڑوں چراغ روشن ہو کر عالم کو منور کرینگے باد مخالف سے محفوظ رہے اور نہ خاک ہونے پائے یا وہ باہمی نزاع جسکا انجام کسی وقت برہمی نظام قوم اور ملک بلکہ برہمی نظام عالم ہے مٹ جائے تو کس عاقل کے نزدیک اسکا ارتکاب باعث انگشت نمائی ہو سکتا ہے اسی طرح وہ باہمی رشتہ جسے خدا تعالے نے اپنی حکمت بالغہ سے عورت و مرد کے درمیان قائم کیا ہے اگر اس ہلکی برائی سے مستحکم اور مضبوط

ہو جائے اور نوبت افتراق اور قطع رشتہ کی نہ آئے تو کون عقل مند اسکو ناجائز کہہ سکتا ہے۔
واقعی یہ ہے کہ جب اس نفع عظیم پر نظر کیجاتی ہے جو اس خفیف جرم سے حاصل ہوا تو اس کہنے
میں کسی طرح تامل نہیں ہو سکتا کہ اس وقت یہ جرم جرم نہیں ہے۔ اور پادری صاحب کا ان امور
اہم کو خفیف سمجھنا انکی دانشمندی سے نہایت بعید ہے اگر میرے بیان میں غور کرینگے تو غالباً
اپنے خیال کو بدل دینگے۔ قرآن و حدیث میں جو کچھ اس مسئلے کی بابت حکم تھا وہ یہاں تک بیان
کیا گیا اس سے زیادہ جو پادری صاحب نے صورتیں بیان کی ہیں وہ انکی خوش فہمی ہے۔
یہ تو رہا جسکو شریعت محمدیہ میں صرف تین مقام پر جائز رکھا ہے کتب سابقہ میں بہت جگہ پایا جاتا ہے
(پہلی مثال) حضرت ابراہیم نے جو تمام دنیا کے لیے سرچشمۂ ہدایت تھے اور جنکی نسبت اللہ تعالےٰ
توریت میں یوں فرماتا ہے کہ ابراہام نے میری آواز سُنی اور میری تاکید کو اور میرے حکموں کو میرے
قانونوں کو اور میری شرعوں کو حفظ کر لیا ہے (پیدایش ۲۶/۵) بخوف جان اپنی بی بی سارہ کو بہن کہا
اور اُنھیں اپنے آپ کو بھائی کہنے کی تعلیم[۱] کی اگرچہ سارہ حضرت ابراہیم کی علاقی بہن بھی تھیں
اس جہت سے یہ کلام سچ ہے مگر مخاطب اس کلام سے یہ سمجھا کہ بیوی نہیں ہیں اور انھیں مقصود
بھی یہی سمجھانا تھا اس نظر سے یہ کلام جھوٹ ہے (دوسری مثال) حضرت اسحاق نے اپنی
بیوی کو بہن کہا[۲] ہے (تیسری مثال) خداوند تعالے نے حضرت سموئیل کو حکم کیا کہ یسی
کے بیٹے حضرت داؤد کو ممسوح کرنے (یعنی بادشاہ بنانے) جا[۳] سموئیل بولا کہ میں کیونکر جاؤں کہ
اگر ساول سُنے گا تو مجھے مار ہی ڈالیگا خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک بچھیا اپنے ساتھ لے جا اور
کہہ کہ میں خداوند کے لیے قربانی کرنے آیا ہوں۔ یہ کلام اگرچہ صحیح ہو مگر ایک غلط امر[۴] یقین دلانے
کے لیے ایک حیلہ تعلیم کیا گیا ہے۔
اب ہم اپنے علماء کی رائے بھی اس مسئلے میں بیان کیا چاہتے ہیں جسکی وجہ سے غالباً پادری صاحب

---

[۱] پیدایش باب ۱۲ ورس ۱۳ و باب ۲۰ ورس ۲ ملاحظہ ہو ۱۲ [۲] پیدایش ۲۶/۷ ملاحظہ ہو ۱۲
[۳] ۱ سموئیل ۱۶/۱-۲ ملاحظہ ہو ۱۲ [۴] یعنی یہ کہ میں کسی کو ممسوح کرنے نہیں آیا ۱۲

کو دہوکا لگا ہے ہمارے علماء اس باب میں مختلف ہیں[1] بعض کہتے ہیں کہ حقیقی کذب کسی حالت میں جائز نہیں ہے - مہلب نے کہا کہ حقیقی جھوٹ کسی دینی امر میں ہرگز جائز نہیں ہے اور یہ امر غیر ممکن ہے کہ وہ ذات بابرکات جھوٹ کا حکم کرے جسکا یہ مقولہ ہو کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں کرلے اس گروہ کی سند وہی آیات اور احادیث ہیں جو اوپر نقل کی گئیں اور بعض نے مقامات مخصوصہ پر اسکے جواز کا حکم دیا ہے انکا یہ

قال المهلب لايجوز الكذب الحقيقي فی شی من الدين اصلا قال محال ان يامر بالكذب من يقول من كذب علی متعمدا فليتبوا مقعده من النار (نيل الاوطار)

مقولہ ہے کہ مطلقاً کلام (خواہ سچ ہو یا جھوٹ) بیان مطلب کے لیے ذریعہ ہے پھر اگر وہ مطلب عمدہ اور نیک ہے اور اوس عمدگی اور نکوئی کا حصول بغیر کذب کے ممکن نہیں تو اسکی برائی کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی یہ انکا خیال گرچہ بظاہر عقل پر مبنی معلوم ہوتا ہے مگر میرے نزدیک عقل کے علاوہ یہود و نصاریٰ کا اختلاط اسکا بڑا سبب ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ مذہب یہود و نصاریٰ میں نیک مقصد حاصل کرنیکے لیے جھوٹ بولنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن تھا - یہ مستحسن امر یہود میں تو بہت پہلے سے تھا مگر عیسائیوں میں دوسری تیسری صدی سے اسکا شیوع ہوا اور جس وقت صداقت اسلام کا دریا موجزن تھا اوسوقت عیسائیوں میں بطالت اور کذب کا طوفان اٹھا ہوا تھا پھر جب ان طوفان کے ڈوبے ہوؤں کی اسلام نے دستگیری کی اور اکثر یہود اور عیسائی مسلمان ہوگئے تو ان میں اوس طوفان کا اثر باقی رہا بلکہ انکی وجہ سے ادہر میں متعدی ہوا اسوجہ سے یہ رائے قائم ہوئی جس پر پادری صاحب طعن کررہے ہیں مذہب

---

[1] نیل الاوطار میں ہے قال الطبری ذهبت طائفة الی جواز الكذب لقصد الاصلاح وقال الآخرون لايجوز الكذب فی شی مطلقاً وحملوا الكذب المراد هنا علی التوريه والتعريض وبالاول جزم الخطابی وبالثانی جزم المهلب والاصيلی وغيرهما صاحب نیل الاوطار دونوں فریق کے اقوال لکھکر کہتے ہیں والحق ان الكذب حرام كله بنص من القرآن والسنة من غير فرق بين ما كان منه فی مقصد محمود او غير محمود ولا يستثنی منه الا ما خصه الدليل من الامور المذکورة انتهی یعنی حق یہ ہے کہ بتصریح قرآن و حدیث کل جھوٹ حرام ہیں خواہ نیک مقصد کیلئے بولا جاوے یا بد کے لیے کوئی جھوٹ اس سے مستثنے نہیں ہے مگر وہی چند (یعنی تین) امور مذکورہ جنکو حدیث نے خاص کردیا ہے غرض یہ کہ جب توریہ بھی جھوٹ میں داخل کردیا گیا تو حدیث کا مطلب یہی ٹھہرا کہ کل حقیقی جھوٹ اور توریہ سکے سب حرام ہیں مگر صرف تین مقام پر توریہ یعنی دو پہلو بات کہنا درست ہے

اسلام سے اسے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اور یہ جو پادری صاحب نے لکھا ہے کہ کتاب مقدس میں ایک جگہ بھی اجازت نہیں دی کہ آدمی کسی حالت میں جھوٹ بولے" محض غلط ہے میں چند شواہد کتاب مقدس سے نقل کرتا ہوں جس سے پادری صاحب کی غلطی اظہر من الشمس ہو جائیگی۔

(شاہد ۱) خروج کے باب ۳ ورس ۱۸ میں خدا تعالیٰ کا خطاب حضرت موسےٰ کو اس طرح ہے "تو اور اسرائیلیوں کے بزرگ مصر کے باشاہ کے پاس آئیو اور اُسے کہیو کہ خداوند عبرانیوں کے خدا نے ہم سے ملاقات کی اور اب ہم تیری منت کرتے ہیں ہمکو تین دن کی راہ بیابان میں جانے دے تاکہ ہم خداوند اپنے خدا کے لیے قربانی کریں" یہاں صریح تعلیم کذب ہے کیونکہ مقصود تو اُس ملک سے نکل جانا تھا نہ تین دن کی راہ پر قربانی کرنا۔

(شاہد ۲) خروج کے باب ۱۱ ورس ۱ و ۲ میں ہے " خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ میں فرعون اور مصریوں پر ایک بلا لاؤنگا سو اب تو لوگوں کے کانوں میں کہہ کہ ہر ایک مرد اپنے پڑوسی اور ہر ایک عورت اپنی پڑوسن سے روپے کے برتن اور سونے کے برتن عاریت لیوے" یہاں بخوبی جھوٹ بولنے اور فریب دینے کی تعلیم دی گئی کیونکہ مطلب یہ تھا کہ مصریوں کا مال واسباب لیکر چلے جاؤ مگر ظاہر طور سے ملنا غیر ممکن تھا اسلیے یہ بہانہ سکھایا گیا کہ اُنسے عاریت مانگو اور مطابق اس تعلیم کے بنی اسرائیل نے کیا اور مصریوں کا بہت مال واسباب لیکر چلے گئے اور ایسے مقامات تو بہت ہیں جنسے ظاہر ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت جھوٹ بولنا فریب دینا خدا کی ناخوشی کا باعث نہیں ہے مثلاً الیسع نبی نے اپنے دشمنوں سے جھوٹ بولکر اونہیں فریب دیا اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی اُن پر ویسے ہی رہی تھی مگر جب بتصریح جھوٹ بولنے اور فریب دینیکا حکم ہمنے ثابت کردیا تو ایسے مقاموں کی نقل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے

(شاہد ۳) متی کے باب ۱۶ ورس ۲۰ میں ہے " تب اُس نے اپنے شاگردوں کو حکم کیا کہ کسو سے نہ کہنا کہ میں یسوع مسیح ہوں" یہاں درپردہ جھوٹ بولنے کی اجازت ہے کیونکہ جب امر حق کے پوشیدہ کرنے کا حکم فرمایا تو صریح پایا گیا کہ اگر وقت استفسار بیان کی ضرورت پڑے تو خلاف حق

۲ سلاطین باب ۶ ورس ۱۴ - ۲۰ ملاحظہ ہو ۱۲

یعنی کوئی ناراست بات کہدو اور اس قسم کا حکم حضرت مسیح نے بتاکید بارہا کیا ہی لہٰذا خوف کی وجہ سے جھوٹ بولنے کی اجازت ثابت ہوئی۔

(شاہد۴) حضرت مسیح نے عید خیمے میں جانے سے انکار کیا اور پھر چھپکے گئے دیکھو یوحنا باب ۷ ورس ۸-۱۰ اگر یہاں بالفرض حقیقی جھوٹ نمانا جائے تو توریہ یعنی دو پہلو بات ضرور ہی جسکو شریعت محمدیہ میں بجز تین مقام کے اور کسی محل میں جائز نہیں رکھا۔

(شاہد۵) مرقس کے باب ۵ ورس ۳۹ میں حضرت مسیح کا قول سردار کی لڑکی کے بابت اس طرح منقول ہے "کہ تم کاہیکو غل کرتے اور روتے ہو لڑکی مری نہیں بلکہ سوتی ہے" حالانکہ رومن کاتھلک اور پروٹسٹنٹ بالاتفاق کہتے ہیں کہ وہ لڑکی مرگئی تھی حضرت مسیح کے معجزے سے زندہ ہوئی لہٰذا بالضرور یہ کہنا پڑے گا کہ سردار کی تسلی کے لیے ناراست بات کہی گئی الغرض تسلی کے لیے جھوٹ بول دینا حضرت مسیح کے اس قول سے جائز ثابت ہوا۔

(شاہد۶) حضرت پولوس نامہ رومیونکے باب ۳ ورس ۷، ۸ میں فرماتے ہیں "پھر اگر میرے جھوٹ کے سبب خدا کی سچائی اُسکے جلال کے لیے زیادہ ظاہر ہوئی تو مجھ پر کیوں گنہ گار کیطرح حکم ہوتا ہے اور ہم کیوں برائی نہ کریں تاکہ بھلائی نکلے" یہاں سے اظہر من الشمس ہو گیا کہ شریعت عیسوی میں عامتاً نیک مقصد کے لیے جھوٹ بولنا کسی طرح برا نہیں ہے یہ عیسائیوں کی مقدس کتاب ہی جس میں اس عموم اور فراخی کے ساتھ جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے افسوس اون بیخبر عیسائیوں پر کہ جس امر کی اجازت اُنکی کتاب میں جابجا دی گئی ہے اُسے ناجائز قرار دیکر مقدس مذہب اسلام پر الزام لگاتے ہیں جس سے وہ بالکل بری ہے۔ یہانتک

لہ متی باب ۸ ورس ۱-۴ و باب ۹ ورس ۲۷-۳۰ و باب ۱۲ ورس ۱۶ و ۱۷ ملاحظہ ہو ۱۲ لہ پادری ٹھاکرداس صاحب نے جو عدم ضرورت قرآن میں قرآن مجید کے قاصر اور انجیل کے کامل ہونے کا شور مچا رکھا ہے شاید وہ ایسی ہی تعلیمات کی وجہ سے ہے اگر ایسی تعلیم کے نہونے سے قاصر کہدینا صحیح ہو تو بے شبہ قرآن مجید قاصر ہے اس میں ہرگز یہ تعلیم نہیں ہے مگر اہل حق اسکو تکمیل کہینگے نہ قصور ۱۲

تو کتب عہد عتیق و عہد جدید کے شواہد جھوٹ کے جواز میں نقل کئے گئے اب کتب تواریخ سے
ان کتابوں کے ماننے والوں کا حال لکھا جاتا ہے کہ اُن میں کہاں تک اس تعلیم نے اثر کیا تھا
اور اُن کے نزدیک مقدس جھوٹ صرف جائز ہی تھا یا اور کچھ بڑھا ہوا مرتبہ رکھتا تھا۔
کتاب کرسچین مائیتھولوجی ان ویلڈ میں مرقوم ہے کہ دو کلیسیا کا وہ شریف اور ر استباز فرزند **موشیم**
جسکی سند اور مسلمہ صداقت میں پادریوں کو بھی کبھی کلام نہیں ہوا ہے امر ذیل کی تصدیق کرتا
ہے پیروان افلاطون او رفیثاغورس نے اس امر کو ایک اصول قرار دیا تھا کہ صدق و پرہیزگاری
کے مطالب کی ترقی کی غرض سے دہوکا دینا اور نیز بروقت ضرورت جھوٹ کا استعمال کرنا صرف
جائز ہی نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے۔ یہودیان سکنائے مصر نے حضرت عیسےٰ کے آنے سے پیشتر
اس اصول کو اُنسے (یعنے پیروان افلاطون وفیثاغورث[۱] سے) سیکھا اور اخذ کیا تھا جیسا کہ بیشمار
تحریرات سابقہ سے بلاحجت واعتراض ثابت ہے اور عیسائیوں پر اس مضر غلطی نے ان دونوں
ذریعوں سے اثر کیا جیسا کہ ان بیشمار کتابوں سے جنکو نامی وگرامی اشخاص کیطرف اٹھائیا منسوب کیا ہے
ظاہر ہے۔ خلاصہ صدر صرف دوسری صدی کی طرف اشارہ کرتا ہے جبکہ بیشمار اناجیل وخطوط
وغیرہ حسب بیان موشیم غلط موضوع ہوئی تھیں اور غلط منسوب کی گئیں تھیں۔
مگر چوتھی صدی میں اس مروجہ اصول میں کہ دینی مطالب کی ترقی کے واسطے دہوکا دینا اور جھوٹ
بولنا نہایت ثواب کا کام ہے بہت کم استثنا وقوع میں آئے ہیں۔ **بلانڈل** دوسری صدی کے
ذکر میں بیان کرتا ہے کہ خواہ مزدروں اور کذابون کی اشد بے حیائی خواہ معتقدین کی قابل افسوس
سریع الاعتقادی کے لحاظ سے یہ ایک نہایت خراب زمانہ تھا اور مقدس جھوٹ میں ادرسب باتوں سے
سبقت لے گیا تھا **کسوبن** اس طرح شاکی ہے کہ مجھ کو دین عیسوی کے ابتدائی زمانہ میں اس بات کے
دریافت ہونیسے رنج ہوا کہ بہت سے لوگ کلام ربانی کو اپنی اختراعات سے مدد دینے سے ناموری سمجھتے تھے

[۱] جب توریت میں بتصریح اسکی اجازت موجود ہو تو افلاطون اور فیثاغورث پر تہمت لگانا فضول ہے البتہ ان حکماکے
اتفاق نے انکی جرات بڑھادی ہوگی جسکی وجہ سے اس فعل کا استحسان اُنکے دلوں میں راسخ ہوگیا ہوگا۔

بدین غرض کہ ہمارے نئے عقیدے کو عقلائے کفار گوش دل سے سنین،، (صفحہ ۸۰ - ۸۲)
اسی کتاب میں یہ بھی بیان ہے "اور جب کبھی معلوم ہوتا تھا کہ انجیل ہر امر میں اہل دین کے مطالب یا احکام ملکی کے اغراض کے جو اُنسے ساز رکھتے تھے موافق نہیں ہے تو ضروری تحریفات کر لیجاتی تھیں اور طرح طرح کے مقدس جھوٹ اور جعلسازیاں کچھ مروج ہی نہ تھیں بلکہ بہت سے پادریوں نے انکو جائز قرار دیا تھا،، (صفحہ ۸۲)
اس کتاب میں ایک اور مقام پر یہ بیان ہے "اول کی تین صدیوں کے لحاظ سے ہمکو اپنے دین کی صحیح تاریخ کا کچھ علم نہیں بجز اُسکے جو نہایت خراب اور بگڑے ہوے ذریعوں سے حاصل ہوتا ہے کسواسطے کہ اُن اہل سیر کی روایتیں اور حکایتیں جو اُس زمانے میں گذرے تھے ذرا بھی اعتبار کے قابل نہیں ہیں یہ محض مقدس جھوٹ اور جعلسازیوں کی وجہ سے مشہور ہیں مگر ان موروثی کرتبوں اور ہنروں میں بھی یوسی بیس بشب قیصریہ صدی آیندہ میں اُنسے بھی سبقت لے گیا جسکا کلام حق کو چھانٹ چھونٹ کر دین کے عام مطالب سے موافق کر دینے میں کوئی ہمسر نہ تھا۔ وہ خود براہ فخر بیان کرتا ہے کہ جس سے ہمارے دین کی عظمت و نام آوری بڑھے ہمنے بیان کر دیا ہے اور جو اُسکی تحقیر و تذلیل کے طرف مائل ہو ہمنے سب چھوڑ دیا ہے،، صفحہ ۸۶
یہ بھی لکھا ہے کہ تمام بے اعتقاد مصنف جنھوں نے احکام آلہی کا فلسفہ کی رو سے امتحان کیا ہے دین عیسوی کو کفر بتا کر مضرت پہونچانے میں اسقدر ساعی نہیں ہوے ہیں جسقدر کہ حضرات اہل کلیسیا ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے چشمہ آب ہی کو زہریلا کر دیا ہے اور ان بے اعتقاد مصنفین نے اسکا پانی پینے سے لوگوں کو باز رکھا ہے۔ اُنکی سریع الاعتقادی نے جو اسوجہ سے عارض ہوئی تھی کہ وہ طبایع اور معاملات انسانی سے محض ناتجربہ کاری اور علوم طبعی سے بالکل ناواقفیت رکھتے تھے انجیل کے بے شرمانہ تحریفات و تصرفات کی استعانت سے کلیسیاے روم میں عجیب و غریب بیہودہ گیوں اور بدعتوں کا ایک جم غفیر شایع کر دیا جنکو باوجود داد و فریاد عقل کے خوش اعتقادی اب بھی ہضم کر جاتی ہے۔ صرف اُسیقدر مضرت اُنسے نہیں پہونچی ہے۔ اُنھوں نے اخلاق کی بنیاد کو کھوکھل کر دیا

اُنھوں نے اِس مقولہ کی (جسکو میں موشیم کے الفاظ میں لکھتا ہوں) تلقین کی کہ دھوکا دینا اور جھوٹ بولنا جبکہ اُن ذریعوں سے مطالب دین ترقی پذیر ہوں ثواب ہے۔ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ اس مطلق العنان اصول نے دروغ گوئیوں اور جعلسازیوں کے چشمے کا دہانا کھول دیا جسکا پانی ابتدا دین عیسوی کی سرزمین پر مثل طوفان کے چھاگیا اور اُن فریبوں اور باطنی فخریوں جو فی زمانناعیسائیان رومن کیتھلک کو انگشت نما اور بدنام کرتے ہیں رواج دیا اہل سیر میں اول سے لیکر آخر تک سب سے بڑا خاصہ یہ پایا جاتا ہے کہ کفر آمیز سفلگی۔ سریع الاعتقادی تعصب۔ اور فریب دہی کے حامی تھے باایںہمہ ایسے لوگوں کو جانشینان پطرس حواری نے پاک اور مقدس لوگوں کی فہرست میں لکھا ہے" (خطبات احمدیہ صفحہ ۳۴۴ وغیرہ)

قولہ ص ۳۶ جس طرح تصدیق بالجنان فرض ہے اسی طور اقرار باللسان بھی فرض ہے۔

جواب۔ یہ تو صحیح کہ دونوں فرض ہیں اور اسی وجہ سے حدیث میں آیا کہ اللہ کا شریک مت ٹھہرا گرچہ تو مار ڈالا جائے یا جلادیا جائے (لاتشرک باللہ وان قتلت او حرقت) مگر اُسکے فرض ہونیکو یہ ضرور نہیں ہے کہ کسی حالت اور کسی وقت میں اسکے خلاف جائز نہو اپنے عزیزوں اور قریبوں کو دینا اور وقت ضرورت انکی خدمت کرنا فرض ہے مگر جسوقت یہ خود محتاج ہو یا معذور ہو اُسوقت بھی اُسکے ذمے ویسا ہی فرض رہیگا اور اُسکے نکرنیسے گنہگار ہوگا ہرگز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض فرض ایسے بھی ہیں کہ کسیوقت اُسکے ادا نکرنے پر آدمی مجبور ہوتا ہے اُس وقت اُسکو ادا نکرنے کی رخصت دینا عین انصاف ہے اگرچہ کوئی عالی ہمت اپنی علو ہمتی سے اُسکو کرگذرے مگر حاکم کیطرف سے جبر نچاہیے پس اقرار باللسان بھی ایسا ہی فرض ہے یعنی جب تک انسان سے ہوسکے اور مجبور نہو اقرار کرنا فرض ہے تاکہ اُس منعم حقیقی کا شکر جس طرح دل سے ہوتا ہے زبان سے بھی ادا ہو اور دوسرے بھائی بنی آدم کا بھی بھلا ہو مگر جس وقت کوئی اسے مجبور کرے اور اسقدر تکلیف دے کہ اُسکے تحمل کی طاقت نہ ہو اُس وقت اُس ارحم الراحمین کو رخصت دینا مقتضائے عدل ہے اگرچہ کوئی اپنی جان پر کھیل جائے اور کلمہ کفر زبان پر نہ لائے چنانچہ بہت سے عالی ہمت مسلمانوں نے علو ہمتی

کو کام فرمایا اور باوجود نہایت جبر اور ظلم کے مذہب سے انکار نہ کیا۔

قولہ صـ۳۶ خداوند مسیح نے ارشاد کیا ہی کہ جو کوئی آدمیوں کے روبرو میرا انکار کرے گا بروز قیامت میں بھی اُسکا انکار کروں گا۔

جواب بلاشبہہ اسکے یہی معنی ہونا چاہیے کہ زبان و دل دونوں سے انکار کرے ورنہ لازم آئیگا کہ شمعون سے بھی مسیح انکار کریں حالانکہ اُس سے آسمانی بادشاہت کی کنجیاں دینے کا وعدہ کر چکے ہیں۔

قولہ صـ۳۷ دوم یہ کہ دوسرے لوگوں کی ضلالت کا باعث ہی اگر سب ایسا کریں تو دین حق کسی پر ظاہر نہو۔

جواب یہاں بھی پادری صاحب نے غور نکیا اور بے تامل اعتراض کر دیا اسکا جواب تو کئی طرح پر ہو سکتا ہی۔

اول یہ بات ثابت ہی کہ پیغمبر کو کسی وقت انکار کرنا درست نہیں اُنکے لیے صاف حکم ہے بلغ ما انزل الیک الخ یعنی پہونچا دو جو کچھ کہ ہماری طرفسے اوتارا گیا ہے کچھ کسی سے خوف نکرو اللہ تمہارا نگہبان ہے۔ اور دوسری جگہ فرمایا۔ فاصدع بما تؤمر یعنی کھول کر بیان کردے جو کچھ تجھے حکم ہوا ہی۔ پس جب نبی کو چھپانیکا حکم نہیں تو یہ نہیں ہو سکتا کہ دین حق ظاہر نہو۔

دوم یہ امر ظاہر ہے کہ حالت جبر و اکراہ کے اقرار و انکار کو کوئی عاقل صحیح نہیں سمجھتا اور کوئی طالب حق اُس سے گمراہ نہیں ہو سکتا گرفتاری مسیح کا واقعہ یاد کیجئے شمعون پطرس نے کیسا سخت انکار کیا اور باقی حواری کس طرح فرار ہو گیے پھر کیا یہ انکار کرنا اور بھاگ جانا لوگوں کی گمراہی کا باعث ہو گیا کیا دین حق کسی پر ظاہر نہوا۔ نہیں بیشک ظاہر ہوا۔ پس کسی وقت خاص میں یہ مجبوری انکار کو باعث عدم اظہار قرار دینا محض نافہمی ہے۔

سوم یہ امر بھی ظاہر ہے کہ سب آدمی یکساں نہیں ہوتے بعض رحم دل بعض سخت دل بعضے منصف مزاج بعضے متعصب ہٹ دھرم بعض حق بات کے ماننے والے پس اگر کسی جگہ کے لوگ سخت بیرحم متعصب ہٹ دھرم ہوے اور اُنھوں نے حق بات نہ سُنی تو ممکن نہیں کہ کسی جگہ کوئی بھی سننے والا نہو لہذا ناصح کو چاہیے کہ ایسی جگہ کو چھوڑ کر دوسرے مقام پر جائے اور خلق خدا کو ہدایت کرے تاکہ طالب حق ملے اور دین حق کو قبول کرے اگر پادری صاحب میرے کلام میں غور

فرمائینگے تو معاملہ برعکس پائینگے یعنی بوقت جبر و اکراہ عدم انکار باعث ضلالت ہو کیونکہ اگر سب ایسا کریں تو دین حق کسی پر ظاہر نہو گا سبکے سب کسی نہ کسی دباؤ میں ایسا ہی کرینگے اور مارے جائینگے پس کوئی حق کا تعلیم کرنے والا نرہیگا تمام خلقت گمراہ ہوگی۔ اگر پادری صاحب کہیں کہ ممکن نہیں کہ سب کے سب مبتلا ہو جائیں اور کوئی شخص کسی جگہ باقی نرہے تو ہم کہتے ہیں کہ ہمنے تو آپ ہی کے قول[1] سے آپ کو الزام دیا ہے اگر سب کا مبتلا ہونا غیر ممکن ہے تو آپ کا اعتراض غلط ٹھہرا

قولہ سوم اُسکے سچے ایمان کا نشان نہیں ہے۔

جواب مانا ہمنے مگر قرآن و حدیث کب اُسے سچے ایمان کی نشانی بتاتا ہے وہ تو صرف ضعف و اضطرار کے وقت ایک امر کی رخصت دیتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اضطرار کی وجہ سے اس مجرم کو سزا دینے سے درگذر کرتا ہے جیسا کہ مقتضائے عدل و رحمت ہے۔

قولہ کیا خدا میں قدرت نہیں کہ اگر چاہے تو اس بلا کو اُس سے دور کرے۔

جواب۔ خدا میں سب کچھ قدرت ہے مگر بندوں پر وہی حکم ہوتے ہیں جسکی وہ طاقت رکھتے ہیں علاوہ اسکے بعض باتیں مصلحت پر مبنی ہوتی ہیں اور اس عالم اسباب میں سبب پر نظر کیجاتی ہے اگرچہ خدا قادر ہے کہ بغیر سبب سب کچھ کردے مسیح کے قول کو ملاحظہ فرمائیے کہتے ہیں۔ جب وے تمھیں ایک شہر میں ستاویں تو دوسرے میں بھاگ جاؤ (متی ۱۰ باب) اب فرمائیے کہ بھاگنے کا حکم کیوں دیا کیا خدا قادر نہیں کہ اگر چاہے تو اس بلا کو اُس سے دور کردے اور اگر یوں ہی مرضی خدا ہے تو اُسکی رضا پر راضی رہے اور اگر جان پر بھی آبنے تو تصدق راہ خدا کرے بھاگنا کیا معنی۔ اسی طرح حضرت مسیح اپنے تئیں چھپاتے تھے اور بتاکید حواریوں سے کہتے تھے کہ مجھے ظاہر نکرو دیکھو متی کا ۱۶ باب ۲۰ ورس اور مرقس کا باب ۸ ورس ۲۹ و ۳۰ یہ کیوں پوشیدگی کا حکم تہا کیا خدا قادر نہیں کہ بغیر پوشیدگی بلا کو دور کردے ان باتوں کا جواب پادری صاحب کیا دے سکتے ہیں بجز اسکے جو ہمنے بیان کیا ہے۔

[1] صفحہ ۳ سطر ۲ نیاز نامہ ملاحظہ ہو

قولہ - اسیواسطے لاکھوں مسیحی مقدسوں نے اپنی جان تک دین مگر دین مسیحی سے انکار نکیا۔

جواب - جب شمعون پطرس مقدس نے جو اعظم الحواریین تھے انکار کیا قبل اسکے کہ جان پر نوبت آئے تو اور مسیحی کس شمار ہیں ہیں۔

قولہ صنٰہ ایک وقت خدا اپنے رسولوں کو حکم دیوے کہ سب طرح کی تکلیف سہو اور اپنی عزیز جان تک دیدو اور کسی انسان سے خوف نکرو جو حق ہے وہی کہو۔

جواب اسکا ناراست اور غلط ہونا اُن شواہد سے اظہر من الشمس ہے جو اوپر عہد عتیق و جدید سے نقل کیے گیے۔

قولہ وہی خدا سچائی اور راستی اور دین حق کے اظہار کو یہاں تک حقیر جانے کہ جھوٹ بولنے کی اجازت دے۔

جواب - یہ عجب خوش فہمی ہے کہ اگر ایک شخص مجبوری کی حالت میں اظہار حق سے قاصر رہا اور حاکم عادل نے اُسے مجبور سمجھکر اُسکی سزا سے درگذر کی تو پادری صاحب کے نزدیک اُس حاکم نے اظہار حق کو حقیر جانا بھلا یہ کوئی عقل کی بات ہے کیا حضرت مسیح نے اپنے پوشیدہ کرنیکا حکم نہیں دیا اور وقت ستائے جانے کے بھاگ جانے کو نہیں فرمایا پھر کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ خدانے اپنے رسول اور اپنے دین کا اظہار ایسا حقیر جانا کہ اسکے چھپانے کا حکم کیا کیونکہ حقیر اور بُری بات کو چھپایا کرتے ہیں اور یہاں تک حقیر خیال کیا کہ اُسے چھوڑ کر بھاگ جانے کو فرمایا کیا خدائی بدل گئی کہ ایک وقت وہ رسول کا بھیجنا اور خلق پر ظاہر کرنا ضروری سمجھے اور پھر اُسکی پوشیدگی کا حکم دے اور بھاگ جانے کو فرماوے۔ ہرگز نہیں ایسا کہنا محض انسان پُرعصیان کی عقل کا قصور ہے ایسی باتیں میں الزاماً نہیں کہتا بلکہ متنبہ کرتا ہوں کہ علاوہ نافہمی کے پادری صاحب اپنی کتاب سے غافل ہوکر اعتراض کرتے ہیں۔

قولہ نقصان دین و ایمان و زیان جان و مال و عزت و آبرو کے خوف کے مارے اور دو مسلمانوں میں صلح کرانیکے لیے اور جنگ میں دشمنوں پر فتح پانیکے واسطے اور جورو کو راضی کرنیکے لیے وغیرہ جھوٹ بولنا درست ہے

جواب بیان تو پادریصاحب نے جھوٹ کا انبار لگا دیا کیونکہ نو مقام تو شمار کردیئے اور پھر اخیر میں وغیرہ لگا دیا جسمیں بے انتہا باتیں داخل ہو سکتی ہیں مگر ناظرین خوب یاد رکھیں کہ قرآن وحدیث میں کہیں ان باتوں کا پتہ نہیں ہے بجز اوس امر کے جسکا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں۔ افسوس پادریصاحب کیسی ناواجبی جرات کر بیٹھتے ہیں کہ جس امر کا نشان قرآن وحدیث میں نہیں ہے اُسے بے تامل اُنکی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

قولہ ص۱۱۱ اور مسائل اکراہ اور شیعوں کے مسائل تقیہ قابل غور ہیں۔

جواب جناب مسائل اکراہ کون سے ہیں اکراہ کا ایک مسئلہ تھا جسکا جواب دیا گیا ناحق آپ عوام کو فریب دیتے ہیں اور شیعوں کے مسائل تقیہ پر تو آپ غور کرتے ہیں مگر مقدس حواریوں اور خصوصاً حضرت پولوس کے تقیہ پر نظر نہیں فرماتے ملاحظہ کیجئے اعظم الحواریین حضرت پطرس نے تقیہ کیا[1]۔ سب حواریوں نے پولوس کو تقیہ کا مشورہ دیا اور اُنھوں نے کیا اور ایک مرتبہ نہیں بارہا اُن مقاموں کو لکھنا موجب طوالت ہے میں صرف اُنکے ایک قول کی نقل پر اکتفا کرتا ہوں قرنتیون کے باب ۹ میں ہے " (۲۰) میں یہودیوں میں یہودی سا ہوا تاکہ میں یہودیوں کو حاصل کروں (۲۱) اور میں بے شریعت والوں میں بے شریعت والا ہوا تاکہ میں بے شریعت والوں کو حاصل کروں (۲۲) اور میں کمزوروں میں کمزور سا ہوا تاکہ میں کمزوروں کو حاصل کروں میں سب آدمیوں کے واسطے سب کچھ بنا تاکہ ہر طرح سے کتنے کو بچاؤں (۲۳) اور میں انجیل کے واسطے سب کچھ کرتا ہوں تاکہ اُنکے ساتھ اُسکے پھل میں شریک ہو جاؤں " یہاں صاف طور سے دین کے لیے تقیہ کرنے کا اقرار ہے اور اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہے کہ امر دین کے لیے تقیہ کرنا کوئی بری بات نہیں ہے بلکہ باعث ثواب ہے ناظرین یہ خیال نہ فرمائیں کہ میں نے الزاماً یہ قول نقل کیا ہے کیونکہ میں تقیہ کو محض بیدینی سمجھتا ہوں بلکہ میرا مدعا یہ ہے کہ پادری صاحب جو ایک فرقہ شیعہ کے اعتقاد سے مذہب اسلام پر الزام لگانا چاہتے ہیں تو اگر کوئی شیعہ یا اور

[1] نامہ گلاتیوں باب ۲ ورس ۱۳ و ۱۴ ۔ اعمال باب ۲۱ ورس ۲۰ - ۲۶ و باب ۲۴ ورس ۱۷ وغیرہ ملاحظہ ہو ۱۲

کوئی شخص مقدس رسولوں کے اقوال و افعال سے مذہب عیسوی پر الزام لگائے، تو پادری صاحب کیا جواب دینگے اتنا خیال نہیں فرماتے کہ کسی فرقہ کے اعتقاد سے سچے مذہب پر الزام آسکتا ہے ہرگز نہیں اگر ایسا ہو تو جس وقت اُن فرقوں کے اعتقادات سے مذہب عیسوی پر الزام دیا جائیگا جنھیں پادری صاحب حق پر نہیں جانتے تو مذہب عیسوی کو سخت ہزیمت اوٹھانا پڑے گی البتہ لائق الزام مقدس رسولوں کے اقوال و افعال ہو سکتے ہیں غرضکہ تقیہ کا الزام ہمارے مقابلے میں تو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا اور شیعوں کے مقابلے میں بھی اُنھیں ساکت ہی ہونا پڑے گا کیونکہ مذہب عیسوی میں حواریوں کے اقوال و افعال سے تقیہ بخوبی ثابت ہے۔

تنبیہ اس تمام بیان سے واضح ہو گیا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام اسلیے بھیجے گئے کہ دنیا میں کامل سچائی اور راستی پھیلائیں اور وہ کذب و ناراستی جو دینداری کے پردے میں عالمگیر تھی مٹادیں۔

دوسرا مسئلہ جہل و ناواقفی عذر ہے اسکے بیان میں جو کچھ پادری صاحب نے لکھا ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ جو شریعت آلہی کو مان کر گناہ کرے وہ زیادہ مستحق عذاب ہو گا کیونکہ اُسنے واقف ہو کر نافرمانی کی اور جو منکر شریعت آلہی ہے اُسے کم سزا ملیگی اسلیے کہ وہ ناواقف ہے اور سب جانتے ہیں کہ جہل و ناواقفی عذر ہے اسکے مطابق انجیل میں ارشاد ہے مگر قرآن و حدیث اسکے برخلاف ہے۔

جواب ہمارے مخاطب نے یہاں غلط بحث کردیا ہے جسکی وجہ ہم بجز اُنکی ناواقفی کے اور کچھ نہیں کہسکتے اگر وہ قرآن مجید و حدیث شریف کو دیکھتے اور اپنی کتابوں کو بغور ملاحظہ کرتے اور کامل طور سے عقل کو دخل دیتے تو ہرگز ایسا نکرتے پادری صاحب یہ شبہہ تین باتوں پر موقوف ہے اول یہ کہ منکر شریعت آلہی کی ناواقفیت عذر ہے دوم یہ کہ جہل و ناواقفی اسلام میں عذر نہیں ہے سوم یہ قرآن مجید و حدیث کی رو سے عالم کو بہ نسبت جاہل کے زیادہ سزا نہ ہوگی۔

ماہرین دانشمند خوب جانتے ہونگے کہ یہ تینوں باتیں غلط ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ناواقفی اسلام میں عذر ہے مگر ناواقفی دو طرح کی ہوتی ہے ایک وہ کہ اُسکا دور کرنا

انسان کے اختیار میں نہیں ہے یعنی سعی و کوشش سے بھی وہ واقف نہیں ہو سکتا ذیل کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) ایک شخص ایسے مقام پر رہتا ہے کہ اُسے شریعت آلہی و ہادی برحق کی اطلاع نہ پونہچی اسوجہ سے وہ اُسکے ماننے اور اُسپر عمل کرنے سے مجبور رہا اس ناواقفی کو مذہب اسلام نے بلاشبہ عذر قرار دیا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے "ہم کسی پر عذاب نکرینگے جب تک کہ رسول (ہدایت کے لیے) نہ بھیجیں،،

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا

اسکی وجہ یہی ہے کہ جبتک خدا کے رسول نہ آئیں اور وہ مرضی اور نامرضی آلہی کو نہ بتائیں اُسوقت تک انسان محض ناواقف ہے اسوجہ سے اُس پر سزا کا حکم نہیں دیا گیا ظاہر ہے کہ جس شخص کو رسول خدا کے آنیکی خبر نہیں پونہچی وہ مرضی آلہی کے واقف ہونے سے اُسی طرح مجبور ہے جیسے رسول کے نہ آنے سے اور تمام انسان مجبور رہتے اسلیئے وہ شخص بموجب اس آیت کے سزا کا مستحق نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ اسلام میں ناواقفی عذر ہے۔

(۲) اسی قسم میں بھول چوک بھی داخل ہے جسکی نسبت قرآن شریف میں یوں ارشاد ہوا ہے

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ (احزاب ۶-۱)

"کہ جو بُرائی تمنے بھول چوک سے کی اُس میں تمہارے ذمے کچھ گناہ نہیں لیکن جو بُرائی قصداً کروگے گناہگار ٹھہروگے،،

ظاہر ہے کہ بھول چوک کی حالت ایک ناواقفی کی حالت ہے لہذا بانی اسلام نے اُسوقت کے گناہ سے بالکل درگذر کی اور ناواقفی کو عذر قرار دیا۔

(۳) اُن ایمانداروں کی ناواقفی بھی اسی قسم میں داخل ہے جو کفار کے ملک میں سچے نبی کی خبر سنکر اوسپر ایمان لائے مگر شریعت آلہی کے احکام سے ناواقف رہے اُن کی ناواقفی بھی عذر ہے غرضکہ اسلام میں ناواقفی کا عذر ہونا بخوبی ثابت ہے یہ تین صورتیں مینے مثالاً بیان کی ہیں جسکو زیادہ تفصیل دیکھنا منظور ہو وہ ہمارے اصول فقہ کی مبسوط کتابونکو ملاحظہ کرے۔

دوسری قسم ناواقفی کی وہ ہے جسکے دور کرنے پر انسان مجبور نہیں ہے بلکہ کوشش سے

واقف ہوسکتا ہے مثلاً اوس منکر کی ناواقفی جو نبی برحق کی ہدایتوں کو دیکھتا یا دیکھ سکتا ہے مگر اُسکی حقیقت سے ناواقف ہے اور اُس سے انکار کرتا ہے اور اپنی کاہلی یا طمع دنیاوی یا تعصب اور ضد کی وجہ سے تمام عمر اسی جہل اور انکار میں پڑا رہا اور اوس دراز مدت میں بھی اُسنے رجوع نکی تو اسکا جہل کسی عاقل منصف کے نزدیک قابل عذر نہیں ہوسکتا کیا ہمارے مخاطب نہیں جانتے کہ جب سرکار کا قانون مشتہر ہوگیا اور کوئی اُسکے دیکھنے اور واقف ہونے سے مانع نرہا تو پھر کسی شخص کی اُس قانون سے ناواقفی عذر نہیں ہوسکتی۔ تمام معدلت شعار سلطنتوں کا اعلان ہے کہ جہل قانون عذر نہیں پھر کیا تمام دنیا کے عادلوں کا یہ عمل درآمد انصاف کے خلاف ہے ہرگز نہیں ہرگز نہیں اسی طرح جب شریعت آلہی مشتہر ہوچکی تو جہانتک اُسکا اعلان پہونچ چکا ہے وہاں ناواقفی کا عذر کیونکر قابل سماعت ہوسکتا ہے الغرض اسلام نے وہی حکم کیا ہے جسپر تمام عقلا اور منصفوں کا اتفاق ہے اور لطف یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد بھی بالکل اسکے مطابق ہے چنانچہ یوحنا کے باب ۱۵ ورس ۲۱ و ۲۲ میں ہے "یہ سب کچھ میرے نام کے سبب تمسے کرینگے کیونکہ وے اُسے جسنے مجھے بھیجا ہے نہیں جانتے اگر میں نہ آیا ہوتا اور اُنھیں نہ کہتا تو اُنکا گناہ نہوتا لیکن اب اُن پاس اُنکے گناہ کا عذر نہیں" ملاحظہ کیجیے کہ حضرت مسیح اُنہیں ناواقف بتاتے ہیں مگر پھر بھی فرماتے ہیں کہ اُنکے گناہ کا کوئی عذر نہیں اور جب گناہ کا کوئی عذر نہوا تو ثابت ہوا کہ وہ ابدی عذاب کا مستحق ہوا۔

سلہ واضح ہو کہ منکرین کی ایسی حالت ہے کہ انھیں ناواقف بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ حقیقی امر اونپر منکشف نہیں ہوا ورنہ وہ ہرگز انکار نکرتے اور واقف بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ انھیں شریعت آلہی کے آنے کا علم ہوچکا ہے اور ظاہر ہے کہ بہت سے منکر شریعت آلہی کے احکام اس تفصیل سے جانتے ہیں کہ اکثر ایمان لانے والے بھی نہیں جانتے لہذا انھیں واقف کہنا نہایت صحیح ہے پس جب ایک جہت سے واقف اور ایک جہت سے ناواقف ہیں تو انکا جہل عذر نہیں ہوسکتا ناواقفی وہی عذر ہوسکتی ہے جو ہر طرح سے ہو یعنے نہ حقیقی امر اسپر کھلا ہو اور نہ اُسکے ظاہری وجود کا اُسے علم ہو کیونکہ اس جہل کا ازالہ انسان کی قدرت سے باہر ہے ۱۲ –

پس بیان بالا سے واضح ہوگیا کہ ناواقفی اسلام میں عذر ہے اور جس قسم کی ناواقفی عذر نہیں ہے اس پر حضرت مسیح اور تمام جہان کے عقلاء کا اتفاق ہے۔ یہاں تک دو باتوں کا بطلان کیا گیا اب تیسرے دعوی کا بطلان ملاحظہ ہو۔ مذہب اسلام میں یہ مسئلہ مسلم ہے کہ جو واقف ہوکر جرم کا ارتکاب کرے وہ بہ نسبت ناواقف کے زیادہ سزا کا مستحق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

> اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَالِمٌ لَا يَنْتَفِعُ بِعِلْمِهٖ (مشکوٰۃ)

فرماتے ہیں سب سے زیادہ عذاب قیامت کے دن ایسے عالم کو ہوگا جو اپنے علم سے نفع نہ پاوے یعنی عمل نہ کرے اور بعض مرتبہ یوں ارشاد ہوا کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے ذلیل

> اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَالِمٌ لَا يَنْتَفِعُ بِعِلْمِهٖ (مشکوٰۃ عن دارمی)

لوگوں میں وہ عالم ہوگا جو اپنے علم پر عمل نہ کرے اسی بنا پر امام فخر الدین رازی ایک آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں جسکا مطلب وہی ہے جو حضرت مسیح نے فرمایا ہے "وہ نوکر جسنے اپنے خاوند کی مرضی جانی

> مَنْ اَتَى الْمَعْصِيَةَ مَعَ الْجَهْلِ بِكَوْنِهَا مَعْصِيَةً يَكُوْنُ حَالُهٗ اَخَفَّ مِمَّنْ اَتٰى بِهَا مَعَ الْعِلْمِ بِكَوْنِهَا مَعْصِيَةً (تفسیر کبیر جلد)

اور اُسکے مطابق نہ کیا بہت مار کھائیگا پر جسنے نہ جانا اور مار کھانے کا کام کیا تھوڑی مار کھائے گا" الغرض عالم کا بہ نسبت جاہل کے زیادہ سزا پانا جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کا مقولہ ہے اُسی طرح حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والثنا کا ارشاد ہے مگر یہاں ایک امر بیان کرنا نہایت ضرور ہے جسے ہمارے مخاطب نے بالکل فروگذاشت کر دیا ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح علم اور جہل کے سبب سے سزا میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے اسی طرح حیثیت جرم کی وجہ سے بھی سزا میں بہت بڑا فرق ہو جاتا ہے بھاری جرم کی سزا بہت زیادہ ہوگی اور خفیف کی کم۔ اس زیادتی اور کمی میں علم اور جہل کو کچھ دخل نہیں ہے جسنے بھاری جرم کیا ہے وہ زیادہ سزا پائے گا اگرچہ وہ ناواقف ہی کیوں نہ ہو اور جسنے خفیف جرم کیا ہے وہ کم سزا پائیگا اگرچہ وہ واقف ہو۔ کیا اس میں کسی کو شک ہو سکتا ہے کہ جس نے ڈاکہ زنی کی اور لوگوں کو ناحق قتل کرکے مال ومتاع لے گیا وہ ہر طرح بہت زیادہ سزا پائے گا

بہ نسبت اُسکے جسنے کسیکے ساتھ کسی قدر سخت کلامی کی یا تھوڑا سا اسباب چورا لیا۔ کسی حال میں یہ نہیں ہوسکتا کہ اِس چور اور سخت کلام کرنے والے کو اوس سفاک قاتل سے زیادہ سزا دی جائے اگرچہ وہ چور عالم ہی کیوں نہو۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ ہر ایک جرم میں عالم کی سزا کو جاہل کی سزا پر زیادتی نہیں ہوسکتی بلکہ اس کمی اور زیادتی کا ظہور اُس وقت ہوسکتا ہی کہ حیثیت جرم متحد ہو یعنی عالم و جاہل دونوں ایک حیثیت کا جرم کریں اُس وقت عالم کو بہ نسبت جاہل کے زیادہ سزا ہوگی یہ وہ قاعدہ ہے جس پر تمام عقلا کا اتفاق ہے اور اسی کے مطابق تمام معدلت شعار سلطنتوں میں کارروائی ہوتی ہے۔

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ اگرچہ عالم کو بہ نسبت جاہل کے زیادہ سزا ہونا صحیح ہی مگر یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کسی حال میں گنہگار مومن کو بہ نسبت منکر کے زیادہ سزا دیجائے کیونکہ جرم کی حیثیت ایک نہیں ہے۔ نہایت ظاہر ہی کہ شریعت الٰہی کا انکار اور رسول برحق سے انحراف ایسا بڑا جرم ہی کہ ایماندار کا کوئی جرم اِس حد کو نہیں پہونچ سکتا بشرطیکہ اُسکا ایمان باقی رہے۔

اِس میں کوئی شبہہ نہیں ہی کہ ایماندار مجرم مثل اُس چور کے ہی جسنے باوجود اطاعت سرکار کے نفسانی خواہش کی وجہ سے چوری کا ارتکاب کیا۔ اور یہ منکر نافرمان مانند اُس سرکش باغی کے ہے جسنے علی الاعلان اپنی سرکار سے بغاوت کی اور اُسکے قانون سے انحراف کیا۔ پھر کیا عقل و انصاف کا تقاضا یہ ہوسکتا ہے کہ اُس غریب چور کو اس سرکش باغی سے زیادہ سزا دیجائے حاشا وکلا ہرگز نہیں علاوہ اسکے یہ امر بھی لحاظ کے قابل ہی کہ بالاتفاق ایمان حیات سرمدی کا باعث ہی اور بے ایمانی عذاب ابدی کا سبب ہی اب اگر ایماندار مجرم کی سزا کسی حال میں بے ایمان کی سزا پر بڑھجائے تو ماننا پڑے گا کہ ایمان کی وجہ سے سزا میں زیادتی ہوئی کیونکہ اگر ایمان نہ لایا ہوتا تو زیادتی نہ ہوتی۔ لہذا جو نجات کا سبب تھا وہ عذاب کا موجب ہوگیا۔ بھلا کوئی عاقل اس غیر ممکن بات کو تسلیم کرسکتا ہے ہرگز نہیں۔

اور یہ خیال محض غلط ہی کہ ایماندار گناہ نہیں کرتے۔ اہل انصاف غور کریں کہ انبیاء کرام سے

بڑھکر کون سچا ایماندار ہو سکتا ہے پھر جب عیسائیوں کے عقیدے کے بموجب وہی معصوم نہیں ہیں اور بڑے بڑے گناہ اُنسے ہو جاتے ہیں مثل زنا اور بت پرستی وغیرہ کے تو اور ایماندار کس شمار میں ہیں علاوہ اسکے عیسائیوں کے عقاید صراحۃً اس خیال کو غلط ٹھہراتے ہیں کیونکہ اُنکا عقیدہ ہے کہ "ہم سب اگرچہ بپتسما پا کر مسیح میں سر نو پیدا ہوئے تو بھی بہت باتوں میں خطا کرتے ہیں اور اگر ہم آپکو بیگناہ کہیں تو ہم اپنے تئیں بھلا دیتے ہیں اور ہم میں سچائی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم روح القدس پانے کے بعد فضل سے کنارے ہو کر گناہ میں پڑیں اور خدا کے فضل سے پھر اُٹھیں" پس جب ایماندار گناہ سے نہ بچ سکا اور پادری صاحب کے قاعدے کے بموجب مومن گنہگار کو زیادہ سزا ہوگی تو ثابت ہو گیا کہ ایمان لانے کا ثمرہ بجز زیادتی سزا کے اور کچھ نہوا بقول شخصی ایمان کیا ہوا وبال جان ٹھہرا۔ الغرض یہ کہنا کہ ایماندار کو گناہ کی سزا بہ نسبت بے ایمان کے زیادہ ہوگی کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا دانشمند اس بیان سے دریافت کر سکتے ہیں کہ علم اور جہل کیوجہ سے جو زیادتی اور کمی سزا میں ہوگی وہ ایک جنس میں ہو سکتی ہے یعنی اگر عالم اور جاہل دونوں منکر ہیں تو منکر عالم کو بہ نسبت منکر جاہل کے زیادہ سزا ملیگی خصوصاً اُسکو جو سچائی کی شناخت حاصل کرکے پھر اُس سے منحرف ہو گیا۔ اسی طرح اگر دونوں مجرم ایماندار ہیں تو یہاں بھی عالم بہ نسبت جاہل کے زیادہ سزا پائیگا یہاں تک اصل شبہہ کا جواب دیا گیا اب بعض اقوال کی طرف توجہ کیجاتی ہے۔

قولہ۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اگر آقا کے دو نوکر ہوں ایک اُسکے احکام اور مرضی سے کماحقہ واقف اور دوسرا ناواقف اور دونوں آقا کی نافرمانی کریں تو بلا شبہ جسنے جان بوجھکر سرتابی کی ہے زیادہ سزا کا مستحق ہے

جواب مومن اور منکر کے لیے یہ مثال ہرگز صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ منکر کا لفظ خود اسکا شاہد ہے کہ وہ ناواقف نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ناواقف کیطرف انکار یا اقرار کی نسبت نہیں ہو سکتی۔ البتہ منکرین کی دو قسمیں ہیں بعضے تو احکام آلہی کو اس تفصیل سے جانتے ہیں کہ بہت سے ایماندار بھی اس طرح نہیں جانتے اور بعضونکو زیادہ نہیں تو صرف شریعت آلہی کا اعلان اُنہیں پہنچگیا ہے اور جان چکے ہیں

ف۱ دعاے عمیم کی کتاب کا صفحہ ۴۴۵ ملاحظہ ہو ۱۲

کہ اسکے ماننے کا حکم قطعی ہے پس جب منکر ناواقف نہ ٹھہرا تو پادری صاحب کی مثال محض بے موقع ہو
اب باوجود اس علم کے منکر کو ناواقف کہدینا ایسا ہی ہے جیسا کہ انجیل میں منکرین کی نسبت آیا ہے
کہ وُے دیکھتے ہوے نہیں دیکھتے،، اس قسم کا جہل ہرگز عذر نہیں ہے جیسا کہ حضرت مسیح کے قول سے
ظاہر ہوا جسکی نقل اوپر گذری البتہ اس مقام پر یہ مثال صحیح ہوسکتی ہے کہ آقا کے دو غلام ہیں ایک نے
اُسکے تمام احکامات اور ہدایات کو بسر وچشم قبول کیا اور حتی الوسع اُنکی بجا آوری میں سعی کی
مگر نفس سرکش کیوجہ سے بعض وقت اُس سے نافرمانی ہوگئی تاہم وہ اُسے نافرمانی جانتا ہے
اور دل میں نادم ہوتا ہے اور دوسرا غلام باوجودیکہ اُس آقا کے احکامات کا جاری ہونا دریافت
کرتا ہے مگر اسطرف توجہ نہیں کرتا اور اگر متوجہ ہوا تو سرکشی سے اُنھیں قبول نہیں کرتا بلکہ حرف گیری
کرنے پر مستعد ہوتا ہے اور اپنی اس سرکشی اور نافرمانی کو سرکشی نہیں کہتا۔ اب فرمائیے ان دونوں
میں کونسا غلام زیادہ سزا کے لائق ہو بلاشبہ وہی جو آقا کے احکام کو قبول نہیں کرتا اور سرکشی سے
انکار و نافرمانی کرتا ہے پھر اُسپر نادم نہیں ہوتا۔ خیال کرنے کا مقام ہے کہ ایسا غلام کسقدر زیادہ
سزا کا مستحق ہوسکتا ہو دوسرا غلام اگرچہ نافرمانی کیوجہ سے سزا کے لائق ہو مگر اس سبب سے کہ وہ سرکش اور
باغی نہیں ہو بلکہ اپنے آقا کے تمام احکام کو بدل و جان قبول کرتا ہے اور جس امر میں نافرمانی ہوگئی ہو
اُسمیں اپنے آپ کو آقا کا گنہگار جانتا ہو ہرگز پہلے غلام کے برابر سزا کا مستحق نہیں ہوسکتا بلکہ کیا
عجب ہے کہ رحم دل آقا اُسکی تسلیم احکام اور اعتراف قصور کیوجہ سے اُسکے گناہ سے درگذر کرے۔
دنیا کے تمام منصف مزاجونکا برتاؤ اسپر شاہد ہے اور یہی عادلانہ اور رحیمانہ حکم قرآنجید میں جابجا مذکور ہے

قولہ سب جانتے ہیں کہ لاعلمی عذر ہے۔

جواب جو لاعلمی کا عذر ہونا جانتے ہیں وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہر ایک غیر مذہب والا شریعت حقہ
سے لاعلم نہیں ہوسکتا اور یہ بھی جانتے ہیں کہ جسوقت بادشاہ کا قانون مشتہر ہوگیا تو جہانتک اُسکے
ملک میں وہ اشتہار پہونچ گیا ہے وہاں کے باشندوں کو جہل قانون عذر نہیں ہوسکتا۔
لہذا جنکے کانوں تک شریعت آلہی کا اعلان پہونچ گیا ہے وہ اگرچہ بسبب تعصب یا کاہلی

وغیرہ کے اُنکی تفصیل سے واقف نہوں مگر اُنکی لاعلمی عذر نہیں ہوسکتی۔ البتہ اُس غیر مذہب والے کی لاعلمی عذر ہوسکتی ہے جسکو شریعت آلہی کا اعلان مطلقاً نہیں پہونچا اور ایسے شخص کی لاعلمی کا عذر ہونا ہم قرآن مجید سے بیان کر آئے ہیں۔

قولہ۔ انجیل مقدس میں ہے کہ جو کلام آلہی سے واقف نہیں ہیں اور گناہ کرتے ہیں وہ کم سزا پائینگے اور جو واقف ہوکر کرتے ہیں وہ زیادہ سزا پائینگے۔

جواب۔ اسے ہم بھی مانتے ہیں اور اپنے ہادی برحق کے کلام سے ثابت کر آئے ہیں مگر آپ نے اب تک انجیل سے ثابت نہیں کیا کیونکہ جتنے حوالے حاشیہ پر دیے ہیں اُن میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس سے واقف کار کی سزا میں زیادتی ثابت ہوا ب میں اُن حوالوں کو نقل کرکے اپنے قول کی سچائی ظاہر کرتا ہوں اور طالبین حق سے کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہوں ذرا بنظر غور ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) متی کے باب ۷ ورس ۲۱-۲۳ میں ہے نہ ہر ایک جو مجھے خداوند خداوند کہتا ہے آسمان کی بادشاہت میں شامل ہوگا مگر وہی جو میرے باپ کی جو آسمان پر ہے اُسکی مرضی پر چلتا ہے اُس دن بہتیرے مجھے کہینگے اے خداوند اے خداوند کیا ہمنے تیرے نام سے دیوئوں کو نہیں نکالا اور تیرے نام سے بہت سی کرامات ظاہر نہیں کیں اُسوقت میں اُنسے صاف کہونگا کہ میں کبھی تمسے واقف نہ تھا اے بدکارو میرے پاس سے دور ہو۔

(۲)۔ اور متی کا باب ۲۵ ورس ۱۱ و ۱۲ یہ ہے۔ پیچھے وے دوسری کنواریاں بھی آئیں اور کہنے لگیں اے خداوند اے خداوند ہمارے لیے دروازہ کھول تب اُسنے جواب میں کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمھیں نہیں پہچانتا۔

(۳) اور لوقا کا باب ۱۳ ورس ۲۵ یہ ہے۔ جب گھر کے مالک نے اُٹھ کے دروازہ بند کیا ہو اور تم باہر کھڑا ہونا اور یہ کہکے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کرو کہ اے خداوند اے خداوند

ہمارے لیے کھول وہ اندر سے جواب میں تمسے کہیگا کہ میں تمکو نہیں پہچانتا کہ کہاں کے ہو"
ناظرین نے دریافت کیا ہوگا کہ ان تینوں حوالوں میں اس امر کا نشان نہیں ہے کہ واقف کو سزا میں زیادتی ہوئی یا کمی البتہ اگر اسکا وہی مطلب صحیح تسلیم کیا جاوے جو پادری صاحب سمجھے ہیں تو بیشک ثابت ہوگا کہ مسیحیوں کی نجات غیر ممکن ہے کیونکہ بیان سابق سے ثابت ہو چکا ہے کہ مسیحی عقاید کی روسے کوئی انسان گناہ سے نہیں بچ سکتا اور جب گناہ سے نہ بچا تو حضرت مسیح اسکی دستگیری نہ فرمائینگے پہلے حوالے سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح اُن مسیحیوں سے بھی بیزار اور علیحدہ ہو جائینگے جو ایمان میں اظہار کرامات کے درجے کو پہونچ گئے تھے اگرچہ یہ بیزاری کسی گناہ کی وجہ سے ہو اب قطع نظر مسیحی عقاید کے طالب نجات ذرا سر کو جھکائیں اور اپنی حالت پر خود غور فرمائیں کہ کوئی بھی اپنے تئیں بے گناہ پاتا ہے کوئی راستباز ایسا دعوی نہیں کرسکتا۔ جب کوئی بے گناہ نہ ٹھہرا تو واویلا و نیز جنھوں نے دین مسیحی قبول کیا کیونکہ اس جہان میں کوئی اُن کا دستگیر نہ ہوگا جہاں دستگیری کی سخت ضرورت ہے صد افسوس بر بیکسی الیشان۔

اے گنہگاروں۔ اے نجات کے خواستگارو ادہر آؤ اور اُس نبی کریم کی شفقت کو ملاحظہ فرماؤ جسنے گنہگاروں کی خستہ حالی پر رحم کر کے یوں ارشاد فرمایا ہے شفاعتی لاھل الکبائر میری شفاعت اُن گنہگاروں کے لیے ہے کہ صدق دل سے ایمان لاچکے ہیں مگر شامت نفس سے بڑے گناہوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ رحیم و کریم کون رسول ہے جو گنہگاروں کو اس طرح دامن عاطفت سے چھپاتا ہے وہ افضل المرسلین رحمۃ للعالمین ہے جس کا پیارا نام محمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اے آخرت کے طالبو تمہارے سامنے دونوں رسولوں کے قول موجود ہیں اُن میں غور کرو اور دیکھو تمہارے لیے کسکے پاس ٹھکانا ہے کون تمہاری دستگیری کو موجود ہے اور کون علیحدہ ہوا جاتا ہے۔

میرے نزدیک مذکورہ حوالوں میں حضرت مسیح نے وہ مسیحی مُراد لیے ہیں جنھوں خلاف

مرضی خدا حضرت مسیح کو خدائی میں شامل کیا اور انھیں خداوند خداوند کہہ کر پکارا اور حضرت مسیح کو سخت غیرت دلائی اور اپنے باطل قول کے رواج دینے میں وہ کارنمایاں کیے جنہیں کرامت کہنا چاہیے بیشک یہ گروہ بہت زیادہ سزا کا مستحق ہے کیونکہ قدرتی رہنما کے علاوہ خدا کی سب کتابوں نے بھی اسکی تکذیب کی مگر انھوں نے ایک نہ مانی غرضکہ انجیل کے مذکورہ حوالے سے سچے ایماندار کا سزا پانا ثابت نہوا بلکہ اُن کا جو کفر بکتے ہیں اور جھوٹے مسیحی ہیں اس تقدیر پہ سچے صرف مسلمان ہی ہوسکتے ہیں۔

(۴) عبرانیوں کے باب ۱۰ ورس ۲۶ وغیرہ میں ہے "کیونکہ اگر بعد اسکے کہ ہمنے سچائی کی پہچان حاصل کی ہے جان بوجھکر گناہ کریں تو پھر گناہ کے لیے کوئی قربانی نہیں مگر عدالت کا ایک ہولناک انتظار اور آتشی غضب جو مخالفوں کو کھا لیگا باقی ہے" اسکا مطلب اگر یہی ہے کہ جو کوئی ایمان لانے کے بعد گناہ کرے اُسکی نجات کی کوئی سبیل نہیں ہے تو مسیحیوں پر سخت واویلا ہے کیونکہ بلاشبہ وہ گناہ کرتے ہیں اور انجیل ایسے گنہگاروں کو قطعی جہنمی بتاتی ہے۔ ان ورسوں سے صاف ظاہر ہے کہ ایسے گنہگار کی توبہ بھی قبول نہیں ہوگی۔ ہمکو سخت

---

(۱) میرے ایک دوست نے یہی حوالہ پیش کرکے پادری نیوٹن صاحب مہتمم اخبار نور افشان سے دریافت کیا تھا کہ کیا عیسائی بعد بپتسمہ پانیکے کل گناہوں سے معصوم ہوجاتے ہیں اگر نہیں ہوتے تو انکی نجات کی کیا سبیل ہے پادری صاحب نے اسکے جواب میں ایک طولانی تقریر کے بعد لکھا ہے" کہ سچائی کی پہچان حاصل کرکے برگشتہ ہونا ناممکن ہے اگر ممکن ہووے پھر کوئی کفارہ نہیں کوئی توبہ نہیں اور جو پطرس کی طرح بغیر سچائی کے مزہ چکھے گر جاوے تو توبہ قبول نجات حصول (نمبر ۳۲ جلد ۱۵ نور افشاں مطبوعہ ۱۱۔ اگست ۱۸۸۲ء ملاحظہ ہو) میرے خیال میں اس تقریر سے اگر سوال کا جواب نکالا جائیگا تو یہی نکلیگا کہ ایمانداروں کی دو قسمیں ہیں ایک کامل الایمان۔ دوسرے ناقص الایمان کامل الایمان معصوم ہوجاتے ہیں انکا گرنا غیر ممکن ہے اور پولوس نے اُنکا گرنا فرضی طور پر بیان کیا ہے اور ناقص الایمان توبہ کرسکتے ہیں اُنکا ذکر پولوس نہیں کرتا میں کہتا ہوں کہ اول تو عبرانیوں کا دسواں باب اول سے آخر تک دیکھا جاے مگر یہ تفرقہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا پھر جو بات کتاب میں نہیں ہے وہ کس طرح تسلیم کیجاے۔ دوسرے یہ کہ اگر کامل الایمان کا وجود دنیا میں ہے تو سب سے اول اسکے مصداق پیغمبر ہوسکتے ہیں مگر افسوس ہے کہ بیبل اُنھیں بھی گنہگار ٹھہراتی ہے کیا حضرت داود نے سچائی کی پہچان حاصل نہیں کی تھی کیا انھوں نے آسمانی بخشش کا مزہ نہیں چکھا تھا کیا وہ روح القدس میں شریک نہیں ہوے تھے پھر آپ کی کتاب کیوں اُنھیں سخت گناہ میں مبتلا ہونا بیان کرتی ہے پھر جب خدا کے سچے رسول بھی معصوم نہ ٹھہرے اور کامل الایمان نہ ہوئے

حیرت ہے کہ ان ورسوں پر ایمان لاکر عیسائیوں نے اپنی نجات کی کونسی سبیل سوچ رکھی ہے۔

طالبین نجات یہاں بھی بانی اسلام کے کلام مقدس کو ملاحظہ کریں کہ اُسمیں کسی مقام پر گنہگاروں کو ایسی مایوسی نہیں دلائی گئی ہے بلکہ کمال رحمت و شفقت سے یوں ارشاد ہوا ہے " اے میرے گنہگار بندو اللہ کی رحمت سے نا امید نہو بلا شبہہ اللہ تعالی تمام گناہ بخشتا ہی بیشک وہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہی" ہمارے ہادی برحق شفیع المذنبین اور رحمۃ للعالمین ہیں وہ اپنی گنہگاروں کو ہرگز جہنم میں نہیں دھکیلتے بلکہ وہ اپنی اولو العزمی اور شفقت سے انھیں بچانے کا وعدہ کرتے ہیں۔ ہمارے مخاطب منشی صفدر علی صاحب مشنری نہیں ہیں اُن سے امید ہوسکتی ہی کہ ان امور پر غور فرمائینگے اور اپنی جان عزیز پر رحم کرکے اُس ہولناک راہ سے جلد پھرینگے جو اُنھوں نے غلطی سے اختیار کی ہی اے خداوند تعالے تو ایسا ہی کر۔ آمین۔

یَا عِبَادِیَ الَّذِینَ اَسْرَفُوا لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِیعًا اِنَّہٗ ہُوَ الْغَفُورُ الرَّحِیمُ ۝

قولہ۔ قرآن و حدیث محمد یونکی طرفداری سے خلاف عدالت حکم دیتے ہیں کہ کلمہ گو یعنے ایماندار چاہے کیسا ہی فاسق ہو وہ یا تو بلا حساب وکتاب یا محمدؐ صاحب کی شفاعت وغیرہ سے نجات پائیگا۔

جواب۔ ہم بخوبی ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن مجید و حدیث کی تو وہی تعلیم ہی جسکو تمام عقلا تسلیم کرتے ہیں اور شاہان معدلت شعار اُسے اپنا قانون بناتے ہیں اور حضرت مسیح اُسکے مطابق ارشاد فرماتے ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ انبیا اور تمام عقلا کے حکم کو خلاف انصاف بتانے والا کس لقب کا مستحق ہوسکتا ہے۔ ناظرین خود اسکا تصفیہ کریں۔ طرفداری اور بے انصافی

تتمہ صفحہ ۲۷۴۔ تو اور کون شخص معصوم اور کامل الایمان ہوسکتا ہے غرضکہ عیسائیوں کی کتاب اور اُنکے عقاید کی رو سے معصوم کا وجود خارج میں نہیں ہوسکتا پھر یہ کہنا کہ "جو سچائی کی پہچان حاصل کر چکے ہیں اُنکا گرنا غیر ممکن ہے" محض غلط ٹھہرا اور ثابت ہوگیا کہ مسیحی گنہگار کی نجات غیر ممکن ہے اسکا کچھ بیان اوپر بھی کیا گیا ہے ۱۲

جو کچھ پادری صاحب نے ثابت کی وہ تو معلوم ہولی اب اگر بے حساب وکتاب بخشے جانے پر رشک ہے تو پولوس مقدس کے کلام کو ملاحظہ کیجیے۔ نامہ رومیوں کے باب ۴ ورس ۷، ۸ میں فرماتے ہیں "مبارک وے جنکے گناہ بخشے گئے اور جنکی خطائیں ڈھانپی گئیں مبارک وہ جس کے گناہوں کا حساب خداوند نہ لیگا" پس امت محمدیہ مبارک بندے ہیں بلاشبہ اُنکے گناہ ڈھانپے جائینگے اور بہت سے بلاحساب وکتاب نجات پائینگے پادری صاحب رشک نفرمائیں ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ یعنی یہ اللہ کا فضل ہے جسکو چاہتا ہے دیتا ہے اگر شوق نجات ہو تو اُنھیں مبارک بندوں میں شامل ہوجاویں۔ ع۔ در فیضِ محمدؐ وا ہے آئے جسکا جی چاہے + اور شفاعت کی نسبت نامہ رومیوں کے باب ۳ ورس ۲۴ میں پولوس یوں فرماتے ہیں "سو وے اُسکے فضل سے اُس مخلصی کے سبب جو یسوع مسیح سے ہے مفت راستباز گنے جائینگے" ہم بھی یہی کہتے ہیں مگر یسوع مسیح کی جگہ محمدؐ رسول اللہ کو قائم کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں سو وے اُسکے فضل سے اُسی مخلصی کے سبب جو محمد رسول اللہ سے ہے مفت راستباز گنے جائینگے آسے پیارے مخاطب خوب سمجھ لو کہ تمام انسان خداوند تعالے کے بندے اور غلام اور ہر طرح اُسکے مملوک ہیں اور اپنے بندے کے گناہ سے چشم پوشی کرنا اور اُسکی سرنگونی اور دوسری فرمانبرداریوں کی وجہ سے اُسکی خطا کو معاف کر دینا انصاف کے خلاف نہیں ہے اسکو طرفداری نہیں کہتے بندہ پروری کہتے ہیں اور اگر اسکو طرفداری کہا جائے تو اس قسم کی طرفداری خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے ساتھ اور اُسکے رحیم بندے اپنے خادموں کے ساتھ کرتے چلے آئے ہیں دیکھو بنی اسرائیل کے حالات اور تربیت یافتہ لوگوں کے معاملات خلاف انصاف وہی طرفداری ہے جس میں کسی کی حق تلفی ہو اور ظاہر ہے کہ اپنے خادم فرمانبردار کے گناہ سے درگذر کرنے میں کسی کی حق تلفی نہیں ہوتی لہذا اُسے ناانصافی کہنا محض نادانی ہے۔

قولہ کلمہ گویوں میں سے کوئی شخص ہمیشہ دوزخ میں نرہیگا چاہے کیسا ہی گنہگار کیوں نہو۔

جواب بیشک کلمہ یعنی ایمان ایسی ہی چیز ہے اور اُسے ایسا ہی ہونا چاہیے اگر ایمان کی

وجہ سے انسان نجات نپا سکے تو اُس ایمان سے کیا فائدہ ہوا پادری صاحب اپنے عقاید کو ملاحظہ فرمائیں دعاے عمیم کی کتاب میں گیارہواں عقیدہ یہ ہے " خدا کے حضور اپنے خداوند اور نجات بخشنے والے یسوع مسیح ہی کے ثواب کے سبب ایمان کے وسیلے راستباز گنے جاتے ہیں اور کچھ اپنے اعمال یا ثواب کے باعث نہیں پس یہ تلقین کہ ہم صرف ایمان ہی سے راستباز ٹھہرتے ہیں بہت ہی صحیح ہے ،، (صفحہ ۶۰۵ وغیرہ)

جب مومن صرف ایمان کے سبب سے راستباز ٹھہرا تو ثابت ہوا کہ باعث نجات ایمان ہی ہے اسکا ماحصل وہی ہوا جو پادری صاحب قرآن و حدیث سے نقل کر رہے ہیں اور نویں عقیدے میں ہے کہ " اُنکے لیے جو ایمان لائے اور بپتسمہ پاتے ہیں کچھ سزا کا حکم نہیں ،، (صفحہ ۶۰۴)

اب فرمایئے کہ یہ حکم تو نانصافی میں حدیث کے حکم سے بڑھگیا کیونکہ یہاں ایماندار کو مطلقاً سزا کا حکم نہیں ہے اور حدیث میں مطلقاً سزا کی نفی نہیں کی گئی بلکہ عذاب ابدی کی نفی کی گئی ہے۔

قولہ مگر جسنے کلمہ نہیں پڑھا غرضکہ دوسرے مذہب والے کیسے ہی کیوں نہوں بلاشبہہ ابدی عذاب جہنم میں گرفتار ہونگے۔

جواب بلاشبہہ سرکشی اور بغاوت کی ادنی سزا حبس دوام ہے اگرچہ وہ باغی کیسا ہی کیوں نہو پادری صاحب بھلا اسلام کا یہ حکم تو آپ کے نزدیک خلاف عدالت ٹھہرا آب آپ فرمایئے کہ اگر کوئی کلمہ مسیح نہ پڑھے یعنے حضرت مسیح پر ایمان نہ لائے تو وہ عذاب ابدی میں گرفتار ہوگا یا نہ ہوگا اگر ہوگا تو پھر اسلام پر کیا اعتراض ہے اور اگر نہ ہوگا تو معلوم ہوا کہ حضرت مسیح کے ماننے پر نجات موقوف نہیں ہے غیر مذہب والے بھی نجات پائینگے اور یہ عقاید عیسوی کی رو سے صریح غلط ہے بلکہ ایسا عقیدہ رکھنے والا دین عیسوی سے خارج ہے دعاے عمیم کی کتاب میں اٹھارہواں عقیدہ ملاحظہ ہو " اُنھیں دین سے خارج سمجھا چاہیے جو گستاخ ہو کر کہتے ہیں کہ ہر ایک شخص اُس شرع یا طریق سے جسکا وہ پیرو ہو نجات پائیگا بشرطیکہ وہ کوشش کرکے اپنے چلن اُس شرع اور عقل کی روشنی کے مطابق درست کرے کیونکہ

مقدس کتاب ہمیں صرف یسوع مسیح کا نام بتاتی ہے جس سے آدمی نجات پا سکتے ہیں ص ۴۹۵
اس مقام پر تیرہواں عقیدہ بھی قابل ملاحظہ ہے وہ یہ ہے "جو اعمال کہ مسیح کے فضل اور اُسکی روح کے ملنے سے پہلے کیے جاتے سو خدا کو پسند نہیں آتے کیونکہ وے یسوع مسیح پر ایمان لانے سے صادر نہیں ہوتے اور نہ آدمیوں کو حصول فضل کے قابل کرتے بلکہ ہمیں کچھ شک نہیں کہ وے گناہ میں گنے جاتے ہیں،، (صفحہ ۴۹۵) پادری صاحب ذرا انصاف سے فرمایئے کہ غیر مذہب والوں کے نیک اعمال گناہ میں گنے جانا موافق عدالت اور انصاف کے ہے سبحان اللہ اب اسکے مقابلے میں قرآن مجید کا حکم بھی ملاحظہ کیجیے۔ وہ یہ ہے۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ
وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ
(سورۂ زلزال)

"کہ جسنے ذرہ کے برابر نیکی کی وہ اُسکی جزا دیکھ لیگا اور جسنے ذرہ کے برابر بدی کی ہے وہ اُسکی سزا دیکھے گا" اسوقت ہر ایک منصف مزاج بے اختیار کہہ اُٹھیگا کہ یہ منصفانہ حکم اسی کا ہے جو تمام جہان کے عادلوں سے زیادہ عادل ہے یہاں کسیکو یہ خطرہ نہو کہ جو ابدی عذاب میں ڈالا گیا اُس نے اپنی نیکی کی کیا جزا دیکھی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دنیا ہی میں اُسکو جزا دی جاوے یا آخرت کے عذاب میں تخفیف کی جاوے۔ الغرض مسلمان کے عقیدے کے بموجب ہر ایک انسان خواہ مذہب والا ہو یا غیر مذہب والا اپنے کیے کی جزا اور سزا پائیگا۔ اور عیسائیوں کے عقیدے کی رو سے غیر مذہب والے کی نیکیاں سب برباد ہیں بلکہ بقول مشہور نیکی برباد گناہ لازم کا مضمون صادق ہے۔ بااینہمہ اسلام پر ناانصافی کا الزام لگایا جاتا ہے اور مذہب مسیحی کو مطابق عدل کہا جاتا ہے حیف صد حیف بر نا انصافی ایشاں۔

تنبیہ اس بیان سے معلوم ہوا کہ خدا تعالے نے اسلام اور پیغمبر اسلام کو اسلیے بھیجا تھا کہ مومن گنہگار کو نجات کا مژدہ دے جسکو مذہب عیسوی نے نا امید کر دیا تھا۔

تیسرا مسئلہ خدا تعالی کا فرض ہے کہ ہر انسان اپنے جملہ اقوال و افعال و افکار میں پاک و نیک ہووے اسیواسطے کلام مقدس میں ارشاد ہوا ہے کہ تم پاکی میں کامل ہو

جیسا خدا تعالیٰ کا حال ہے مگر شرائع محمدی کے بموجب سوائے چند اقوال و افعال مخصوصہ کے فرض نہیں ہے اُس سے زیادہ کرے تو ثواب ہے اور نہ کرے تو عذاب نہیں (صفحہ مطبوعہ ۱۸۶۶ء)

جواب ہمیں نہایت حیرت ہے کہ پادری صاحب باوجود دعوی علمیت کے اسلام سے اسقدر بے خبر ہیں کہ جو اعتراض پیش کرتے ہیں اُسکی بنیاد محض لاعلمی یا عدم تحقیق ہوتی ہے جو کوئی اسلام کی عالیشان عمارت پر نظر ڈالیگا اُسکا انصاف دل بے اختیار کہہ اُٹھیگا کہ یہ شاندار مکان اس عیب سے بالکل پاک ہے جو اس مقام پر پادری صاحب لگانا چاہتے ہیں اُن مفصل ہدایات اور تعلیمات کے علاوہ جنسے جملہ اقوال و افعال و افکار میں پاکیزہ ہونا تفصیلی طور سے معلوم ہوتا ہے میں قرآنجید کے دو جملے نقل کرتا ہوں جنسے اظہر من الشمس ہو جائیگا کہ اسلام انسان کو تمام حرکات و سکنات میں پاک و نیک ہونے کی ہدایت کرتا ہے۔

پہلا جملہ "بیشک کان اور آنکھ اور دل ہر ایک کی اس سے پرسشش ہوگی۔ یعنے ہر ایک انسان سے دریافت کیا جائیگا کہ آنکھ اور کان اور دل کو کس کام میں لایا آیا نافرمانی میں یا فرمانبرداری میں یا یوں کہا جائیگا کہ تونے ایسی چیز کیوں سُنی جسکا سُننا تجھے حلال نتھا اور ایسی چیز کیوں دیکھی جسکا دیکھنا تجھے جائز نتھا اور ایسا ارادہ کیوں کیا جو روا نہ تھا۔ جب اِن تمام اعضا خصوصاً قلب کیوجہ سے بازپرس ہونیکا حکم سُنا دیا گیا تو انسان کی تمام افعال و افکار میں نیک ہونا لازم ہوا۔

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا (بنی اسرائیل)

دوسرا جملہ "جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اُسے ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو اللہ اُسکا محاسبہ لیگا" آیت میں خاص افعال قلبی اور امور نفسانی پر محاسبہ کا ہونا بیان ہوا ہے اور اُنکے اظہار اور اخفا کو یکسان ٹھہرایا ہے یعنی دلی برائیوں پر حساب لیا جائیگا خواہ اُنھیں ظاہر کرو یا نکرو چونکہ ظاہری افعال کا منشا خواہش دلی ہوتی ہے اسلیے آیت کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے تمام افعال ظاہری اور باطنی سب کا حساب لیا جائیگا لہذا ضرور ہے کہ انسان ہر ایک فعل میں پاک ہو تاکہ محاسبہ میں نہ پڑے

اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (بقرہ)

ان ہدایات کے بعد بھی اگر کوئی کہے کہ اسلام جملہ امور میں نیک ہونیکی ہدایت نہیں کرتا تو اُس کے بے علم یا انصاف دشمن ہونے میں کسی منصف کو تامل نہیں ہو سکتا۔

دوسری آیت کی نسبت پادری صاحب کا کہنا کہ یہ منسوخ ہو گئی ہے محض عدم تحقیق بلکہ نافہمی پر مبنی ہے کیونکہ اس آیت میں کوئی حکم نہیں ہے بلکہ اس امر کی خبر دی گئی ہے کہ انسان کے ہر ایک فعل پر حساب لیا جائیگا اور یہ مسئلہ محقق ہے کہ اخبار میں نسخ نہیں ہوتا بلکہ احکام غیر مؤبدہ میں ہوتا ہے یہ مسئلہ اصول فقہ کی کتابوں میں مفصلاً مذکور ہے اور مفسرین آیت مذکورہ کے منسوخ نہونے کی وجہ میں بھی اسکی تصریح کرتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی نے آیت مذکورہ کے منسوخ نہونے کی تین وجہیں بیان کی ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے "تیسرے یہ کہ نسخ خبر میں جائز نہیں ہے

والثالث ان نسخ الخبر لا یجوز انما الجائز هو نسخ الاوامر والنواهی (جلد ۲ صفحہ ۵۶۲)

بلاشبہ نسخ کا جواز صرف اوامر ونواہی میں ہے" ابوالبرکات نسفی مدارک التنزیل میں لکھتے ہیں ــ اور "اور بعض تفسیروں میں ہے کہ آیت مذکورہ اس آیت سے منسوخ ہے اور محققین اس پر ہیں

وفی بعضها انها نسخت بهذه الآیة والمحققون علی ان النسخ یکون فی الاحکام لا فی الاخبار (صفحہ ۸۳)

کہ نسخ احکام میں ہوتا ہے نہ اخبار میں" یعنی آیت مذکورہ کو منسوخ کہنا خلاف تحقیق ہے۔ اور تفسیر احمدی میں ہے۔ "بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت ناسخ ہے آیت مذکورہ کی لہذا معلوم ہوا

قال بعضهم انها ناسخة لهذه الآیة فعلم ان افعال القلوب وعزم النفوس لا یحاسب ولکنه غیر صحیح لان النسخ انما یکون فی الاحکام وهذا من جملة الاخبار (صفحہ ۱۲۱)

کہ دلی افعال اور نفسانی ارادوں کا محاسبہ نہ ہوگا لیکن یہ (یعنے منسوخ ہونا) صحیح نہیں ہے کیونکہ نسخ احکام میں ہوتا ہے اور مضمون آیت از قبیل اخبار ہے" اور امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں آیت مذکورہ کی نسبت لکھتے ہیں۔ "کہ محققین کا مختار یہ ہے کہ آیت مذکورہ محکم ہے منسوخ

والمحققون یختارون ان تکون الآیة محکمة غیر منسوخة (صفحہ ۲)

نہیں ہے"۔

الغرض آیت محاسبہ مذکورہ ہرگز منسوخ نہیں ہے اور

قرآن و حدیث کی رو سے افعال قلبی اور خیالات فاسدہ پر حساب ہوگا۔ کیا اسلام کے ماہر نہیں جانتے کہ ریا اور نفاق اور تکبر اور غرور اور حسد اور بغض اور کینہ اور حرص اور بے صبری وغیرہم افعال قلبی اور خیالات فاسدہ ہیں پھر کیا قرآن مجید و حدیث نے انکی سخت ممانعت نہیں کی اور انکو سخت گناہ نہیں ٹھہرایا۔ بیشک ممانعت کی ہے اور گناہ ٹھہرایا ہے باینہمہ یہ کہنا کہ اسلام میں خیالات فاسدہ پر گرفت اور حساب نہیں ہے کیسا اندھیر ہے البتہ یہ بازپرس اور محاسبہ اُسی حد تک ہادی اسلام نے روا رکھا ہے جہاں تک کہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے ظاہر ہے کہ انسان کے افعال ظاہری اور باطنی دو طرح کے ہیں اختیاری اور اضطراری اختیاری افعال میں بازپرس ہونا مقتضائے عقل و انصاف ہے اور اضطراری افعال میں مواخذہ ہونا ہرگز عقل کا تقاضا نہیں ہے کیونکہ اس قسم کے افعال انسان کی طاقت سے باہر ہیں اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ ارحم الراحمین اپنے عاجز بندوں سے اون افعال کے صدور سے بازپرس کرے جو اُنکے اختیار سے باہر ہیں اسی واسطے خدا تعالیٰ نے آیت محاسبہ کے بعد ہی یہ ارشاد فرمایا لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا یعنی اللہ کسی جان کو اُسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ آیت محاسبہ سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا تھا کہ افعال اختیاری اور اضطراری دونوں کی وجہ سے گرفت ہوگی اس آیت سے وہ وہم دفع کر دیا گیا اور مژدہ سُنا دیا گیا کہ تمھیں ایسے امر کی تکلیف نہیں دی گئی جو تمھارے اختیار سے باہر ہو۔ اسی عادلانہ اصل پر اسلام کا یہ مسئلہ ہے کہ بُرے وَسْوَسوں پر مواخذہ نہ ہوگا کیونکہ بُری بات کا خطرہ آجانا انسان کی طاقت سے باہر ہے اُنکی فہم پر کمال افسوس ہے جو ایسے عمدہ مسئلہ پر اعتراض کرتے ہیں جس میں عدل اور رحمت دونوں جوش زن ہیں۔

یہاں اُن حوالوں کا ذکر کرنا مناسب ہے جنکی سند سے پادری صاحب محاسبہ کی آیت کو منسوخ بتاتے ہیں یعنے نیاز نامہ میں آیت مذکورہ کے منسوخ ہونیکا دعوی کیا ہے اور اُسکے حاشیہ پر تین کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ تفسیر بیضاوی۔ تفسیر مظہری۔ معالم التنزیل گمان

کتابوں میں اس دعوے کے ثبوت کا کہیں پتہ نہیں لگتا۔ تفسیر بیضاوی میں صراحۃً تو آیت مذکورہ کے منسوخ ہونے یا نہونیکا اصلاً ذکر نہیں ہے مگر طرز بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مفسر منسوخ ہونیکا قائل نہیں ہے کما لایخفی علی الماہر۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ حوالہ کس وجہ سے دیا گیا۔ تفسیر مظہری میں دلی افعال پر محاسبہ ہونیکو ثابت کیا ہے بلکہ یہ لکھا ہے کہ دلی افعال پر زیادہ گرفت ہوگی بہ نسبت ظاہری افعال کے اور جنھوں نے آیت مذکورہ کو منسوخ کہا ہے اُنکے کلام کے معنی بیان کیے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں" میں کہتا ہوں کہ حضرت ابو ہریرہ کا یہ کہنا کہ اس آیت سے وہ آیت منسوخ ہوگئی مجاز پر مبنی ہے کیونکہ حقیقت نسخ ایک حکم شرعی کا اُٹھ جانا ہے بعد اُسکے ثبوت کے اور یہ صرف احکام میں ہو سکتا ہے نہ اخبار میں اور اس آیت میں دل کے کاموں پر گرفت کی خبر دی گئی ہے اور اس آیت میں طاقت بشری سے زیادہ تکلیف نہ دینے کی خبر ہے۔ پس جب دونوں آیتوں میں خبر ہے تو نسخ کا احتمال نہیں ہو سکتا" اسکے بعد اگرچہ نسخ کی ایک توجیہ اُن لفظوں سے بیان کی ہے جنسے ضعیف و رکیک قول بیان کیا جاتا ہے مگر خیال کرنے کا مقام ہے کہ جس قول کو صاحب تفسیر مقدم اور قوت کے ساتھ بیان کر رہا ہے اسکو نظر انداز کر دینا اور جس قول کو وہ ضعیف[1] بتا رہا ہو اُسے اُسکی طرف سے پیش کرنا کیسی ناانصافی اور حق پوشی ہے۔

> قلت وقول ابی ہریرۃ فنسخہا ہذا ذلک مبنی علی التجوز فان حقیقۃ النسخ ہو رفع حکم شرعی بعد ثبوتہ وذا لا یتصور الا فی الاحکام دون الاخبار وذلک اخبار بالمواخذۃ علی افعال القلوب وہذا اخبار بعدم وقوع التکلیف فوق الطاقۃ خلاف قبل النسخ الخ۔

معالم التنزیل میں صرف دو قول بیان کر دیے ہیں کسی کو ترجیح نہیں دی ملاحظہ کیجیے۔

ایک گروہ نے کہا کہ یہ آیت منسوخ ہے اُس آیت سے جو اُسکے بعد ہے اور بعض نے کہا منسوخ نہیں ہے کیونکہ خبروں

> قال قوم ہی منسوخۃ بالآیۃ التی بعدہا وقال بعضہم الآیۃ غیر منسوخۃ لان النسخ لا یرد علی الاخبار انما یرد علی الامر والنہی وقولہ یحاسبکم بہ اللہ

[1] اس قول کے ضعیف ہونیکی وجہ ظاہر ہے کیونکہ اسلام میں یہ مسئلہ محقق ہے کہ نسخ اُسی مقام پر مانا جاتا ہے جہاں دونوں قولوں میں جمع نہ ہو سکے اور جب تک اجتماع ممکن ہو وہاں نسخ کے قائل نہونگے یہاں اس قاعدے کے برعکس آیت کے صحیح معنوں کو پھیر پھار کر نسخ ثابت کیا جاتا ہے لہذا ہرگز قابل توجہ نہیں ہو سکتا۔

خبر لا یرد علیہ النسخ (صفحہ ۲۴) پر نسخ نہیں وارد ہوتا بلکہ امر و نہی پر ہوتا ہے اور یہ قول کہ اللہ اُس سے حساب لیگا خبر ہے اس پر نسخ وارد نہیں ہو سکتا" یہ حوالہ بھی حیرت سے خالی نہیں ہے کیونکہ جس کتاب میں دو قول متعارض منقول ہوں اُسمیں سے صرف ایک قول کو نقل کرکے مذہب اسلام کا مسئلہ بتانا اور اُس پر اعتراض کرنا کسی انصاف پسند اور دیانت دار کا کام نہیں الحاصل یہ کہنا کہ اسلام میں جملہ اقوال و افعال و افکار میں نیک ہونے کی تعلیم نہیں ہے سخت بہتان ہے اس بیان سے صرف یہی نہیں ثابت ہوتا کہ پادری صاحب نے بلا تحقیق غلط الزامات اسلام پر لگائے ہیں بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قصداً حق پوشی کی ہے اللہ اُنھیں ہدایت کرے۔ یہ کہنا کہ شرایع محمدی کے بموجب سوائے چند اقوال و افعال مخصوصہ کے فرض نہیں ہے کمال ہی حیرت انگیز ہے معلوم نہیں کہ اُن چند اقوال و افعال سے اُنکی کیا مُراد ہے غالباً ارکان اسلام مقصود ہونگے مگر ایسا خیال کرنا محض غلط فہمی ہے کیونکہ اسلام کے فرائض ہمارے کتب عقاید اور سلوک اور فقہ میں بکثرت مذکور ہیں مگر اُسی قدر اور وہی باتیں فرض ہیں جو انسان سے ہو سکتی ہیں نہ وہ جو اُسکے اختیار و طاقت سے باہر ہیں۔ اب اسلام کے فرائض کی مختصر کیفیت ملاحظہ کیجیے۔ اس پاک مذہب میں تین قسم کے فرائض ہیں۔ ایک وہ جو خدا تعالےٰ کی ذات پاک سے متعلق ہیں۔ دوسرے وہ جو خود اپنی ذات سے علاقہ رکھتے ہیں تیسرے وہ جو دوسری مخلوق سے تعلق رکھتے ہیں۔

پہلی قسم کے فرائض کی مثالیں

(۱) خالص خدا ہی کی عبادت کرنا (۲) اُسکی ذات و صفات میں کسیکو شریک نہ ٹھہرانا (۳) تمام بُرائیوں سے اُسے پاک سمجھنا (۴) تمام خوبیوں سے اُسے موصوف جاننا (۵) اُس کے حکموں کو بجا لانا (۶) جن چیزوں سے اُسنے منع کیا ہے اُنسے باز رہنا (۷) اپنی جان و مال اور سب چیزوں سے زیادہ اُس سے محبت رکھنا (۸) اُسکے قہر سے ڈرنا (۹) اُسکی رحمت کی امید رکھنا۔ اِن فرائض کی تفصیل کتب عقاید وغیرہ میں مذکور ہے۔

دوسری قسم کے فرائض کی مثالیں

(۱) جھوٹ نہ بولنا (۲) عہد و پیمان کو پورا کرنا (۳) زنا - لواطت - نظر شہوت - اور کل فحش باتوں سے پرہیز رکھنا - اسکی تفصیل کی طرف نظر کرنے سے معلوم ہوگا کہ بہت سے فرائض وہیں شامل ہیں (۴) مصیبت پر صبر کرنا (۵) نعمت الٰہی کا شکر کرنا (۶) کل نشہ کی چیزوں کا استعمال نہ کرنا (۷) حلال کھانا (۸) حلال پہننا (۹) فضول خرچی سے بچنا -

تیسری قسم کے فرائض

اس قسم کے فرائض دو طرح کے ہیں ایک وہ جن کا تعلق خاص شخصوں سے ہے دوسرے وہ جنکا تعلق عام ہے کسی ایک شخص سے مخصوص نہیں جنکا تعلق خاص شخصوں سے ہے وہ بھی بہت ہیں مثلاً انبیاء کرام کے متعلق - بادشاہ وقت کے متعلق - والدین کے متعلق - اولاد کے متعلق - میاں بی بی کے متعلق - کنبے اور قبیلے کے متعلق - بوڑھوں کے متعلق - بچوں کے متعلق - جانوروں کے متعلق - علی ہذا القیاس اور بھی تعلقات ہیں جنکے فرائض کی تفصیل ہماری مذہبی کتابوں میں کماحقہ موجود ہے -

وہ فرائض جنکا تعلق عام ہے اُنکی مثالیں یہ ہیں (۱) خون ناحق نکرنا (۲) پرایا مال ناحق نہ لینا (۳) بھلی بات کی تعلیم کرنا (۴) بری بات سے منع کرنا (۵) کسی کی آبروریزی نہ کرنا - (۶) حتی الوسع مخلوق خدا کی خیر خواہی کرنا (۷) حسد نکرنا (۸) دوسرے کو حقیر نہ سمجھنا - (۹) بغض نرکھنا - (۱۰) پورا ناپنا (۱۱) پورا تولنا (۱۲) امانت میں خیانت نکرنا (۱۳) کسی کی غیبت نہ کرنا (۱۴) کسی کو گالی ندینا (۱۵) بدگمانی نہ کرنا - وغیرہ وغیرہ اس قسم کے فرائض کی تفصیل حدیث اور فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے - ہمیں سخت حیرت ہے کہ ہمارے مخاطب جو نوی کے لقب سے مشہور ہیں کیا ان باتوں سے بے خبر ہیں جنکو ادنے مسلمان بھی جانتا ہے ہرگز ایسا خیال نہیں ہو سکتا - اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ کسوجہ سے ایسی بے بنیاد باتیں اُنہوں نے تحریر کی ہیں اُن کے اوہبہ فرض سے کہ ایسے فرایض کو بیان کریں جو اسلام میں نہوں اور اُن کا فرض ہونا

اہل انصاف کے نزدیک ضرور ہو۔

یہ کہنا کہ شریعت محمدیہ میں بجز چند اقوال و افعال کے کوئی فرض نہیں ہے ایسا ہی ہے جیسا کوئی یوں کہے کہ شریعت عیسوی میں بجز اُن چھ سات فرضوں کے جو متی کے باب ۱۹ ورس ۱۷ سے ۱۹ تک میں بیان ہوئے ہیں کوئی فرض نہیں ہے اور اگر اُس کلیسیا کے فتوے کو دیکھا جائے جسکا ذکر اعمال کے پندرہ باب میں ہے تو بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ پادری صاحب کو بالکل معافی کا سارٹیفکٹ حاصل ہو چکا ہے۔ باب مذکور کا ورس ۲۸ و ۲۹ یہ ہے "کیونکہ روح القدس نے اور ہمنے بہتر جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر بوجھ نڈالیں کہ تم بتوں کے چڑھاؤوں اور لہو اور گلا گھونٹی ہوئی چیزوں اور حرامکاری سے پرہیز کرو اگر تم ان چیزوں سے آپکو بچائے رکھوگے تو خوب کروگے" اب فرمائیے کہ وہ جملہ اقوال و افعال میں پاکی کا فرض ہونا کدہر ہے یہاں تو صرف چار فرض قرار پائے ہیں اور اُن میں بھی اخلاقی حکم ایک ہی ہے تین حکم رسمی ہیں (جنسے پادریصاحب کے نزدیک انسان کامل نہیں ہو سکتا) اس نظر سے صرف ایک ہی فرض باقی رہا۔ باقی تمام فرائض سے معافی آگئی افسوس ہے کہ اس کتاب کے ماننے والے شریعت محمدیہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اُسمیں بجز چند اقوال اور افعال کے کوئی فرض نہیں ہے ذرا وہ ہوش کرکے باتیں کریں۔

چوتھا مسئلہ اسکا حاصل یہ ہے کہ تمام شریعت الٰہی واجب التعمیل ہے اگر کوئی ایک حکم بجالاوے اور دوسرا ٹال دے تو ضرور قصوروار اور سزا کا مستحق ہے مگر قرآن و حدیث اسکے بالکل برخلاف تعلیم دیتے ہیں اور سکھاتے ہیں کہ اگر انسان بہت سے گناہ کرے لیکن اگر فلاں حکم مانے تو سب قصور اُسکے معاف ہو جائینگے۔ صفحہ ۴۶

جواب (۱) یہ محض تہمت ہے بلا شک و شبہہ قرآن مجید و حدیث میں تمام احکام الٰہی کو واجب التعمیل بتایا ہے اور ایک حکم کے ٹالنے والے کو بھی قصوروار اور سزا کا مستحق ٹھہرایا ہے پادری صاحب کا یہ نقل کرنا کہ فلاں حکم مانے تو قصور اُسکے معاف ہو جائینگے خود ثابت کرتا ہے کہ قرآن مجید اور حدیث نے اُسے قصوروار ٹھہرایا ہے مگر قصوروار ٹھہرانیکے یہ معنے نہیں ہیں کہ کسی وقت اور کسی

سبب سے اُسکا قصور معاف نہو شریعت محمدیہ نے نیک اعمال کو قصور معاف ہونے کا سبب قرار دیا ہے اور نیک کام کے بدلے میں قصور معاف کیا جانا نہایت قرین قیاس ہے بہ نسبت اسکے کہ حضرت مسیح کے خون کے عوض تمام جہان کے گناہ بخش دے جائیں ۔
سب جانتے ہیں کہ بعض وقت خادموں سے اپنے آقا کا بعض کام ایسا بن پڑتا ہے کہ اُسکی وجہ سے اُس خادم کے پہلے سب قصور معاف کر دیے جاتے ہیں اور مستحق انعام کا ہوتا ہے اور ایسے واقعے اکثر اوقات ہوا کرتے ہیں ۔ اس معاف کر دینے سے کسی کو یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ آقا کے تمام احکام واجب التعمیل نہیں ہیں پھر احکام آلہی میں ایسا خیال کیوں کیا جاتا ہے بھلا یہ تو فرمایئے کہ توبہ کی وجہ سے تو عیسائیوں کے نزدیک بھی سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جس طرح اور احکام آلہی ہیں توبہ بھی ایک حکم ہے پھر جس طرح توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اگر کسی اور حکم کی بجاآوری سے بھی معاف ہو جائیں تو کیا قباحت ہوگی ۔
(۲) جن احادیث میں بعض اعمال کے کفارۂ سیات ہونیکا ذکر ہے اُن میں اکثر یوں ارشاد ہوا ہے کفارۃ مالم تغش الکبائر یا یوں آیا ہے مکفرات اذا اجتنب الکبائر یعنی نیک کام اُسوقت کفارۂ سیات ہوسکتے ہیں کہ بڑے گناہوں سے بچے اور اُنکی آمیزش نہ ہونے دے اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ نیک کام جنکا کفارہ ہونا حدیثوں میں آیا ہے اُنسے خفیف گناہ معاف ہوتے ہیں نہ بھاری گناہ جس مقام پر کل گناہوں کی معافی بیان ہوئی ہے وہاں مطلب یہی ہے کہ کل خفیف گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں بھاری گناہ کا سرزد ہونا مومن کی شان کے خلاف ہے اگر اُس سے کوئی گناہ ہوگا تو خفیف ہی گناہ ہوگا اسلیے حدیثوں میں کل گناہوں کی معافی بیان کی گئی ہے اُس معافی کی مثال اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ ایک طبیب کامل مریض کو دوا یا کوئی غذا بتا کرکے کہ اسکے استعمال سے تم بالکل اچھے ہو جاؤ گے اسکے یہ معنی تو کسی طرح نہیں ہو سکتے کہ جو کچھ تمہارے جی میں آئے وہ کرو اور جو چاہو سو کھاؤ (اور اگرچہ وہ زہر ہی کیوں نہوں) مگر اچھے ہو جاؤ گے کوئی عاقل اُس طبیب کے کلام کے یہ معنی نہیں سمجھتا بلکہ اُس طبیب کی یہ غرض ہوتی ہے کہ اگر اسکے استعمال

کے قبل کوئی مہلک چیز نہ کھائی ہو اور بعد استعمال جن چیزوں سے پرہیز واجب ہے اُن سے پرہیز کروگے اُسوقت اچھے ہوجاوگے اسی پر اعمال حسنہ کو قیاس کرنا چاہیے کیونکہ وہ روح کی غذا ہیں اور یہی غذا حالت مرض میں بمنزلہ دوا کے ہے اور اُن کا ترک بمنزلہ ترک غذا کے ہے جو حقیقت میں زہر کی خاصیت رکھتا ہے۔ الغرض نیک کام کرنا جس طرح موجب حیات ہے اسی طرح فرایض اور واجبات کا ترک کرنا سبب ہلاکت ہے پھر اُنکے ترک سے کیونکر حیات مل سکتی ہے اگر ایک شخص کیسی ہی عمدہ دوا یا غذا کھائے مگر اُسکے ساتھ تھوڑا زہر بھی کھالے تو وہ غذا یا دوا کیا فائدہ کر سکتی ہے۔

(۳) اسلام میں یہ قاعدہ قرار پا چکا ہے کہ عقیدے کا ثبوت ظنیات سے نہیں ہوتا بلکہ اُسکے لیے قطعی اور یقینی دلیل ہونا چاہیے البتہ عملیات کا ثبوت ظنیات سے ہوسکتا ہے اور یہ ماننا کہ فلاں حکم بجالانے سے قصور معاف ہوجائینگے ایک عقیدہ ہے لہذا وہ دلیل ظنی سے ثابت نہ ہوگا اور جن احادیث سے پادری صاحب نے یہ عقیدہ نکالا ہے وہ سب ظنی ہیں کوئی موجب یقین نہیں ہے اسوجہ سے اُن احادیث سے یہ عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا اس قسم کی حدیثیں صرف اُس عمل کی ترغیب کے لیے ہیں جسکی فضیلت اُن میں مذکور ہے۔ اِس بیان سے پادری صاحب کا اعتراض محض بے بنیاد اور خیال خام ثابت ہوا۔ ہمیں امید ہے کہ اگر ہمارے مخاطب اس تحقیق میں غور فرمائینگے تو اُن کے تمام شبہات دفع ہوجائینگے یہاں پر اختلاف سوم کے جواب کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے وہاں بھی اس اعتراض کا جواب ملیگا۔ یہاں ایک بات قابل غور اور باعث نہایت عبرت یہ ہے کہ پادری صاحب صـ۲۷ میں فخریہ تحریر کرتے ہیں " انجیل مقدس میں ارشاد ہوا کہ جو کوئی ساری شریعت کو مانے پر ایک بات میں قصور کرے وہ سبھوں کا مجرم ہوا" اے بھائیو تمھیں اسمیں تامل کرو کہ اُس خدائے رحیم و عادل کا ایسا حکم ہوسکتا ہے کہ اُسکا بندہ جو بدل اُسکو اور اُسکے رسولوں کو مانتا ہے اور تمام احکام الٰہی بجالاتا ہے مگر شامت نفس سے ایک حکم میں اُس سے قصور ہوگیا تو اُسکی تمام محنت برباد گئی پادری صاحب ذرا سر جھکا کر انصاف سے دل میں غور کریں کہ

کوئی انسان ایسا ہے کہ تمام عمر کوئی قصور نکرے ہرگز نہیں پھر فرمائیں کہ کیونکر انسان نجات پا سکتا ہے خصوصاً اسوقت میں کہ تمام نیک کام انسان پر فرض ہوں جیساکہ پادری صاحب کا مقولہ ہے اس تقدیر پر تو ہر روز بقصد و بلا قصد سیکڑوں قصور انسان سے ہوں گے جب ایک قصور کے سبب سبکا مجرم ٹھہرتا ہے تو ان سیکڑوں گناہوں کے ساتھ کس سخت سزا کا مستحق ہوگا۔ معاذ اللہ۔ الحاصل یہاں بھی پادری صاحب عیسائیوں کی نجات کو محال بتاتے ہیں۔

اے جناب حضرت مسیح کے قول کے یہ معنی نہیں جو آپ سمجھے ہیں جس سے خدا کے رحم اور عدالت میں فرق آتا ہے اور انسان کی نجات کا کوئی رستہ نہیں رہتا بلکہ اسکے معنی یہ ہیں کہ جو کوئی تمام احکام الٰہی کو مانے اور ایک کو نہ مانے بلکہ اُس سے انکار کرے تو اُسنے سب کا انکار کیا کیونکہ احکام الٰہی قبول کرنے میں سب برابر ہیں پھر کیا وجہ کہ بعض کو مانتا ہے اور بعض کو نہیں مانتا معلوم ہوتا ہے کہ جن بعض کو مانتا ہے اُن کو اس لحاظ سے نہیں مانتا کہ یہ احکام خدا ہیں بلکہ کسی اور وجہ سے مانتا ہے۔ پس اس نظر سے وہ کل کا منکر قرار دیا گیا۔

ہمارے سچے مذہب اسلام اور مقدس قرآن مجید کا یہ مسئلہ ہے کہ جو کوئی نیک کام کرے تو ارحم الراحمین اپنے فضل و کرم سے دس گُنا اجر کا مستحق کرتا ہے اور جو کوئی بد کام کرے تو اُسکو اُسی قدر سزا کا مستحق ٹھہراتا ہے جسقدر اُسنے بدی کی ہے یہ حکم بآواز بلند پکارتا ہے کہ اسکا حاکم ایسا عادل اور کریم ہے جس کے دریاے عدالت اور رحمت کی کچھ انتہا نہیں ہے سب جانتے ہیں کہ تھوڑے کام کی بہت مزدوری دیدینا مالک کی کمال عنایت اور دریادلی پر دلالت کرتا ہے۔

قولہ صفحہ ۴۰۔ وہ قصہ بھی قابل غور ہے جو کہا گیا ہے کہ قیامت کے روز ایک ترازو رکھی جائیگی جس میں بندوں کے اعمال تولے جائینگے۔

جواب بلاشبہہ قابل غور ہے مگر آپنے اصلا غور نہیں کیا اور بے تامل اعتراض کر دیا ترازو سے مراد یہاں ایسی ترازو نہیں ہے جس سے آپ اپنے گھر کی اجناس تولا کرتے ہیں بلکہ اُس سے مراد یہ ہے جس سے لوگوں پر ہر ایک کے نیک و بد اعمال کی کمی و زیادتی ظاہر ہوجائیگی یا یوں کہیں کہ انصاف

وفیصلہ مُراد ہے تفسیر کبیر میں ہے ”بلا شبہ ترازو سے مُراد انصاف و فیصلہ ہی اور بہت متاخرین اس قول کیطرف گئے ہیں“ ان المراد من المیزان العدل والقضاء وکثیر من المتاخرین ذھبوا الی ھذا القول اب فرمائیے کہ اس پر کیا اعتراض ہی اسکے علاوہ سخت حیرت ہی کہ جو لوگ اُس ذات بے چون وبے چگون کا جسکی کچھ نہایت نہیں ہے ایک ذرا سے جسم میں سما جانا اوّل نمبر کا اعتقاد رکھتے ہوں اور اس قادر مطلق غیور کا لعنتی ہوکر عاجزانہ طور پر مارا جانا اور سب گنہگاروں کے عوض تکلیف اُٹھانا باعث نجات جانتے ہوں وہ میزان قیامت اہل اسلام پر اعتراض کرتے ہیں۔ خدا کی قدرت۔

قولہ اور میزان عدالت بھی ایسی ہوگی کہ مسلمانوں کی ایک نیکی دس شمار کی جائیں گی اور بدی صرف ایک کی ایک ہی محسوب ہوگی۔

جواب ہمیں نہایت حیرت ہے کہ ہمارے مخاطب عالم ہوکے یہ بھی نہیں جانتے کہ کون امر عدالت کے خلاف ہے اور کون موافق ہے تمام زمانے سے دریافت کرلیں کہ تھوڑے کام کے بدلے میں بہت سی مزدوری دیدینا عدالت کے خلاف نہیں ہے اور تمام زمانے کو جانے دیجئے انجیل ہی ملاحظہ کیجیے۔ انجیل متی کے باب ۲۰ میں حضرت مسیح کا بیان تمثیل میں مذکور ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ صاحب خانہ نے اپنے باغ میں مزدور لگائے اور ایک ایک دینار روزینہ مقرر کیا بعض مزدور صبح سے اور بعض دن چڑھے سے اور بعض دوپہر سے اور بعض تیسرے پہر سے اور بعض گھنٹہ بھر دن رہے سے لگے اور شام کو مزدوری سب کو یکساں دی تو جنھوں نے زیادہ کام کیا تھا وے گڑگڑائے اور کہا کہ پچھلوں نے ایک گھنٹہ کام کیا اور تو نے انھیں ہمارے برابر کردیا مالک نے جواب دیا میں ناانصافی نہیں کرتا جو تیرا مقرر کیا تھا وہ دیا گیا مجھے روا نہیں کہ اپنے مال میں جو چاہوں سو کروں ہم وہی گھنٹہ بھر دن رہے کے مزدور ہیں ہمارا مالک ہم پر مہربان ہی پادری صاحب کیوں گڑگڑاتے ہیں اگر وہ ایک کو دس گُونہ شمار نکرے تو تمام دن کی مزدوری کے برابر ہماری مزدوری کیسے ہو وہ اپنے فضل سے ایک کو دس شمار کرکے تمام دن کی مزدوری کے برابر کیا چاہتا ہی

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ یہی تمثیل تھوڑے سے تغیر سے حدیث شریف میں آئی ہے اور امت محمدیہ کو انھیں شام کے مزدوروں سے تشبیہ دی ہے۔

یہاں تک اختلاف چہارم و پنجم کا جواب تھا اس سے ناظرین نے دریافت کیا ہوگا کہ جسقدر امور اخلاقی پر پادری صاحب نے اعتراض کیے تھے اُن سب کا جواب کافی طور سے دیا گیا صرف ایک جہاد کا مسئلہ باقی ہے جسکو میں جداگانہ حصہ میں انشاء اللہ تعالیٰ بہ تفصیل بیان کروں گا۔

اس بیان سے یہ امر بھی ثابت ہوا کہ ان دونوں اختلافوں میں جو کچھ مخالفتیں کتب سابقہ اور قرآن مجید وحدیث سے بیان کی گئیں تھیں اُنکا منشا صرف لاعلمی یا غلط فہمی تھا اور اگر بعض مقام پر کچھ ہے تو وہی ہے جسے عیسائی تکمیل کہتے ہیں نہ مخالفت۔

تنبیہ عظیم

جو منصف مزاج شروع کتاب سے یہاں تک بغور ملاحظہ کرینگے وہ بالیقین جان لینگے کہ ہمیں اسلام اور مذہب اسلام کی سخت ضرورت تھی بغیر اُسکے خدا کی راہ ہرگز دریافت نہیں ہوسکتی تھی اور نہ انسان کو یقینی طور پر یہ معلوم ہوسکتا تھا کہ ہلاکت ابدی سے نجات کیونکر حاصل ہوگی۔

جزئی اور خفیف ضرورتیں جو بیان سابق سے ظاہر ہوتی ہیں اُنکو میں ناظرین کے ذہن پر چھوڑتا ہوں اور کہیں کہیں میں نے بعض کا ذکر بھی کردیا ہے البتہ اُن چند ضرورتوں پر متنبہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو نہایت اہم ہیں۔

پہلی ضرورت اس حصہ کے صفحہ ۱۳ سے ۵۵ تک نہایت روشن دلیلوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ مجموعہ عہد عتیق و جدید جس پر عیسائیوں کے دین کا مدار ہے خالص الہامی کلام نہیں ہے بلکہ الہامی اور غیر الہامی اس طرح مخلوط ہے کہ تمیز نہیں ہوسکتی جب کتاب کا یہ حال ہو تو طالب حق کیونکر دریافت کرسکتا ہے کہ شریعت آلہی کیا ہے اور کون امر واجب التعمیل ہے اسلیے ضرور ہوا کہ خداوند تعالےٰ اپنی خالص شریعت کو علیحدہ کردے جس میں کسی طرح کا شک وشبہ نہ ہے اسیواسطے قرآن مجید نازل فرمایا اور اُسکی کامل نگہبانی کا وعدہ کیا تاکہ قیامت تک ہر ایک انسان خدا کی

کامل اور سچی شریعت کو دریافت کر سکے اور اُسپر عمل کرے۔

دوسری ضرورت۔ تیسرے اختلاف تک جو کچھ بیان کیا گیا اُس سے اظہر من الشمس ہے کہ عیسائیوں نے ایسے باطل اصول اپنے مذہب میں داخل کر رکھے ہیں جو سچے دین میں کسی طرح نہیں ہو سکتے اور لطف یہ ہے کہ اُنکو دار و مدار نجات کا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کی کتاب ہمیں یہی تعلیم کرتی ہے اس گروہ عظیم کی اصلاح کے لیے خداوند تعالے نے پیغمبر اسلام کو بھیجا اور قرآن مجید نازل فرمایا کہ جو غلط خیالات اُنہوں نے خدا کی طرف منسوب کر رکھے تھے اُن کی غلطی یقینی طور پر ثابت ہو جائے۔

تیسری ضرورت۔ اختلاف چہارم و پنجم میں جس قدر لکھا گیا اُس سے بخوبی روشن ہے کہ احکام توریت و انجیل میں ترمیم کی ضرورت تھی اور قرآن و حدیث نے اُنھیں کامل کیا اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کا یہ مقولہ نہایت سچا ثابت ہوا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ یعنی میں اسلیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق پسندیدہ کو کامل کروں۔ باوجود ان سخت اور اہم ضرورتوں کے پادری ٹھاکرداس اپنی عدم ضرورت قرآن لیے پھرتے ہیں اگرچہ ہمیں ٹھاکر صاحب کے تعصب اور ہٹ دھرمی اور ناحق کوشی سے کسی قسم کی انصاف پسندی کی امید نہیں ہے مگر دنیا میں بہت سے حق پسند انصاف دوست ہیں جو میری کتاب کو ایک طرف اور نیاز نامہ اور ٹھاکرداس صاحب کی عدم ضرورت کو ایک طرف رکھکر نہایت سچائی اور انصاف دلی سے مقابلہ کرینگے اور جب وہ ایسا کرینگے تو مجھے پوری امید ہے کہ وہ ہادی مطلق اُن پر حق بات کو کھولدیگا اور اپنے پاک مذہب اسلام کی حقانیت کو اُن پر روشن کردیگا یہ امر بھی معلوم کرلینا چاہیئے کہ میری کتاب کا یہ حصہ خاصتہً نیاز نامہ کے جواب میں لکھا گیا ہے مگر جس وقت اہل انصاف تامل فرمائینگے تو بلاشک پادری صاحب کی عدم ضرورت کا جواب اسمیں پائینگے اگرچہ اس کتاب کے مقدمہ سے اُسکی فصل چہارم اور پنجم کا بھی قلع قمع ہو گیا ہے مگر تفصیلی جواب اُنکا اس مقام پر دیا جائیگا جہاں مؤلف نیاز نامہ نے قصوں میں اختلاف بیان کیا ہے کیونکہ اِن دونوں فصلوں میں جسقدر زیادہ سرائی کی ہے وہ حالات ہی کے متعلق ہے۔

سردار جہان سے کیا مُراد ہے

مینے آئینہ اسلام کے ایک حاشیہ میں لکھا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے حضرت محمد مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والثنا کو سرور عالم یعنے جہاں کا سردار کہا ہے اُس پر ایک عیسائی نے بہت کچھ مضحکہ کیا اسوجہ سے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ جو کچھ مجھے اسباب میں تحقیق ہے اُسے بیان کروں۔

واضح ہو کہ یوحنا کے باب ۱۴ ورس ۳۰ میں جو لفظ سردار جہان کا آیا ہے اگرچہ علماے مسیحیہ نے اُس سے مُراد شیطان لیا ہے مگر میرے نزدیک یہ خیال ایسا ہی غلط ہے جیساکہ عیسائیوں کے نزدیک علمائے یہود کے خیالات توریت کے بعض مقامات کی تفسیر میں غلط ہیں کوئی دلیل عقلی یا نقلی اس پر قائم نہیں ہو سکتی کہ ورس مذکورہ میں سردار جہان سے مُراد شیطان ہی تفصیل اسکی یہ ہے کہ جس لفظ کا ترجمہ یہاں سردار کیا گیا ہے وہ لفظ انگریزی میں PRINCE پرنس اور یونانی میں ἄρχων ارخون ہے ان دونوں لفظوں کا اطلاق شیطان کے اوپر نہ باعتبار لغت کے ہے نہ بلحاظ محاورۂ بیبل کے لغت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کے معنی مطلق سردار اور ذیشان کے ہیں کاسِلس بیبل ڈکشنری کے صفحہ ۱۵۱۔ اور صفحہ ۵۲۸ میں ہے پرنس ایک نہایت اعلے اور اول درجے کا شخص اور بادشاہ یا شاہی خاندان کا کوئی شخص اور یہ لفظ عام طور سے سلطنت کے امرا اور رئیسوں پر بھی بولا جاتا ہے اور سرکاری منصب داروں پر بھی اسکا اطلاق ہوتا ہے جیساکہ اول سلاطین ۲۰ باب ۱۴ دانئیل ۶ باب ۱ و ۳ و ۴ و ۶ و ۷ اور نائب بادشاہ پر بھی بولا گیا ہے استیر ۲ باب ۱۲ و ۸ باب ۹ وغیرہ اور مسیحا بھی سردار ہے۔ دانئیل ۹ باب ۲۵ مسیح کو یہاں پرنس پہلے سے کہا گیا ہے کیونکہ وہ اپنے لوگونکے ہادی ہونگے اور یہ لفظ میکائیل پر بھی بولا گیا ہے۔ دانئیل ۱۰ باب ۲۱ و ۱۲ باب ایسوع مسیح بھی سردار کے لقب سے ملقب کیے گئے۔ اعمال ۳ باب ۱۵ و ۵ باب ۳۱ اسلیے کہ وہ ہادی اور سرگروہ تھا اپنے چرچ کا اور اسلیے کہ اسکا مرتبہ بہت بڑا تھا مکاشفات ۱ باب ۵۔ اور کپتان کو یعنے گارد کے سردار کو بھی یہ لفظ بولا گیا ہے۔ پیدایش ۳۷

باب ۲۶ و ۴ باب ۲ و ۱۴ باب ۱۰"
اس ڈکشنری میں پرنس کے کئی معنی بیان کیے اور بیبل کا محاورہ بھی بتلایا کہ فلان مقام پر اس لفظ کے یہ معنی ہیں اور فلان مقام پر یہ مگر یہ نہیں کہا کہ شیطان پر بھی اسکا اطلاق ہوتا ہے بلکہ یہ لکھا کہ حضرت مسیح پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اسکے علاوہ میں اور بھی چند حوالے پیش کرتا ہوں جہاں لفظ ارخون استعمال کیا گیا ہے اور وہاں شیطان مُراد نہیں ہے متی ۹ باب ۱۸ و ۲۳ و ۲۰ باب ۲۵ و مرقس ۵ باب ۲۲ لوقا ۸ باب ۱۴ و ۱۲ باب ۵۸ و ۲۳ باب ۱۳ و ۴ باب ۳۰ یوحنا ۳ باب ۱ و ۱۲ باب ۴۲ اعمال ۴ باب ۵ و ۸ و ۷ باب ۲۷ و ۱۶ باب ۱۹ - الحاصل یہ لفظ نہ شیطان کے لیے موضوع ہے اور نہ بیبل کا محاورہ اس معنی کے لیے خاص کرتا ہے پھر کیا کوئی قرینہ اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ یوحنا باب ۱۴ ورس ۳۰ میں ارخون یعنے سردار سے مُراد شیطان ہو ہر گز نہیں بلکہ یہ کہنا کسی طرح بیجا نہیں ہے کہ جس طرح اعمال باب ۳ ورس ۱۵ و باب ۵ ورس ۳۱ و مکاشفات باب ۱ ورس ۵ میں اس لفظ سے حضرت مسیح مُراد ہیں اسی طرح یوحنا باب ۱۲ ورس ۳۱ - اور باب ۱۴ ورس ۳۰ و باب ۱۶ ورس ۱۱ میں حضرت مسیح اور فارقلیط مُراد ہیں - اب میں ان تینوں حوالوں کی تشریح کرتا ہوں

پہلا حوالہ یوحنا باب ۱۲ ورس ۳۱ میں ہے "اس جہان کا سردار نکالا جائیگا اس حوالے میں کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے جسکی وجہ سے جہان کے سردار سے شیطان مُراد لیا جاے بجز اس امر کے کہ اردو ترجمہ میں اُسکی نسبت نکال دینے کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے بظاہر اُسکی حقارت سمجھی جاتی ہے مگر جب اصلی لفظ یونانی کی طرف رجوع کیجاے تو یہ وہم بالکل دفع ہو جاتا ہے کیونکہ اصل لفظ یونانی ἐκβάλλω اِک بل لو مشترک المعنی ہے اسکے معنی نکالنا - نکال ڈالنا خارج کرنا - بھیجنا ہیں اب اگر یوحنا باب ۱۲ ورس ۳۱ میں اس جملے ἐκβληθήσεται آک بلی تھی سی تای" کے معنی قرینہ مقام کے لحاظ سے نکالا جائیگا کیے جائیں تو اس سے حضرت مسیح مُراد ہونگے اور یہ سمجھنا کہ نکالنا بُری شے کی نسبت کہا جاتا ہے محض نادانی ہے محاورۂ عام کے علاوہ عہد عتیق اور جدید میں بھی اس لفظ کا استعمال انبیا اور عمدہ اشیا پر بھی آیا ہے اور ایسے مقام پر بولا گیا ہے جہاں سے

اُسکی تحقیر نہیں سمجھی جاتی چنانچہ پیدایش کے باب ۳۷ ورس ۲۸ میں ہے یوسف کو کوے سے باہر نکالا اور خروج باب ۲ ورس ۱۰ میں حضرت موسیٰ کی نسبت ہے میں نے اُسے پانی سے نکالا[۱] اور خروج باب ۱۲ ورس ۵۱ میں ہے خداوند نے بنی اسرائیل کو اُنکے لشکروں کے ساتھ زمین مصر سے باہر نکالا اور یرمیاہ باب ۳۸ ورس ۱۳ میں ہے یرمیاہ کو کھینچا اور چوآن سے نکالا اور باب ۵۲ ورس ۳۱ میں ہے یہوکین کو سرفراز کیا اور قید خانے سے نکالا اور اعمال کے باب ۷ ورس ۹ و ۱۰ میں حضرت یوسف کی نسبت ہے پر خدا اُسکے ساتھ تھا اور اُسے اُسکی سب مصیبتوں سے نکالا اور متی کے باب ۱۲ ورس ۳۵ میں ہے اچھا آدمی دل کے اچھے خزانے سے اچھی چیزیں نکالتا ہے انتہیٰ ان مقامات سے بخوبی واضح ہوگیا کہ نکالنے سے مقصود اس شے کی تحقیر ہی نہیں ہوتی بلکہ بعض مقام پر اُسکی تعظیم مراد ہوتی ہے ان سب حوالوں کے علاوہ بہت بڑا ثبوت ہمارے لیے یہ ہے کہ مرقس کے باب اول ورس ۱۲ میں یہی یونانی لفظ حضرت مسیح کی نسبت استعمال کیا گیا ہے اگرچہ اردو ترجموں میں اُسکا ترجمہ نکالا جانا نہیں کیا ہے البتہ میرے پاس جو ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء اور انگریزی ۱۸۲۱ء کا ہے اُسمیں اسی طرح ترجمہ موجود ہے ترجمہ عربی کی عبارت یہ ہے اخرجہ الی البریۃ یعنی نکالا اُسکو جنگل کیطرف اور ترجمہ انگریزی کی عبارت یہ ہے

AND IMMEDIATELY THE SPIRIT DRIVETH IN TO THE WILDERNESS

ترجمہ اور فوراً اُسے روح نے نکالا جنگل کی طرف پس جب بیبل کے محاورے سے ثابت ہوگیا کہ اس لفظ کی نسبت اُسی شے کی طرف نہیں ہوتی جسکی تحقیر منظور ہو بلکہ انبیا اور خود حضرت مسیح کی طرف بھی اُسکی نسبت کی گئی ہے تو اب اگر یوحنا کے باب ۱۲ ورس ۳۱ میں نکالے جانے کی نسبت حضرت مسیح کی طرف کی جائے تو کسی طرح کی قباحت لازم نہیں آتی بلکہ قرینہ سابق اور لاحق اسی مدعا کو ثابت کرتا ہے کیونکہ اُس ورس سے پہلے اور بعد حضرت مسیح اس عالم سے اپنے جانے کا ذکر کرتے ہیں لہذا اس ورس میں بھی حضرت مسیح اپنے جانے کے نسبت فرماتے ہیں اس دنیا کا سردار (یعنی مسیح)

---

[۱] اسی واسطے اُنکا نام موسیٰ رکھا گیا کیونکہ اس لفظ کے معنی نکالا ہوا ہیں اب اگر یہ لفظ برے مقام کے لیے مخصوص ہوتا تو یہ نام حضرت موسیٰ کا نہ رکھا جاتا ۱۲ ۔۔۔۔

دنیا سے علیحدہ اور اُسکے مصائب سے نکالا جائیگا جیسا کہ حضرت یوسف عم اور حضرت موسےٰ عم اور حضرت یرمیاہ عم اور بنی اسرائیل مصیبت سے نکالے گئے تھے اور یہ معنی مراد لینے سے یوحنا کے باب ۱۴ ورس ۳۰ سے بھی مطابقت ہو جاتی ہے اور کوئی مشکل پیش نہیں آتی اور اگر شیطان مُراد لیا جاوے تو دونوں مقامات کی تفسیر میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں (۱) شیطان دنیا سے کب اور کہاں نکال دیا گیا کیا اب اُسکا ڈیرہ خیمہ دنیا میں نہیں ہے کیا اکثر دنیا کے لوگ اُسکے مطیع اور فرمانبردار نہیں ہیں بیشک ہیں پھر وہ کیونکر نکال دیا گیا جس طرح وہ پہلے سے دنیا میں تھا اُسی طرح اب تک موجود ہے (۲) یوحنا کے باب ۱۴ ورس ۳۰ میں ہے کہ "اس جہان کا سردار آتا ہے" عیسائیوں کے نزدیک اس سے بھی مُراد شیطان ہے مگر وہ فرمائیں کہ کیا پہلے سے وہ دنیا میں نتھا کہ اُسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ آتا ہے کیا وہ اس جہان کو چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا (۳) یوحنا کے باب ۱۲ ورس ۳۱ سے تو ثابت ہوتا ہے کہ شیطان دنیا میں موجود تھا مگر آیندہ نکالا جائیگا اور اُسکے باب ۱۴ ورس ۳۰ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں موجود نتھا آیندہ آوے گا۔

اب ناظرین ملاحظہ کریں کہ یہ صریح تعارض اور تناقض نہیں تو کیا ہے اور اگر نکالے جانے سے مُراد اُسکی قوت کا کم ہونا ہو تو آنے سے مُراد اُسکی قوت کا زیادہ ہونا ہوگا بہر حال دونوں مقام متعارض اور متناقض رہینگے۔ الحاصل سردار جہان سے مُراد شیطان لینے میں نہایت دشواریاں پیش آتی ہیں اس لیے ہم کہتے ہیں کہ یوحنا کے باب ۱۲ ورس ۳۱ میں تو حضرت مسیح مُراد ہیں اور باب ۱۴ ورس ۳۰ میں اُس سے فارقلیط مُراد ہے اور حضرت مسیح کا مطلب یہ ہے کہ میں (جو اسوقت سرور عالم ہوں) اس جہان سے جاتا ہوں اور فارقلیط (کہ وہ بھی سرور عالم ہے) اس جہان میں آنے والا ہے جس طرح پر لفظ فارقلیط حضرت مسیح اور اُس آنے والے کی نسبت بولا گیا ہے اسی طرح لفظ سرور عالم بھی حضرت مسیح نے اپنے اور اُس آنے والے کی نسبت استعمال کیا ہے اس تفسیر میں کسی طرح کی دقت پیش نہیں آتی علماے مسیحیہ اپنے قول کی پاسداری چھوڑ کر بنظر انصاف اس امر کو ملاحظہ کریں۔

اُسکی تحقیر نہیں سمجھی جاتی چنانچہ پیدایش کے باب ۳۷ ورس ۲۸ میں ہے یوسف کو کوے سے باہر نکالا اور خروج باب ۲ ورس ۱۰ میں حضرت موسیٰ کی نسبت ہے میننے اُسے پانی سے نکالا[1] اور خروج باب ۱۲ ورس ۵۱ میں ہے خداوند نے بنی اسرائیل کو اُنکے لشکروں کے ساتھ زمین مصر سے باہر نکالا اور یرمیاہ باب ۳۸ ورس ۱۳ میں ہے یرمیاہ کو کھینچا اور چاہ سے نکالا اور باب ۵۲ ورس ۳۱ میں ہے یہوکین کو سرفراز کیا اور قید خانے سے نکالا اور اعمال کے باب ۷ ورس ۹ و ۱۰ میں حضرت یوسف کی نسبت ہے پر خدا اُسکے ساتھ تھا اور اُسے اُسکی سب مصیبتوں سے نکالا اور متی کے باب ۱۲ ورس ۳۵ میں ہے اچھا آدمی دل کے اچھے خزانے سے اچھی چیزیں نکالتا ہے انتہیٰ ان مقامات سے بخوبی واضح ہوگیا کہ نکالنے سے مقصود اس شے کی تحقیر ہی نہیں ہوتی بلکہ بعض مقام پر اُسکی تعظیم مراد ہوتی ہے ان سب حوالوں کے علاوہ بہت بڑا ثبوت ہمارے لیے یہ ہے کہ مرقس کے باب اول ورس ۱۲ میں یہی یونانی لفظ حضرت مسیح کی نسبت استعمال کیا گیا ہے اگرچہ اردو ترجموں میں اُسکا ترجمہ نکالا جانا نہیں کیا ہے البتہ میرے پاس جو ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ء اور انگریزی ۱۸۲۱ء کا ہے اُسمیں اسی طرح ترجمہ موجود ہے ترجمہ عربی کی عبارت یہ ہے اخرجہ الی البریۃ یعنی نکالا اُسکو جنگل کیطرف اور ترجمہ انگریزی کی عبارت یہ ہے

AND IMMEDIATELY THE SPIRIT DRIVETH IN TO THE WILDERNESS

ترجمہ اور فوراً اُسے روح نے نکالا جنگل کی طرف پس جب بیبل کے محاورے سے ثابت ہوگیا کہ اس لفظ کی نسبت اُسی شے کی طرف نہیں ہوتی جسکی تحقیر منظور ہو بلکہ انبیا اور خود حضرت مسیح کی طرف بھی اُسکی نسبت کی گئی ہے تو اب اگر یوحنا کے باب ۱۲ ورس ۳۱ میں نکالے جانے کی نسبت حضرت مسیح کی طرف کی جائے تو کسی طرح کی قباحت لازم نہیں آتی بلکہ قرینہ سابق اور لاحق اسی مدعا کو ثابت کرتا ہے کیونکہ اُس ورس سے پہلے اور بعد حضرت مسیح اس عالم سے اپنے جانے کا ذکر کرتے ہیں لہذا اس ورس میں بھی حضرت مسیح اپنے جانے کے نسبت فرماتے ہیں اس دنیا کا سردار یعنی مسیح،

[1] اسی واسطے اُنکا نام موسیٰ رکھا گیا کیونکہ اس لفظ کے معنی نکالا ہوا ہیں اب اگر یہ لفظ بُرے مقام کے لیے مخصوص ہوتا تو یہ نام حضرت موسےٰ کا نہ رکھا جاتا ۔۔۔۔

دنیا سے علیحدہ اور اُسکے مصائب سے نکالا جائیگا جیسا کہ حضرت یوسف عم اور حضرت موسیٰ عم اور حضرت یرمیاہ عم اور بنی اسرائیل مصیبت سے نکالے گئے تھے اور یہ معنی مراد لینے سے یوحنا کے باب ۱۴ اورس ۳۰ سے بھی مطابقت ہو جاتی ہے اور کوئی مشکل پیش نہیں آتی اور اگر شیطان مُراد لیا جاسے تو دونوں مقامات کی تفسیر میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں (۱) شیطان دنیا سے کب اور کہاں نکال دیا گیا کیا اب اُسکا ڈیرہ خیمہ دنیا میں نہیں ہے کیا اکثر دنیا کے لوگ اُسکے مطیع اور فرمانبردار نہیں ہیں بیشک ہیں پھر وہ کیونکر نکال دیا گیا جس طرح وہ پہلے سے دنیا میں تھا اُسی طرح اب تک موجود ہے (۲) یوحنا کے باب ۱۴ اورس ۳۰ میں ہے کہ "اس جہان کا سردار آتا ہے" عیسائیوں کے نزدیک اس سے بھی مُراد شیطان ہے مگر وہ فرمائیں کہ کیا پہلے سے وہ دنیا میں نتھا کہ اُسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ آتا ہے کیا وہ اس جہان کو چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا (۳) یوحنا کے باب ۱۲ ورس ۳۱ سے تو ثابت ہوتا ہے کہ شیطان دنیا میں موجود تھا مگر آیندہ نکالا جائیگا اور اُسکے باب ۱۴ ورس ۳۰ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں موجود نتھا آیندہ آوے گا۔

اب ناظرین ملاحظہ کریں کہ یہ صریح تعارض اور تناقض نہیں تو کیا ہی اور اگر نکالے جانے سے مُراد اُسکی قوت کا کم ہونا ہو تو آنے سے مُراد اُسکی قوت کا زیادہ ہونا ہو گا بہر حال دونوں مقام متعارض اور متناقض رہینگے۔ الحاصل سردار جہان سے مُراد شیطان لینے میں نہایت دشواریاں پیش آتی ہیں اس لیے ہم کہتے ہیں کہ یوحنا کے باب ۱۲ ورس ۳۱ میں تو حضرت مسیح مُراد ہیں اور باب ۱۴ ورس ۳۰ میں اُس سے فارقلیط مُراد ہے اور حضرت مسیح کا مطلب یہ ہے کہ میں (جو اسوقت سرور عالم ہوں) اس جہان سے جاتا ہوں اور فارقلیط (کہ وہ بھی سرور عالم ہے) اس جہان میں آنے والا ہے جس طرح پر لفظ فارقلیط حضرت مسیح اور اُس آنے والے کی نسبت بولا گیا ہے اسی طرح لفظ سرور عالم بھی حضرت مسیح نے اپنے اور اُس آنے والے کی نسبت استعمال کیا ہے اس تفسیر میں کسی طرح کی دقت پیش نہیں آتی علماے مسیحیہ اپنے قول کی پاسداری چھوڑ کر بنظر انصاف اس امر کو ملاحظہ کریں۔

یہ تفسیر تو اُس تقدیر پر کی گئی کہ اس لفظ یونانی کے معنی نکالا جانا لیے جائیں اور اگر اُسکے معنی بھیجے جانے کے لیے جائیں تو بھی ہو سکتا ہے مگر اُسوقت سردار جہاں سے مُراد حضرت مسیح نہ ہونگے کیونکہ وہ تو دنیا میں پہلے ہی سے بھیجے گئے تھے بلکہ اس سے بھی مُراد وہی فارقلیط ہوگا جسکے بھیجے جانے کا وعدہ یوحنا کے باب ۱۴۔ اور باب ۱۶ میں ہے اس تفسیر میں بھی کوئی دقت پیش نہیں آتی مگر پہلے معنی زیادہ چسپاں ہیں۔

دوسرا حوالہ۔ یوحنا کے باب ۱۴ ورس ۳۰ میں ہے "جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اُسکی کوئی چیز نہیں"

جواب۔ اس مقام پر بھی کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے جسکی وجہ سے سردار عالم سے مُراد شیطان لیا جائے بلکہ خاص اسی ۳۰ ورس سے ثابت ہوتا ہے کہ سردار جہان سے مُراد شیطان نہیں ہو سکتا ناظرین اولاً اُس ورس کو ملاحظہ کریں وہ یہ ہے "بعد اُسکے میں تمسے بہت کلام نکرونگا اسلیے کہ اِس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اُسکی کوئی چیز نہیں انتہے۔ دو وجہ سے یہ ورس شہادت دیتا ہے کہ سردار جہان سے مراد شیطان نہیں ہے **اوّل** یہ کہ اُسکی نسبت یہ کہا گیا کہ وہ آتا ہے حالانکہ شیطان کہیں چلا نہیں گیا تھا جسکی نسبت یہ کہنا صحیح ہو **دوسرے** یہ کہ حضرت مسیح اپنے کلام نہ کرنے کی وجہ سردار جہان کا آنا بیان کرتے ہیں اور یوں کہہ رہے ہیں کہ میں تمسے کلام نکرونگا اسلیے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اب غور کرنے کا مقام ہے کہ شیطان کا آنا اس بات کی کیونکر وجہ ہو سکتا ہے کہ نبی اور ہادی ہدایت سے سکوت کرے بلکہ برعکس اسکے اُسکا آنا نبی اور ہادی کے زیادہ کلام کرنے کا باعث ہوگا کیونکہ جسقدر ہادی کامل تعلیم دیگا اسی قدر شیطان کا اثر کم ہوگا لہذا شیطان کا آنا سکوت کا باعث نہیں ہو سکتا حالانکہ حضرت مسیح ؑ نے سردار جہان کے آنیکو اپنے سکوت کا باعث قرار دیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ سردار جہان سے مُراد یہاں شیطان نہیں ہو سکتا۔ علمائے مسیحیہ نے اِن وجوہ کی طرف اصلا نظر نہیں کی اسکے بعد مجھے یہ بھی ضرور ہے کہ اُس جملے کے معنی بھی بیان کردوں جو اس شیطانی مُراد لینے کا باعث ہوا ہے غالبا وہ یہ ہے

کہ مجھ میں اُسکی کوئی چیز نہیں ہے مگر یہ بھی اُنکی غلط فہمی ہے اُسکے معنی یہ ہیں کہ میرے کمالات تو اُس آنے والے میں موجود ہونگے کیونکہ وہ میری چیزوں سے پائیگا مگر اُسکے اوصاف مخصوصہ کمالیہ میں سے کوئی کمال مجھ میں نہیں ہے اس کلام سے حضرت مسیح اُس آنے والے کی فوقیت اپنے اوپر بیان کرتے ہیں باقی رہا یہ امر کہ وہ آنے والا کون ہے جسکی نسبت حضرت مسیح یہ کہہ رہے ہیں ہمارے نزدیک وہ فارقلیط ہے۔

تیسرا حوالہ یوحنا کے باب ۱۶ ورس ۱۱ میں ہے عدالت سے اسلیئے کہ جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے انتہٰے۔

جواب - یہاں بھی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جسکے سبب سے ہم سردار جہان سے شیطان مُراد لیں شاید ترجموں کے بہروسے پر ایسا خیال کیا ہوگا مگر اصل کی طرف رجوع کرنے سے یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے کیونکہ κεκριται کیک ری تای مشتق ہے κρινω کرینو سے جسکے معنے جدا کرنا۔ فیصلہ کرنا۔ حکم دینا۔ ترجیح دینا۔ اگر اخیر معنی لیے جائیں تو اس کلام کے یہ معنے ہونگے کہ جہان کے سردار کو ترجیح یعنی غلبہ دیا گیا ہے اور اگر حکم کرنے کے معنی لیے جائیں تو کلام کا یہ مطلب ہوگا کہ جہان کے سردار کو عدالت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس فقرے کی تشریح اُسوقت بخوبی ذہن میں آسکتی ہے کہ ورس ۷ سے ۱۱ تک مسلسل دیکھا جائے لہذا میں کل ورسوں کو نقل کرکے اُسکے معنی بیان کرتا ہوں "میں تمھیں سچ کہتا ہوں کہ تمھارے لیے میرا جانا ہی فائدہ ہے کیونکہ اگر میں نجاؤں تو تسلی دینے والا تم پاس نہ آئیگا پر اگر میں جاؤں تو میں اُسے تم پاس بھیجدونگا اور وہ آن کر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے تقصیر وار ٹھہرائیگا گناہ سے اسلیئے کہ وے مجھپر ایمان نہیں لاے راستی سے اسلیئے کہ میں اپنے باپ پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھوگے عدالت سے اسلیئے کہ اِس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے انتہٰے"۔ اس مقام پر حضرت مسیح نے فارقلیط کے آنے کی بشارت دی ہے اور اُسکی نسبت فرمایا ہے کہ وہ آکر دنیا کو الزام دے گا اور اس الزام کے تین سبب یا تین جہتیں بیان کی ہیں اول اُنکا گناہ مگر مطلقاً گناہ یہاں مقصود نہیں ہے

بلکہ خاص یہ گناہ کہ وہ مسیح پر ایمان نہیں لائے یعنی اس سبب سے وہ دنیا کو ملزم ٹھہرائیگا کہ مسیح پر ایمان نہ لاسے تھے **دوم** راستی یعنی وہ اپنی راستی کے سبب سے بھی دنیا کو الزام دیگا۔ راستی سے مُراد یہاں مطلقاً سچائی نہیں ہے بلکہ خاص واقعہ کی سچائی مقصود ہے یعنی دنیا کو میرے مصلوب ہوجانے کا گمان ہوگا اور وہ سچی اور واقعی بات بیان کرکے دنیا کو الزام دیگا یعنی میری نسبت کہیگا کہ وہ صلیب پر نہیں چڑہائے گئے بلکہ وہ بغیر سولی دیئے خدا کے پاس چلے گئے **سوم** عدالت یعنی اسوجہ سے بھی وہ دنیا کو الزام دے گا اور اُنھیں زجر و توبیخ کرے گا کہ خداوند تعالی کی طرفسے اُسے عدالت یعنی حکومت اور انصاف کرنے کا اختیار دیا گیا ہے لفظ یونانی کری نو کے جو دو معنے ہینے اوپر بیان کیے ہیں اُن دونوں کے لحاظ سے یہ تفسیر صحیح ہے جو ہینے یہاں بیان کی اس تقدیر پر سردار جہانسے مُراد وہی فارقلیط ٹھہریگا۔ اور عبارت مذکور کے دوسرے معنی بھی ہوسکتے ہیں وہ یہ ہیں کہ فارقلیط دنیا کو اُنکے گناہ اور اُنکی راستی اور اُنکی عدالت سے اُنھیں تقصیروار ٹھہرائیگا گناہ سے مُراد تو وہی ایمان نہ لانا ہے اور راستی سے مقصود یہ ہے کہ واقعہ صلیب مسیح کو جو اُنھوں نے راست سمجھہ رکھا ہے اُسکی وجہ سے اُنھیں الزام دیگا کیونکہ یہ واقعہ غلط ہی بلکہ حضرت مسیح بغیر صلیب دیے خدا کے پاس چلے گئے اور عدالت سے مقصود یہ ہے کہ عیسائی جو مسیح کے صلیب دیے جانے کو خدا کی عدالت ٹھہرائینگے اسکی وجہ سے بھی فارقلیط اُنھیں الزام دیگا کیونکہ خداوند تعالے کو اختیار حاصل ہی کہ وہ ہر طرح اپنے گناہگاروں کو بخش سکتا ہے اس تقدیر پر سردار عالم سے مُراد خداوند تعالے ہوگا جیسا کہ زبور ۲۰ ورس ۱۷۔ اور دیگر مقامات میں ہے۔

الحاصل سوق عبارت اس امر کا شاہد ہے کہ یہاں سردار جہان سے مُراد فارقلیط موعود یا خداوند تعالے ہے نہ کہ شیطان۔ کیونکہ یہ مُراد عبارت سابق اور لاحق سے بالکل بے جوڑ ہے ساتویں ورس سے مسلسل فارقلیط کا ذکر ہورہا ہے اور دسویں ورس تک اُسیکا ذکر رہا اور پھر تیرہویں ورس میں اُسی کا ذکر ہے پھر یہ درمیان میں شیطان کہاں سے کود پڑا۔

حاصل یہ کہ جب بائبل کے محاورے سے بھی اس معنی کی تخصیص نہ کی اور نہ ان تینوں حوالوں میں

میں کوئی قرینہ ایسا پایا گیا جسکی وجہ سے سردار جہان سے شیطان مُراد لیا جائے پھر خواہ مخواہ
اُس سے شیطان مُراد لینا بجز زبردستی کے اور کیا ہو سکتا ہے ۔ اب میں اپنی کتاب کے پہلے حصہ کو
ختم کرتا ہوں اور خداوند کریم سے ملتجی ہوں ۔ اے ہادی مطلق اور رہنمائے برحق تو اپنے فضل
وکرم سے اس کتاب کے دیکھنے والوں کے دل کو نور ہدایت اور کمال ایمان سے منور کردے
اور اپنے سچے مذہب اسلام کی روشنی کو اُن کے سینے میں بھر دے اور میری محنت کو قبول کر
آمین آمین ۔ اللھم احینا علی الاسلام وامتنا علی الاسلام واحشرنا فی زمرۃ المسلمین
بحرمۃ سید المرسلین محمد وآلہ واصحابہ علیھم صلوۃ اللہ الی یوم الدین ٥

ضمیمہ

ہمارے معزز مخاطب منشی صفدر علی صاحب نے اپنے عریضہ نیاز میں یہ ظاہر کیا ہے کہ علمای اسلام ذاتی اور نفسانی غرض کے لیے سارے ہیں پھرتے ہیں اور بہت اوقات اسمیں صرف کرتے ہیں مگر ہماری کتاب کے جواب میں عدم فرصت کا حیلہ کرتے ہیں لہذا میں دکھانا چاہتا ہوں کہ باوجود کسی سرپرست اور معین کے نہونے کے اور بغیر سرمایہ اور اسباب کے کسقدر کتابیں اہل اسلام نے لکھیں اور علمائے مسیحیہ باوجود ہرطرح کی فارغ البالی اور سرپرستی اور اعانت کے کتنی کتابوں کے جواب سے ساکت رہے مگر میرے ایک قدیم رفیق نے اپنی عمدہ کتاب **مراسلات مذہبی** میں بہت بڑی فہرست اس قسم کی کتابوں کی دی ہے لہذا میں سب کے نام لکھنا ضروری نہیں سمجھتا ہوں بلکہ منتخب کرکے چند نام لکھتا ہوں تاکہ قوت اسلام اور ضعف عیسائیت ظاہر ہوجائے اور اہل انصاف جان لیں کہ مخالفین اسلام کے شکوک ایسے ضعیف ہیں کہ حامیان اسلام باوجود نہایت بے سروسامانی کے باسانی جواب دیسکتے ہیں اور عیسائی باوجود سروسامان کے جواب سے عاجز ہیں۔

فہرست اُن کتابوں کی جو عیسائیونکے مقابلہ میں اہل اسلام نے لکھیں

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
۱	اظہار الحق	مولانا محمد رحمت اللہ صاحب مرحوم کرانوی مہاجر مکہ	یہ لاجواب کتاب عربی زبان میں دوسری مرتبہ مصر میں سنہ ۱۲۹۴ھ میں اور تیسری مرتبہ سنہ ۱۳۰۰ھ میں استنبول میں چھپی ہے اور فرانسیسی اور جرمنی اور انگریزی اور ترکی زبانوں میں ترجمہ ہوکر یورپ میں شائع ہوئی اور مولوی سلیم اللہ صاحب نے اردو میں ترجمہ کیا مگر طبع نہیں ہوا اسمیں اولاً نہایت تفصیل اور کامل شواہد سے اثبات تحریف و نسخ و ابطال تثلیث کیا ہے پھر قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا اور حضرت

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
			محمد مصطفےٰ کا نبی ہونا پُرزور دلائل سے ثابت کیا ہے اور مخالفین کے شبہات کا جواب دیا ہے اسوقت تک کسی نے اسکا جواب نہیں دیا استنبول و مصر میں کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔
۲	ازالۃ الاوہام	مولانا محمد رحمت اللہ صاحب مرحوم کیرانوی مہاجر مکہ	یہ کتاب بھی فارسی زبان میں اکثر مباحث ضروریہ کو جامع ہے ۱۲۶۹ھ ہجری میں ۵۶۴ صفحہ کلاں پر دہلی میں چھپی ہے اور اُسکے حاشیہ پر کتاب استفسار ہے باوجودیکہ اسکو چھپے ہوئے سینتیس ۳۷ برس ہوئے مگر کسی نے ایک بحث کا بھی پورے طور پر جواب نہیں دیا۔
۳	ازالۃ الشکوک	ایضاً	یہ نادر کتاب عیسائیوں کے اونتالیس سوالوں کا جواب ہے اثبات نبوت محمدیؐ اور تحریف بیبل کامل طور سے کیا ہے اسمیں بھی جمیع مباحث عمدہ طور سے لکھے گئے ہیں ۱۲۶۹ھ میں تصنیف ہوئی ہے کل ۱۰۵۴ صفحے ہیں دو جلدوں میں قلمی میرے پاس موجود ہے۔
۴	اعجاز عیسوی	ایضاً	اس نادر کتاب میں کامل طور سے بیبل کا غیر معتبر و محرف ہونا علمائے مسیحیہ کے اقوال سے ثابت کیا گیا ہے ۰۰ صفحوں پر پہلی بار آگرہ میں پھر مطبع رضوی دہلی میں چھپی ہے اس پر پادری عمادالدین نے کچھ یاوہ سرائی کی تھی جسے خود عیسائیوں نے نہایت ناپسند کیا اور عقوبت الضالین وغیرہ میں اس کا جواب بھی

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
			دیا گیا پھر پادری ٹھاکرداس صاحب نے موشگافی کی اسکی قلعی بھی کھول دی گئی۔
۵	اصح الاحادیث فی ابطال التثلیث	مولانا محمد رحمت اللہ صاحب مرحوم	یہ رسالہ جسمیں دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے تثلیث کو باطل کیا ہے مطبع رضوی دہلی میں ۴۲ صفحوں پر سنہ ۱۲۹۳ ہجری میں چھپا ہے اسکا جواب بھی آج تک نہیں ہوا۔
۶	استفسار	مولانا آل حسن صاحب مرحوم	اسمیں نہایت عمدہ زور تحریر سے مذہب عیسوی کا رد کیا ہے اور عیسائیوں کے شبہات کے عمدہ جواب دیے ہیں میزان الحق اور تحقیق دین حق کا جواب بھی اسمیں ہے پہلے مستقل طور پر دہلی میں پھر سنہ ۱۲۶۹ ہجری میں ازالۃ الاوہام کے حاشیہ پر چھپی ہے نایاب ہے
۷	استبشار	ایضاً	یہ رسالہ حل الاشکال مولفہ پادری فنڈر صاحب کا جواب ہے مطبع مسیحائی آگرہ میں چھپا ہے غالباً اسکے مولف بھی مولانا ممدوح ہیں اسپر بھی کسی نے قلم نہیں اٹھایا ہے۔
۸	تنخیص المقال	حافظ ابو المعین صاحب	اس عمدہ رسالہ میں عیسائیوں کے اصول کا خوب قلع قمع کیا ہے مطبع مصطفائی دہلی میں ۸۸ صفحوں کلاں پر سنہ ۱۲۶۵ھ میں چھپا ہے نایاب ہے اسکا جواب بھی نہیں ہوا۔
۹	خطوط	ڈاکٹر محمد وزیر خان صاحب مرحوم	ان خطوں میں وہ مناظرہ ہے جو ڈاکٹر مرحوم اور پادری فنڈر کے درمیان آگرہ میں ہوا تھا قابل دید ہے عرصہ ہوا کہ آگرہ میں چھپا تھا۔

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
			مگر آجتک کسی نے آخر خط کا جواب نہیں دیا۔
۱۰	صولة الضیغم علی اعداء ابن مریم	مولوی عباس علی صاحب جاجموی	اس کتاب میں زیادہ تر اثبات نبوت حضرت سرور انبیا محمد مصطفیٰ کیا گیا ہے خصوصاً توریت و انجیل کی بشارتوں سے مگر چھپا نہیں البتہ اسکا خلاصہ ۱۲۵۸ ہجری میں ۱۴۰ صفحوں پر چھپا ہے
۱۱	فصل الخطاب المقدمة اہل الکتاب	مولوی حکیم نورالدین صاحب	اس عمدہ کتاب میں پرجوش تحریر کے ساتھ اکثر نئی تحقیق کا دریا موجزن ہے اسلام کی خوبی کو مختصر طور سے خوب دکھایا ہے اور غالباً عیسائیوں کے کل اعتراضوں کے جواب الزامی اور تحقیقی خوش اسلوبی سے دیے ہیں اور نبوت حضرت سرور انبیا اور ضرورت قرآن مجید کو عمدہ طرز سے ثابت کیا ہے دو جلدوں میں مطبع مجتبائی دہلی میں [illegible] ہجری میں چھپی ہے مگر افسوس ہے کہ مصنف حقانی روش کو چھوڑ کر قادیانی ہو گئے۔
۱۲	نوید جاوید	مولوی ابو منصور صاحب دہلوی معروف بہ امام فن مناظرہ اہل کتاب	یہ مبسوط کتاب مولوی صاحب کی عمدہ تصانیف میں ہے ۴۳۶ صفحوں پر ۱۲۹۴ ہجری میں مطبع نصرة المطابع دہلی میں چھپی ہے اسکا جواب بھی آجتک نہیں ہوا۔
۱۳	دولت فاروقی	ایضاً	یہ کتاب بیت المقدس اور انبیاء سابقین کی تاریخ ہے مگر مناظرہ کے لیے بہت مفید ہے۔
۱۴	عقوبة الضالین	ایضاً	یہ رسالہ ہدایت المسلمین مولفہ پادری عماد الدین ڈیڈی کا جواب ۱۲۹۳ ہجری میں دوبارہ ۱۷۶ صفحوں پر نصرة المطابع دہلی میں

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
			چھپا ہے اس پر کہیں کہیں پادری صاحب نے کچھ لکھا تھا اُسکا جواب رسالہ محاکمہ میں مولوی صاحب ممدوح نے دیدیا ہے ہدایت المسلمین کا دوسرا جواب مولوی حافظ ولی اللہ صاحب لاہوری نے بھی لکھا تھا اسکا نام رجم الشیاطین ہے مگر دیکھنے میں نہیں آیا اس کا تیسرا جواب مولوی طفیل احمد صاحب سہسوانی نے لکھا ہے اثبات الحق اُسکا نام ہے۔
۱۵	رقیمۃ الوداد	مولوی ابو منصور صاحب موصوف	یہ رسالہ منشی صفدر علی صاحب کے نیاز نامہ کا مختصر جواب ہے سنہ ۱۲۹۴ ہجری میں تیسری مرتبہ ۸۴ صفحوں پر نصرۃ المطابع دہلی میں چھپا ہے۔
۱۶	استیصال مسیح الدجال	ایضاً	یہ جواب ہے رسالہ مسیح الدجال مولفہ رامچندر عیسائی کا سنہ ۱۲۹۱ ہجری میں ۶۷ صفحوں پر نصرۃ المطابع دہلی میں چھپا ہے اسکا جواب بھی ابتک نہیں ہوا۔
۱۷	انعام عام	ایضاً	یہ رسالہ آئینہ اسلام مؤلفہ پادری رجب علی کا جواب ہے اسمیں عیسائیوں کے بہت سے فرقوں کا بیان ہے سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں ۸۴ صفحوں پر مطبع فاروقی دہلی میں چھپا ہے۔
۱۸	اعزاز قرآن	ایضاً	یہ رسالہ ماسٹر رامچندر عیسائی کے اعجاز قرآن کا جواب ہے ماسٹر صاحب کے اس رسالہ کا دوسرا جواب معجزہ فرقان ہے مولوی الفت حسین صاحب کی تالیفات سے۔

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
۱۹	انجام الخصام	ایضاً	یہ رسالہ جان راجرس صاحب کے رسالہ تفتیش الاسلام کا جواب ہے سنہ ۱۲۹۲ ہجری میں ۱۲۸ صفحوں پر نصرۃ المطابع دہلی میں چھپا ہے جان صاحب نے پھر دم نہیں مارا۔ اسی کتاب کا ایک دوسرا جواب ہمارے دوست مولوی حافظ عبد العدل صاحب ساکن ٹہلت نے بھی لکھا ہے۔
۲۰	میزان المیزان	ایضاً	یہ کتاب پادری فنڈر کی میزان الحق کا جواب ہے نصرۃ المطابع دہلی میں چھپی ہے مولانا رحمۃ اللہ صاحب نے بھی اسکا جواب لکھا تھا جسکا نام **معدل اعوجاج المیزان** ہے مگر چھپا نہیں۔
۲۱	مصباح الابرار	ایضاً	یہ رسالہ پادری فنڈر کے مفتاح الاسرار کا جواب ہے مولوی سید دلدار علی صاحب مجتہد لکھنوی نے بھی اسکا جواب لکھا تھا جسکا نام **کشف الاستار** ہے
۲۲	سبیل نجات	ایضاً	یہ رسالہ پادری فنڈر کے طریق الحیات کا جواب ہے۔
۲۳	حرز جان	ایضاً	یہ رسالہ مسٹر عبد اللہ اتھم صاحب عیسائی کے رسالہ اصلیت قرآن کا جواب ہے سنہ ۱۲۹۶ھ میں ۲۰ صفحہ پر نصرۃ المطابع دہلی میں چھپا ہے۔
۲۴	تسویل القسیس	ایضاً	یہ جواب ہے رسالہ اصل و افزایش و زوال دین محمدی کا
۲۵	تخطیہ	ایضاً	یہ جواب رسالہ اندرونہ بیبل مروجہ قدیم مولفہ مسٹر عبد اللہ اتھم کا ہے۔ یہ سب کتابیں چھپ گئی ہیں

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
۲۶	صیانۃ الانسان عن وساوس الشیطان	مولوی حافظ ولی اللہ صاحب مرحوم لاہوری	یہ رسالہ عمدہ جواب ہے پادری عماد الدین کے رسالہ تحقیق الایمان کا لاہور میں چھپا ہے پادری صاحب کے اس رسالہ کے کئی جواب ہوئے ہیں ایک جواب اس کا معیار التحقیق نہایت عمدہ ہے اور ایک جواب اسکا حقیق الایقان ہے۔
۲۷	ابحاث ضروری	ایضاً	یہ مختصر رسالہ اسم بامسمےٰ ہے ضروری باتیں مناظرے کی اسمیں مندرج ہیں ۱۲۸۵ھ ہجری میں مطبع مصطفائی لاہور میں چھپا ہے۔
۲۸	براہین احمدیہ	مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان	اس مبسوط کتاب میں پہلے تو صرف مذہب اسلام کی حقانیت ثابت کی تھی جب اسکی عام پسندیدگی سے مصنف کے خیال نے پرواز کیا تو مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ بھی کیا۔ پھر یہ کتاب خیالی الہامات کا ذخیرہ بھی ہوگئی۔ مگر عیسائیوں کے مقابلہ میں جو کچھ لکھا گیا اُسکا جواب کسی پادری سے نہ ہوسکا۔
۲۹	حجۃ الاسلام	مولانا مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم	اسمیں پر زور تقریر سے اثبات توحید و رسالت و حقانیت مذہب اسلام کیا گیا ہے ۴۸ صفحوں پر مطبع فاروقی دہلی میں چھپا ہے۔
۳۰	گفتگوی مذہبی	ایضاً	اسمیں وہ بحث ہے جو مولانا ممدوح اور پادری نولس صاحب کے درمیان میلہ خداشناسی واقع شاہجہاں پور میں ہوئی تھی اور اُسے مولوی ہاشم علی صاحب نے مرتب کرکے ۱۲۹۳ھ ہجری

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
			میں ۲۴ صفحوں پر مطبع ضیائی میرٹھ میں طبع کرایا ہے۔
۳۱	فضائل الاسلام فی ذکر خیر الانام المعروف بتاریخ محمدی	مولوی محمد فیروز الدین صاحب ڈسکوی متخلص بہ فیروز	یہ کتاب عمدہ جواب ہے پادری عماد الدین کے اُن ناپاک خیالات و فاسد گمانات کا جسکا نام اُنھوں نے تواریخ محمدی رکھا ہے مولوی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ علی العموم اقوام غیر کے مصنفین کی کتابوں سے جمع کیا ہے مولوی صاحب مدرس اول فارسی ڈسٹرکٹ اسکول سیالکوٹ کے ہیں جس کسیکو زیادہ تفصیل دریافت کرنی منظور ہو وہ مولف صاحب سے دریافت کرے پادری صاحب کی اس کتاب کا جواب مولوی چراغ علی مرحوم صاحب نے بھی دیا ہے جسکا نام **تعلیقات** ہے ۷۹ صفحوں پر مطبع منشی اصغر علی مالک اخبار مخبر صادق لکھنؤ میں سنہ ۱۸۷۲ء میں چھپا ہے۔
۳۲	تنزیہ الفرقان	مولوی سید محمد صاحب مدرس ہائی اسکول علیگڈھ	یہ نہایت عمدہ جواب ہے پادری عماد الدین کے اُن اعتراضوں کا جو اُنھوں نے ہدایۃ المسلمین میں قرآن مجید پر کیے ہیں مطبع مفید عام آگرہ میں ۴۷۵ صفحوں پر سنہ ۱۸۷۶ء میں چھپا ہے اسکا جواب پادری عماد الدین نہیں دیسکا مگر ہدایت المسلمین مرمت شدہ کے عنوان پر محض ناراست دعوی اسکے جواب دینے کا کیا ہے اور اسکا نام جواب نہیں کہ کسی مقام پر کچھ کہدیا ہو اور جن امر کے متعدد جواب دیے تھے اُن میں ایک پر کچھ حرف گیری کردی اور وہ بھی غلط۔

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
۳۳	مخرج عقاید نوری	مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری	یہ رسالہ پادری عماد الدین کے نغمۂ طنبوری کا عمدہ جواب ہی سنہ ۱۸۷۸ع میں ۸۰ صفحوں پر مطبع سوسائٹی بریلی میں چھپا ہی دوسرا جواب اسکا مولوی ابو المنصور صاحب نے لکھا ہے جو سنہ ۱۲۸۹ ہجری میں ۳۲ صفحوں پر میور پریس دہلی میں چھپا ہی جسکا نام لحن داودی ہے تیسرا جواب مولوی سید علی محمد صاحب مجتہد لکھنوی نے لکھا ہے جو سنہ ۱۲۸۹ع میں ۴۴ صفحوں پر مطبع حسینی لکھنو میں چھپا ہے اسکا نام بھی لحن داودی ہے چوتھا جواب اسکا راقم نے لکھا ہے جو سنہ ۱۲۹۵ ہجری میں ۶۲ صفحوں پر مطبع کوہ نور لاہور میں چھپا ہے جسکا نام ترانہ حجازی ہے اصل میں یہ رسالہ اُن سوالونکا جواب ہے جو پادری عماد الدین نے نغمۂ طنبوری میں کی ہیں کل لغویات سے تعرض نہیں کیا مگر ان سب کے جواب سے پادری صاحب عاجز رہے۔
۳۴	صداقت قرآنی از کتب ربانی	مولوی محمد سلیم اللہ صاحب	یہ رسالہ سر ولیم میور صاحب کے رسالہ شہادت قرآنی کا جواب ہے اخبار منشور محمدی کی جلد ۶ مطبوعہ سنہ ۱۲۹۴ ہجری میں چھپا ہی
۳۵	الصاعقة للاختلاف	ایضاً	یہ عمدہ رسالہ بطور ریویو ثلثة الکتب کا جواب ہی منشور محمدی کی جلد ۶ میں چھپا ہے۔
۳۶	اظہار الاسلام	ایضاً	اسمیں وہ مناظرہ مندرج ہے جو درمیان مولویصاحب ممدوح اور منشی الطاف مسیح صاحب کے رائے بریلی میں ہوا تھا جسپر منشی صاحب مشرف باسلام ہوے اچھا رسالہ ہی ۹۰ صفحوں پر ۱۸۷۶ع میں مطبع

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
			فیض منبع بریلی میں چھپا ہے یہ تینوں رسالے بھی اب تک لاجواب ہیں۔
۳۷	تائید الفرقان	مولوی محمد علی صاحب مُرادآبادی	یہ رسالہ محبوب مسیح صاحب عیسائی کے مرآۃ القرآن کا جواب ہے منشی عبدالباقی کے نام سے ۲۷ صفحوں پر چھپا ہے۔
۳۸	کشف الاوہام	ایضاً	یہ رسالہ تحفۃ الاعجم مولفہ محبوب مسیح کا جواب ہے اسمیں حجر اسود کی بحث ہے ۵۹ صفحوں پر چھپا ہے محبوب مسیح صاحب اب عیسائی نہیں رہے۔
۳۹	شہادۃ النبیین برسالہ سید المرسلین	ایضاً	یہ مبسوط رسالہ پادری رجب علی صاحب کے رسالہ شریف نسبتین کا جواب ہے ۱۳۰ صفحوں کلاں پر لکھا ہوا راقم کے پاس موجود ہے دوسرا جواب اسکا **تحقیق المماثلۃ فی النبوۃ** والرسالۃ ہے مؤلف اسکے مولوی قاضی سرفراز علی مرحوم شاہجہانپوری ہیں۔ تیسرا جواب اسکا مرزا موحد صاحب جالندہری نے لکھا ہے جسکا نام **نور محمدی** ہے مطبع بحر الاسلام بنگلور میں چھپا ہے ۸ کو یکتا ہے ان رسالونکا بھی جواب نہیں ہوا۔
۴۰	تحریف القرآن	مولوی عبدالحق صاحب دہلوی مؤلف تفسیر حقانی	یہ عمدہ جواب ہے ماسٹر رامچندر کے رسالہ تحریف القرآن کا ۶۰ صفحوں پر مطبع مجتبائی دہلی میں ۱۲۹۵ ہجری میں چھپا ہے اسپر بھی کسی نے کچھ نہیں لکھا۔
۴۱	اجلی برہان بتمجید القرآن		یہ مبسوط کتاب عدم ضرورۃ القرآن مؤلفہ پادری ٹھاکر داس صاحب کا جواب ہے منشور محمدی کی جلد ۱۲ مطبوعہ ۱۳۰۰ ہجری سے

کیفیت	نام مصنف	نام کتاب	نمبر
اسکا چھپنا شروع ہوا ہے۔ مگر مؤلف کا نام ظاہر نہیں کیا گیا			
یہ عمدہ رسالہ اسرار حج کے بیان میں ہی عیسائیوں وغیرہ کے شبہات کا خوب جواب دیا ہی اول مرتبہ سنہ ۱۲۶۳ ہجری میں مطبع دار السلطنۃ کلکتہ میں چھپا تھا دوبارہ منشی نول کشور نے سنہ ۱۲۹۲ ہجری میں ۲۴۴ صفحوں پر چھپایا ہے طالب کو مالک مطبع سے طلب کرنا چاہیئے۔	مولوی محمد شاہ صاحب مرحوم لکھنوی	غایۃ الشعور بحج الحج المبرور	۴۲
اسمیں اُس اعتراض کا جواب ہی کہ خدا تعالے نے بہشت کی نعمتوں میں مرد اور عورت کو یکساں نہیں کیا ۵۶ صفحوں پر سنہ ۱۲۹۳ ہجری میں مطبع نظامی کانپور میں چھپا ہے۔	ایضًا	فیض معظم	۴۳
اسمیں مختلف سوالوں کے تحقیقی جواب ہیں کثرت ازدواج و طلاق و ازالہ نجاست ظاہری کی بحث بھی اسمیں ہے ۵۲ صفحوں پر مطبع منشی نول کشور میں سنہ ۱۲۸۶ ہجری میں چھپا ہے اسپر بھی کسی عیسائی نے قلم نہیں اٹھایا۔	ایضًا	اجوبۂ عجیبہ	۴۴
یہ عمدہ رسالہ معجزہ شق القمر کے اثبات میں ہی اور ہر ایک مخالف کو کافی جواب دیے ہیں ۱۰۰ صفحوں پر مطبع مفید عام آگرہ میں چھپا ہی سنہ طبع نہیں لکھا گیا غالبًا سنہ ۱۲۹۹ھ یا اسکے بعد چھپی ہے	مولوی محمد عبد اللہ صاحب مدرس مدرسہ صولتیہ کلکتہ	شق القمر لمعجزۃ سید البشر	۴۵
یہ رسالہ عربی زبان میں رسالہ معذرات کندی کا جواب ہی جو لندن سے ہندوستان میں بھیجا گیا تھا ۲۰ جزو میں ہے مگر اب تک چھپا نہیں ہے مولوی صاحب ممدوح	ایضًا	السیف الہندی علی معذرات الکندی	۴۶

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
			عربی فارسی انگریزی عبرانی وغیرہ متعدد زبانیں جانتے ہیں نہایت لایق شخص ہیں کئی رسالے اس فن میں لکھے ہیں۔
۴۷	ارشاد الغبی الی اسم النبی	مولوی عبد اللہ صاحب مدرس مدرسہ صولتیہ کلکتہ	اس رسالہ میں ثابت کیا ہے کہ حجی نبی کی پیشین گوئی کے مصداق حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والثنا ہیں۔
۴۸	اعلام الاخبار و الاعلام ان الدین عند اللہ الاسلام	مولوی عبد الباری صاحب سہسوانی	اس کتاب میں مذہب اسلام اور مذہب عیسوی کا مقابلہ کرکے اسلام کی افضلیت ثابت کی ہے اس عمدہ طرز میں یہ اول کتاب ہے، ۱۹۷ صفحوں پر سنہ ۱۲۹۳ ہجری میں مطبع ایڈوکیشن پریس آگرہ میں چھپی ہے۔
۴۸	احسن الکلام فی رد مخالف الاسلام	حافظ احمد الدین صاحب لاہوری	اس رسالہ میں اثبات نبوت حضرت سرور انبیا محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والثنا کیا گیا ہے ۲۶ صفحوں پر مطبع مفید عام لاہور میں چھپا ہے۔
۴۹	دعوۃ الحق	مولوی احمد علی صاحب واعظ دہلوی مقیم لاہور	یہ رسالہ کئی حصوں میں ہے اسکا نمبر ۵ مطبع گلشن رشیدی و نمبر ۶ مطبع گلزار محمدی لاہور میں چھپا ہے ان دونوں نمبروں میں کفارۂ مسیح کا بطلان ہے۔
۵۰	شہادۃ الاسلام	حکیم مرزا مغل بیگ صاحب	یہ رسالہ اثبات نبوۃ حضرت سرور انبیا میں اچھا لکھا گیا ہے سنہ ۱۳۰۲ ہجری میں ۳۲۴ صفحوں پر نصرۃ المطابع دہلی میں چھپا ہے۔
۵۱	دعوۃ الاسلام	حاجی مولوی یوسف صالح صاحب راندیری	اس رسالہ میں مختلف اعتراضوں کے جواب ہیں ۱۸ صفحوں پر سنہ ۱۳۰۳ ہجری میں مطبع نصرت المطابع دہلی میں۔

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
			تھوڑے نسخے چھپے تھے اور اسکے مؤلف پرجوش اور عالی ہمت نے مفت تقسیم کیے تھے پھر اسکا ترجمہ انگریزی میں چھپوا کر یورپ اور ہند میں تقسیم کیا۔
۵۲	نیر اعظم	مولوی اشرف علی صاحب سلطان پوری	اس رسالہ میں مذہب اسلام کی حقیت اور محمد مصطفیٰ صلعم کی نبوت کے دلائل مختصر طور سے بیان کیے ہیں ۶۹ صفحوں پر مطبع بہار جنت کپور تھلہ میں ۱۳۰۰ ہجری میں چھپا ہے۔
۵۳	خطبات احمدیہ	سر سید احمد خان خان بہادر مرحوم کے سی۔ ایس۔ آئی	اس کتاب میں بارہ خطبے علیحدہ علیحدہ مضمون میں ہیں اور اُن شبہات کا خوب جواب دیا ہے جو یورپین عیسائیوں خصوصًا سر ولیم میور صاحب نے کئے تھے اگرچہ اسمیں بعض مضامین اہل سنت کے خلاف ہیں مگر عیسائیوں کے لیے مسکت ہیں یہ کتاب انگریزی زبان میں ۱۸۷۰ء میں لندن میں چھپی ہے اور ۱۸۷۰ء میں اردو میں علیگڑھ میں چھپی ہے
۵۴	تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام	مسٹر سید امیر علی صاحب بیرسٹر ایٹ لا	یہ اردو ترجمہ ہے سید صاحب کی انگریزی کتاب کا اگرچہ یہ کتاب حضرت سرور انبیا کی سیرت میں ہے مگر ایسے طرز سے لکھی گئی ہے کہ مخالفین سے شبہات دفع ہوجاتے ہیں اور اسلام کی افضلیت ثابت ہوتی ہی مطبع جعفری لکھنؤ میں ۳۰۲ صفحوں پر ۱۸۷۳ء میں چھپی ہے۔

کیفیت	نام مصنف	نام کتاب	نمبر
اصل میں یہ اردو ترجمہ ہی گارڈفری ہیگنس کی انگریزی کتاب اپالوجی کا اور سنہ ۱۲۹۰ھ میں مطبع صدیقی میں ۱۲۰ صفحوں پر چھپا ہے اگرچہ اسکا مؤلف عیسائی تھا مگر چونکہ محقق اور آزاد طبیعت کا شخص تھا اسلیے اسلام کی خوبیوں کے اقرار کرنے پر مجبور ہوگیا اور اپنے متعصب ہم مشربوں کے الزام کو مذہب اسلام سے اُٹھایا یہ رسالہ بھی سر سید احمد خانصاحب بہادر یا مولوی محمد یوسف صاحب وکیل علی گڈہ سے کرنے پر مل سکتا ہے ان کتابوں کا بھی جواب کسی عیسائی نے نہیں دیا۔	گارڈفری ہیگنس صاحب	حمایۃ الاسلام	۵۵
اصل میں یہ بھی دونوں اردو ترجمہ ہیں صاحب مذکور کی انگریزی کتاب اپالوجی کے پہلا ترجمہ سنہ ۱۲۸۰ میں دہلی میں اور دوسرا لکھنؤ میں چھپا ہی اسکا مؤلف بھی اگرچہ عیسائی ہی مگر منصف مزاج ہونیکی وجہ سے متعصب عیسائیونکے الزامات خوب اُٹھائے ہیں	جان ڈیون پورٹ صاحب	موید الاسلام مظاہر الحق	۵۶
اسمیں اثبات نبوت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والثنا کیا گیا ہی بالخصوص عہد عتیق اور جدید کی بشارات سے آنحضرت کے بہت سے خصوصیات کو ان کتابوں سے ثابت کیا ہے مطبع لیجری سوسائٹی بریلی میں ۲۰۲ صفحوں پر سنہ ۱۳۰۳ ہجری میں دوسری مرتبہ چھپی ہے ۱۲ قیمت پر مؤلف صاحب ساکن منگلور ضلع سہارنپور سے مل سکتی ہے۔	مولوی رحم آلہی صاحب منگلوری	بشارات محمدی	۵۷
اس رسالے میں چند مذاہب خصوصا مذہب عیسوی کے	حکیم محمد حسن صاحب امروہی	ہشت کونسل معروف بدر لیے بہا	۵۸

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
			مقابلے میں حقیت مذہب اسلام ثابت کی ہی ۱۲۹۱ھ ہجری میں ۳۲ صفحوں پر دہلی میں چھپا ہے
۵۹	اعزاز عیسوی	مولوی حاجی سید احمد حسین صاحب عظیم آبادی	یہ رسالہ پادری ٹھاکرداس صاحب کے مایہ فخر یعنی رسالہ الٰہام عیسوی کا جواب ہے۔
۶۰	مراسلات مذہبی	شیخ مولا بخش صاحب چودہری کانپوری	اسمیں بعینہ وہ مناظرہ تحریری ہے جو ۱۸۶۶ء میں درمیان چودہری صاحب و پادری فیلڈ بریو صاحب کے ہوا تھا اس میں چار مطالب کو سلیس عبارت میں اچھے طور پر بیان کیا ہی اول ابطال کفارہ دوم بیبل کے الہامی ہونے کا بطلان سوم قرآن مجید میں تغیر و تبدل نہونے کا ثبوت۔ چہارم حضرت سرور انبیا محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات اور چند مشہور اعتراضوں کے جواب بھی ہیں ۱۸۶۸ء میں ۴۸ صفحوں پر نامی پریس کانپور میں چھپا ہے
۶۱	تکمیل الادیان باحکام القرآن ملقب بآئینہ اسلام		یہ رسالہ راقم کا ۱۳۰۱ھ ہجری میں ۹۸ صفحوں پر مطبع نامی کانپور میں چھپا ہی اصل میں یہ نیاز نامہ کے اختلاف چہارم کا جواب ہے اسمیں تعلیم محمدی کی عمدگی نمونے کے طور پر دکھائی گئی ہے۔ نایاب ہے
۶۲	دفع التلبیسات		راقم نے اس کتاب کے دو حصے کیے ہیں پہلے میں تلبیسات

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
			مولفہ پادری عماد الدین کا جواب ہے اور تین مستحکم دلیلوں سے اثبات نبوت حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والثنا کیا ہے یہ حصہ سنہ ۱۳۰۲ ہجری میں ۱۷۳ صفحوں پر مطبع نامی کانپور میں چھپا ہے اور دوسری مرتبہ دہلی میں اور آٹھ آنہ قیمت سے شہر مونگیر محلہ منصور پور میں حاجی لیاقت حسین سے مل سکتا ہے دوسرے حصے میں تواریخ محمدی کا جواب ہے وہ اب تک چھپا نہیں۔
۶۳	پیغام محمدی		یہی کتاب ہے جسکے ضمیمہ میں یہ فہرست لکھی جاتی ہے اگرچہ یہ کتاب نیاز نامہ مولفہ منشی صفدر علی صاحب عیسائی اور پادری ٹھاکر داس صاحب کی عدم ضرورت قرآن کا جواب ہے مگر اہل تحقیق دریافت کرینگے کہ فی نفسہ ایک مستقل کتاب ہے جسمیں ہر ایک مطلب پر محققانہ طور سے بحث کی گئی ہے اسے چھپے ہوئے عرصہ دراز ہو گیا مگر کوئی پادری جواب نہیں دیسکا
۶۴	عصمت الانبیا	مولوی غلام نبی صاحب امرتسری	یہ رسالہ عیسائیوں کے رسالہ نبی معصوم کا جواب ہے اسمیں عمدگی سے انبیا کا معصوم ہونا ثابت کیا ہے مطبع ریاض ہند میں چھپا ہے ۲ر قیمت ہے اس رسالہ کا دوسرا جواب مولوی ابو المنصور صاحب نے لکھا ہے اسکا نام مرصوم ہے
۶۵	تصدیق الاسلام	ایضاً	اس مختصر رسالہ میں توریت وانجیل سے حقیت اسلام کا ثبوت دیا ہے مطبع محمدی میں چھپا ہے ۱ر قیمت کو مل سکتا ہے۔
۶۶	تحقیق الاسلام	ایضاً	یہ رسالہ مطبع ریاض ہند میں چھپا ہے باقی کیفیت اسکی مثل رسالہ سابق کے ہے۔

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
٦٧	معجزات محمدیہ	مولوی غلام نبی صاحب	اس رسالہ مین تین قسم کے معجزات محمدیہ قرآن مجید سے مختصر طور سے بیان کیے ہین یعنے معجزات علمی، اور معجزات قدرتی اور معجزات عقلی اور آخر مین چند اہل یوروپ کی شہادتین حضرت محمد مصطفےٰ ؐ کی مدح مین نقل کی ہین مطبع ریاض ہند امرت سر مین ۲۴ صفحوں پر سنہ ۱۸۸۵ع مین چھپا ہے۔
٦٨	حقیقت اصلیت جہاد	ایضاً	اسکی کیفیت نام سے ظاہر ہے قیمت اسکی ۲ ہے یہ پانچون رسالے امرت سر مین مولوی غلام نبی صاحب کتب فروش کی دوکان سے مل سکتے ہین۔
٦٩	ضیاء النورین	مولوی سید نصرت علیصاحب	یہ رسالہ پادری ٹھاکرداس صاحب کے رسالہ سیرت المسیح والمحمد کا جواب ہے منشور محمدی کی جلد ۱ نمبر ۱ مطبوعہ ۵ محرم الحرام سے اسکا چھپنا شروع ہوا ہے اور شاید نصرت المطابع دہلی مین علحدہ بھی چھپا ہے۔
٧٠	القول الانجح فی زی المحمد والمسیح	مولوی حکیم سید محمد غوث علی صاحب گورکھپوری	یہ رسالہ بھی پادری ٹھاکرداس کے رسالہ مذکور کا تحقیقی جواب ہے سنہ ۱۳۰۶ ہجری مین ۷۲ صفحوں پر مطبع لطیف الاخبار گورکھپور مین چھپا ہے یہ سب کتابین بھی ابتک لاجواب ہین۔
٧١	منشور محمدی		سنہ ۱۲۸۹ ہجری مین جب پادری صاحبون نے اسلام پر چارون طرف سے حملہ شروع کیا اور کتابوں اور رسالونکے علاوہ متعدد اخبارون مین اعتراض کرنا شروع کیے اُسوقت یہ اخبار جاری ہوا اور اپنی راست بیانی سے طالبین حق کو

حق نمائی کا مژدہ دیا اور متعدد اخباروں کے جواب دیتا رہا آخر کو عیسائیوں کے کئے اخبار لاجواب ہوکر بند ہوگئے اور بہت سے گم گشتہ راہ ہدایت پر آگئے مگر افسوس ہے کہ باوجود اس نفع کثیر اور حمایت اسلام کے جو اس اخبار سے ظہور میں آئی ہمارے بھائیوں نے اسکی کچھ قدر نہ کی لہذا بجائے ترقی ایسا تنزل ہوا کہ بند ہوگیا اور کسیکو توجہ نہ ہوئی اللہ تعالی پھر اسے جاری کرے۔ اس فہرست میں اگرچہ خانہ کتاب میں ۸۱ کتابوں کا نام لکھا گیا مگر سولہ کتابوں کے نام ضمناً آگئے ہیں اس حساب سے ۹۷ کتابوں کے نام اسمیں لکھے گئے اور اگر اخبار منشور محمدی کے ہر ایک جلد کو علیحدہ کتاب شمار کیا جاسے تو ۱۰۵ کتابیں ہوسکتے ہیں ہمارے دوست نے مراسلات مذہبی میں ۱۰۹ کتابوں کے نام لکھے ہیں مگر اُسمیں منشور محمدی کو ایک ہی شمار کیا ہے اور پانچ کتابوں کے نام میری فہرست میں ایسے ہیں جو اُسمیں نہیں ہیں لہذا میرے حساب سے کل کتابیں ۱۱۴ ہوئیں اور بعد لکھنے اس فہرست کے پانچ چھہ کتابوں کے نام اور بھی میری نظر سے گذرے ہمارے بھائیوں کو یہ امر موجب مسرت ہوسکتا ہے کہ باوجود اُن کے کمال بے توجہی اور بے سروسامانی کے اسقدر کتابیں لکھی گئیں جن میں سے اکثر کتابوں کا جواب اب تک کسی عیسائی نے نہیں لکھا باوجودیکہ ہر طرح کا سامان موجود ہے اور کامل طور سے توجہ کی جاتی ہے الحمد للہ علی ذلک اب خیال کرنا چاہیئے کہ اگر ہمارے علما اور اُمرا عیسائیوں کے آٹھواں حصہ بھی توجہ کریں تو کیا حال ہو۔ اس فن کے شایقین کے خدمت میں التماس ہے کہ ان دو فہرستوں کے علاوہ جب انھیں اور نام معلوم ہوں تو ضرور ہے کہ ان فہرستوں پر اضافہ کرکے انھیں مشتہر کرتے رہیں تاکہ قوت اسلام کا حال مخالفین کو معلوم ہوتا رہے۔

التماس

جو ذی علم بنظر حمایت اسلام مناظرہ اہل کتاب کی طرف توجہ رکھتے ہیں وہ نہایت وقعت کے

لائق ہیں کیونکہ وہ اسلام اور اہل اسلام کے بہت بڑے سپر ہیں ہمارے غافل بھائی مسلمان دشمنان دین کے کارروائیوں اور کوششوں سے ہرگز واقف نہیں ہیں وہ نہیں جانتے کہ کس کس طرح پر اُنکو جال میں پھانسنے کی تدبیریں ہو رہی ہیں اور کس کس عنوان سے مقدس مذہب اسلام کو شکست دینا چاہتے ہیں اور کس کس مکر و فریب سے ہمارے پیارے ایمان کو برباد کرنیکا قصد رکھتے ہیں ان تدبیروں میں زیادہ خوفناک لڑکیوں کے مدرسے ہیں جو مشن کے طرف سے جاری ہوئے ہیں اور گھروں میں مسوں کا آنا جو تعلیم کے پردہ میں نعمت ایمان کو چھیننے آتی ہیں اہل اسلام کو ان سے نہایت پرہیز کرنا چاہیے ان فریبوں سے کم و بیش وہی واقف ہوتے ہیں جنکو اس مناظرہ کی طرف میلان ہے اور حمایت اسلام کا اُنہیں شوق ہے اور حتی الوسع ان سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں نہایت تعجب اور افسوس اُن بزرگ علما پر ہے جو اس نازک وقت میں اس ضرورت شدید کیطرف توجہ نہیں فرماتے اور اس فن کو اور اس فن کے مشتغل کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور لغو و بے کار سمجھتے ہیں میں اُنکی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ مخالفوں کو جواب دینا اور امر حق کا ثابت کرنا اور اُن کو الزام دینا اگر بیکار ٹھیرے گا تو نعوذ باللہ خدا اور رسول پر الزام آئیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مشرکین سے اور یہود و نصاریٰ سے بہت کچھ مناظرہ کیا ہے اور اُنکو الزام دیے ہیں اسیوجہ سے ہمارے علمانے جہاں علوم قرآن مجید بیان کیے ہیں اُن میں ایک علم مناظرہ بھی داخل کیا ہے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ باب اول فوز الکبیر میں تحریر فرماتے ہیں۔ ان معانی القران المنطوقة لا تخرج عن خمسة علوم علم الاحکام وعلم المخاصمة والرد علی الفرق الضالة الاربع من الیهود والنصاریٰ والمشرکین والمنافقین الخ۔ اور جب کفار مکہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہجو کی تو آپ نے صحابہ کرام سے اسکا جواب دلوایا اور حسان بن ثابتؓ کا جواب پسند آیا اور اُنکی ایسی وقعت کی کہ اپنے روبرو اُنھیں بلندی پر یعنی منبر پر بٹھایا اور جواب پڑھوایا یہاں سے کیسی وقعت

اس فن کی اور اس فن میں مہارت رکھنے والوں کی ثابت ہوتی ہے جو صاحب اس فن کو اس وقت میں بے کار خیال کرتے ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسکا بیکار ہونا زیادہ سمجھتے ہونگے کیونکہ اُسوقت تو سطوت آلہی اور قہر خداوندی نے مخالفین نے دفع شر کے لیے تلوار کو میان سے نکال رکھا تھا اور مناظرہ سنانی درپیش تھا پھر بظاہر مناظرہ زبانی کی کیا حاجت تھی مگر حقیقت حال یہ ہے کہ فہمایش اور ثبوت امر حق کے لیے مناظرہ زبانی تھا اور بہ مجبوری دفع شر کے لیے مناظرہ سنانی تھا اسوقت میں مناظرہ سنانی کی گنجایش نہیں ہے مگر ثبوت امر حق کیلئے مناظرہ زبانی کے زیادہ تر ضرورت ہے یہ خیال کرنا کہ ہمارے مناظرہ سے کیا ہوتا ہے ہدایت اللہ کی طرف سے ہے اور اس خیال سے اس فن کو بیکار سمجھنا سخت نافہمی ہے اس میں شبہہ نہیں کہ ہدایت اللہ کی طرف سے ہے مگر غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کی ہدایت کے لیے انبیا کو مبعوث فرمایا اور اُن پر ہدایت و تبلیغ کو فرض کیا اُنکی پیروی کرنے والوں کو مراتب عالیہ دینے کا وعدہ فرمایا اور نہ ماننے والوں کو سخت عذاب کا مستحق ٹھہرایا پھر اگر اسی پر قناعت کرنا کافی تھا کہ ہدایت اللہ کی طرف سے ہے تو یہ باتیں بے کار ٹھہرتی ہیں نعوذ باللہ منہ آپ یہ آپ ہی خیال کریں کہ اللہ اور رسول کی باتوں کو بیکار اور لغو سمجھنا کیسا ہے اصل بات یہ ہے کہ یہ عالم اسباب ہے خدائے تعالیٰ نے اس عالم میں ہر ایک امر کے لیے ایک سبب ٹھہرا رکھا ہے جو کچھ وہ کرتا ہے سبب کے پردہ میں کرتا ہے لہذا ہمیں نہایت ضرور ہے کہ سبب کی پابندی کریں المختصر ہمارا فرض یہ ہے کہ مخلوق خدا کی خیرخواہی اور ہدایت کے لیے جس طرح ہو سکے زبان سے ہاتھ سے پیر سے کوشش کریں اور جو نہ سمجھے اوسے سمجھائیں اور اس پر قناعت نکریں کہ ہدایت اللہ کی طرف سے ہے ہماری کوشش بیکار ہے اور اگر اثر کم دیکھیں تو ہمت کو نہ ہاریں بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کے حال کو یاد کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں ہدایت خلق کیلئے مبعوث فرمایا اور اُنھوں نے ساڑھے نو سے برس تک لوگونکو ہدایت کی اور اس مدت دراز میں کل اسی مرد و عورت ایمان لائے

اب اگر اس عرصہ دراز کی کوشش کو اور اسکے ثمرہ کو مقابلہ کیا جائے تو کسقدر کمی معلوم ہوتی ہے
مگر رحمت خداوندی دیکھنا چاہیے کہ صرف اتنی ہی آدمی کی ہدایت کے لیے ایک پیغمبر مبعوث کیا
اس وقت میں وعظ و نصیحت اور تصانیف کتب سے صرف یہی اثر نہ خیال کرنا چاہیے کہ
غیر مذہب والے دین اسلام کو قبول کرلیں بلکہ بہت بڑا فائدہ اس سے یہ ہے کہ بہت سے
ناواقف مسلمان ہلاکت ابدی سے بچتے ہیں اور دشمنان دین کے شبہات اور مکائد اُن کے
قلب میں اثر نہیں کرتے۔ اول تو جب انھیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارے علما مقابلہ میں جواب
دے رہے ہیں اور یہ کہ کتب عیسائیوں وغیرہ کے جواب میں لکھی گئی ہے تو انھیں اطمینان
ہو جاتا ہے اور اُن کے دلمیں خطرہ آتا ہی نہیں اور اگر کسی کے آیا بھی تو اپنے واعظوں کے
بیان سے یا اس فن کی کتابوں کے دیکھنے سے رفع ہو گیا دوسروں کے مسلمان کرنے سے
اپنے بھائی مسلمانوں کو ہلاکت ابدی سے بچانا بہت زیادہ اہم ہے۔ مگر یہ امر خطرناک ہے
کہ اس اہم کام کے طرف اکثر وہی صاحب متوجہ ہیں جو مایہ علمی کم رکھتے ہیں اور کوئی ذی علم کامل انکا
مددگار بھی نہیں ہوتا اس صورت میں خوف یہ ہے کہ اگر مقابلہ میں کوئی ذی علم آگیا اور معمولی باتوں کے
سوا کچھ اور اُس نے دریافت کیا تو بجز بند ہو جانے کے یا لایعنی بحث کرنے کے معقول
جواب نہ بنے گا اور توہین اسلام ہو گی پھر کیا اس اہانت کی جوابدہی علما کے ذمہ نہو گی بیشک
ہو گی کیونکہ یہ انھیں کا کام تھا اُنھوں نے کیوں ترک کیا اور کس لیے کمزوروں کی مدد نہ کی
اسوجہ سے ضرور ہے کہ علما اس طرف توجہ فرمائیں اور جس طرح اور علوم پڑھایا کرتے ہیں اسے
بھی پڑھائیں پہلے زمانیکا جو علم کلام ہے وہ اسوقت کارآمد نہیں جن فرقوں کا رد اُس میں ہے
اُن کا وجود دنیا میں ناپید ہے پھر اُن کے رد کے درپے ہونا اپنے بیش بہا وقت کو رایگاں کرنا ہے
اسوقت میں اُس علم کلام کو پڑھنا پڑھانا چاہیے جسکی ضرورت اسوقت ہے۔ وہ فلسفہ نرہا
جسکے رد میں ہمارے بزرگ علماے متقدمین نے جانفشانیاں کی تھیں وہ گمراہ فرقے دنیا سے
ناپید ہو گئے جنکے اقوال کے ابطال میں ہمارے بزرگوں نے کارنمایاں دکھائے تھے

اے یادگاران سلف جس طرح تمہارے بزرگوں نے اپنے زمانے کے گمراہ فرقوں کو جواب
دیا تھا اور کتابیں تصنیف کر کے درس میں داخل کی تھیں اُسی طرح تم اپنے عہد میں اُن
گروہوں کا رد کرو جو اس وقت دنیا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ ہمارے اُن حضرات کو مناظرہ سے
زیادہ تنفر ہے جو صوفیائے کرام کی پیروی کرتے ہیں اُن کا تنفر بجا ہے ع ہر سخن وقتے
و ہر نکتہ مقامے دارد۔ ابتدائے سلوک میں مقصود یہ ہوتا ہے کہ قلب ماسوائے اللہ سے
خالی ہو جائے یعنی محبت الٰہی کے سوا دوسری شے کی محبت کیا دوئی کا خیال بھی نہ رہے اس
امر کے لیئے ضرور ہے کہ نہایت کثرت سے اللہ کی یاد کیجائے اور اُسی طرف دھیان لگا رہے
ایسی حالت میں تو بحث سے وہبی امر بھی اُنھیں چھوڑنے پڑتے ہیں چنانچہ ماہرین علم سلوک کے
ظاہر ہے اور علم مناظرہ دو وجہ سے اُن کی حالت کے منافی ہے ایک یہ کہ جب اس فن کی
طرف توجہ ہوتی ہے اور خصوصاً جب کسی کا مقابلہ ہو جاتا ہے تو قلب کو ایسی کامل توجہ
ہو جاتی ہے کہ ادھر طرف سے کھینچ آتا ہے اور اس میں ڈوب جاتا ہے اور یہ امر اُن کی مدعا
کے نہایت منافی ہے کیونکہ اُن کا مقصود تو یہ تھا کہ ماسوی اللہ کا خیال بھی نہ رہے اور
یہاں شب و روز جواب و سوال کی فکر ہو جاتی ہے اور اُس میں نفس کو ایک قسم کا مزہ ملنے
لگتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مخالفین کے شبہات جو سراسر باطل ہوتے ہیں اُن میں بطلان کی
ظلمت بھری ہوتی ہے لہذا اُنھیں دیکھنے اور بیان کرنے سے ایک طور کی تاریکی قلب
میں آتی ہے جس طرح بد آدمی کی صحبت برا اثر پیدا کرتی ہے اسی طرح بری کلام کا اثر برا ہوتا ہے
جسکو ہمنے ظلمت کہا ہے اور حضرات مذکورہ کو نہایت اہتمام ہوتا ہے کہ قلب کو ہر ایک
بُرے اثر اور ظلمت سے بچاویں اسوجہ سے اُنھیں اس سے بچنا ضرور ہوتا ہے مگر یہ
اُن کا اہتمام اُسی وقت تک ہے جب تک اُن کی حالت مستحکم نہیں ہولیتی اور بعد استحکام
اسکی ضرورت نہیں رہتی پھر اگر ظلمانی اثر پڑے تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ کسی کو مکان صاف
کرنے کی ضرورت پیش آئی تو بالضرور اُسے گرد و غبار میں آلودہ ہونا پڑتا ہے یاذاکر کیلئے

معالجہ کرے اور اُسکی آلائش اسکے بدن پر لگے غرض کہ اس آلودگی میں اسکی مضرت نہیں ہوتی دھونے کے بعد صاف ہوجاتا ہے
الحاصل یہ بزرگ ایک وجہ خاص سے اس طرف توجہ کرنے سے معذور ہیں اور چونکہ انکی مقصود کے مضر ہے اسلیئے وہ پسند نہیں فرماتے مگر اُن کے پسند نفرمانے سے فی نفسہ یہ فن برا نہیں ہوسکتا بعض وقت عذر کی وجہ سے عمدہ غذا مضر ہوتی ہے اور پسند نہیں کیجاتی پھر کیا اس سے اُس غذا کی عمدگی جاتی رہتی ہے ہرگز نہیں۔ اسی وجہ سے بعض کاملین مناظرہ میں مشغول ہوئے ہیں چنانچہ امام غزالی علیہ الرحمہ نے فلسفہ کا رد کیا ہی اور ایک قسم کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اور ایک نوع کا جہاد ہے جسکی ضرورت تمام کاملین بیان کرتے آئے ہیں حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ کے مکتوبات میں ۲۹ مکتوب اسی بیان میں ہے اور نہایت بسط و تفصیل سے بزرگوں کے اقوال وغیرہا سے اسکی ضرورت ثابت کی ہے وہ قابل ملاحظہ ہے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ خدائے تعالےٰ نے اپنی کمال عنایت سے بعض کاملین کو تصنیف کتب اور تحریر علوم کی طرف مشغول کیا اور بعض کو مباحثہ کا شوق دیا الغرض نہایت اے سلوک میں جس طرح اور علوم کی طرف توجہ کرنا مناسب نہیں ہوتی اسی طرح مناظرہ کی طرف غیر مناسب ہوتی ہے بعد تکمیل مضرت نہیں کرتے۔ سوا اسکے ہم ایسے بزرگوں سے توجہ کے خواستگار نہیں وہ ایسے اہم اور عمدہ تریں کام میں مصروف ہیں کہ صرف اُن کا وجود ہی تبرک اور غنیمت ہے اگر انہوں نے کام پورا کرلیا تو صرف انکی ایک صحبت اور نظر سے وہ کام نکلے گا جو اوروں کی تمام عمر کی کوشش سے نہو سکیگا ہم تو اُن صاحبوں کی خدمت میں عرض کرتے ہیں جو اپنی اکثر اوقات عزیز بیکار اور غیر ضروری امر میں صرف کرتے ہیں اور شب و روز باہمی جھگڑوں میں رہتے ہیں وہ کیوں نہیں اس طرف توجہ فرماتے خیال کرنے کا مقام ہے کہ ہندوستان میں سیکڑوں پادری صاحب کوچہ و بازار میں ہمارے رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم پر اعتراض کرتے پھرتے ہیں اور ہمارے پاک مذہب اسلام کی اہانت کرتے ہیں پھر کیا ہمارے علما پر ان کا جواب دینا فرض نہیں ہے مگر ایک عالم بھی نظر نہیں آتا جسے اس فن خاص سے دل بستگی ہو افسوس صد افسوس بیچارے کم مایہ لوگ کسی قدر متوجہ ہیں مگر اُنکی توجہ سینکڑوں ذی علم پادریوں کا مقابلہ کیونکر کر سکتی ہے اور جو کچھ اُسمیں خطرہ ہے اُسے ہم بیان ہی کر چکے ہیں۔ یہ کہیئے کہ خداے تعالیٰ نے ہمیں وہ مذہب مقدس عنایت کیا ہے جو اپنی ذاتی عمدگی کی وجہ سے مثل آفتاب خود چمکتا ہے اور جو اُسپر خاک ڈالے وہ خود ہی گرد آلود ہو جاتا ہے یہ اُسکی سچائی اور عمدگی کی کیسی روشن دلیل ہے کہ جس مقام پر اُسکے مخالفوں کی شان و شوکت ظاہری کا دریا موج زن ہے وہاں بھی پچھلے دلوں میں یہ اپنا اثر دکھا رہا ہے اور اپنی خوبیوں سے اُن کے دلوں کو بیتاب کر رہا ہے لندن وغیرہ میں عیسائی مسلمان ہوتے جاتے ہیں بہت سے تو اپنے نقصان کے خوف سے اظہار نہیں کرتے مگر بعض کے دل میں ایسا جوش زن ہوا کہ اُنہوں نے اعلان کر دیا ہے چنانچہ لیورپول میں انہیں پرجوش نونہال مسلمانوں نے ایک انجمن قائم کی ہے جس کا نام **لیورپول مسلم انسٹیٹیوٹ** ہے LIVEPPOOL MOSLEM TSTITUTE۔ اس انجمن کی غرض اشاعت اسلام۔ تعمیر مسجد۔ تعلیم عربی فارسی ترکی ہندوستانی۔ مؤید اسلام کتابوں کا مشتہر کرنا۔ ایک کتب خانہ مہیا کرنا۔ غریب مسلمانوں کی مدد کرنا۔ اہل اسلام کو چاہیے کہ نہایت ہمت و مستعدی سے اس انجمن میں شریک ہوں اور اُسکی مدد کریں اللہ تعالیٰ اس انجمن کو جمیع مقاصد میں کامل طور سے کامیاب کرے آمین اس انجمن کے نائب میر مجلس **مولوی رفیع الدین** سابق میر مجلس انجمن اسلامی بمبئی ہیں اور **مسٹر جی لسٹر صاحب** آنریری سکرٹری ہیں یہ حالت اسوقت کی ہے جسوقت پہلے یہ رسالہ چھپا ہے۔ واٰخر دعوانا

ان الحمد للہ رب العٰلمین ۔

پیغامِ محمدیؐ

ناظرین اس کتاب کی خوبیوں کی اصلی کیفیت اور حضرت مصنف علامہ کی علمی وسعت تو اس کتاب کے دیکھنے ہی سے معلوم ہوگی خصوصاً مخالفین اسلام کی کتابوں پر حضرت ممدوح کی وسیع نظر اور پھر اُنکے ایسے مضامین کی تلاش اور انتخاب جو اسلام کی سچائی اور حقانی ہونیکی روشن شہادت ہیں اور وہ امر جو اسلام کی خصوصیات سے ہے جس نے دیگر مذاہب میں اسلام ہی کو ان الدین عند اللہ الاسلام کے مبارک خطاب کا مستحق ٹھہرایا ہے یعنی اسلام کا کامل ہونا اسکی تعلیمات کا اُن نقصانات کی تلافی کرنا جسکی تکمیل کی ضرورت تھی یہ وہ امور ہیں جن پر اس کتاب میں پورے طور سے روشنی ڈالی گئی ہے اور پادری صفدر علی نے جو مذہب عیسوی کے تعلیمات کے متعلق محض زبانی یہ دعوی کیا تھا کہ وہ کامل ہے اور کسی قسم کی شہادت اسکے ثبوت میں نہیں پیش کی تھی حضرت مصنف علامہ نے نہایت پر زور شہادتوں اور روشن دلیلوں سے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام کی تعلیمات عیسوی تعلیمات سے بدرجہا اعلی اور عمدہ ہیں اور انکو ایسے عمدہ اسلوب اور عام فہم طرز سے بیان کیا ہے جسکو ہر شخص سمجھے اور کیسا ہی مخالف کیوں نہ ہو وہ بھی ایمان لے آئے اسوقت عیسائیوں کے مقابلہ میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن تعلیمات اسلامیہ کی خوبی اور بمقابلہ عیسوی احکام کے اُنکی کمال عمدگی کسی نے نہیں دکھائی تثلیث و کفارہ کا رد بھی اس عمدگی اور شائستگی سے کیا ہے کہ باید و شاید تہذیب و نرمی کا لحاظ بھی ایسا کیا ہے جیسے سچے کامل الایمان کو چاہیے اگرچہ مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر مرحوم نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن ان دونوں کا فرق اہل کمال خود دیکھنے کے بعد کر سکتے ہیں حضرت مصنف علامہ کے عیسائیوں کے مقابلہ میں اور بھی چند کتابیں ہیں جنمیں سے دفع التلبیسات دوبارہ اب پھر شائع کیگئی ہے اور ترجمہ جہازی آئینہ اسلام پہلے چھپی تھی لیکن اب وہ نایاب ہے اسوقت اسکی ضرورت ہے کہ اسلام کے شیدائی اور سچے ہمدرد اسطرف توجہ فرمائیں اور انکو دوبارہ چھپوائیں۔ وما علینا الا البلاغ

عبد اللطیف رحمانی